تفریح الخواطر

فی ردّ

تنویر الخواطر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم
گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

تَفْرِيْحُ الْخَوَاطِرْ فِیْ رَدِّ تَنْوِیْرِ الْخَوَاطِرْ

بفضل اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ راقم اثیم نے آج سے کئی سال پہلے مسئلہ حاضر وناظر پر ایک کتاب **تبرید النواظر** لکھی تھی جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث اور حضرات فقہاء کرامؒ کے صریح فتوؤں سے آں حضرت ﷺ (اور نیز دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات اولیاء کرامؒ) کے ہر جگہ اور ہر وقت حاضر وناظر ہونے کی نفی ثابت کی تھی اور اس میں فریق مخالف کے تار عنکبوت دلائل اور بے سروپا شبہات کے مسکت جوابات بھی عرض کردئے گئے تھے جس کو بحمد اللہ تعالیٰ ہر طبقہ میں بڑی ہی قبولیت حاصل ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے کئی ایڈیشن نکل گئے مگر اس سے فریق مخالف کو بہت ہی بڑی کوفت ہوئی اور ہونی بھی چاہئے تھی، کچھ عرصہ تو انہوں نے خاموشی اختیار کی مگر ان کی باسی کڑھی میں آخر اُبال آ ہی گیا، چنانچہ ان کے نام نہاد مناظر اسلام صوفی اللہ دتہ صاحب نے اس کا رد لکھا جس کا نام **تنویر الخواطر** رکھا اور قریش مکہ کی (جنہوں نے آنحضرت ﷺ کا نام بجائے محمد (ﷺ) کے "مذمم" رکھا تھا معاذ اللہ تعالیٰ (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۰۱ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۱۵) اور خانصاحب (جنہوں نے **تقویۃ الایمان** کا نام **تفویت الایمان** رکھا تھا۔ الکوکبۃ الشہابیہ ص ۹) کی پیروی میں **تبرید النواظر** کا نام دلِ ماؤف کی بھڑاس نکالنے کیلئے **تسوید النواظر** رکھ کر اخلاقی پستی کا واضح ثبوت دیا مگر اس سے کیا حاصل؟ اس پیشِ نظر کتاب میں بتوفیق اللہ تعالیٰ ان کے دلائل کی کل کائنات اور ان کے شبہات کا تانا بانا باحوالہ عرض کیا گیا ہے جو اہل علم کے پڑھنے کے قابل ہے۔

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔

احقر ابو الزاھد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ منڈی

وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

طبع چہارم .... نومبر ۲۰۰۸ء

نام کتاب .... تفریح الخواطر فی رد تنویر الخواطر

مؤلف .... امام اہل سنت شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدھم

مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

تعداد .... گیارہ سو (۱۱۰۰)

قیمت .... ۱۴۰/- (ایک سو چالیس روپے)

ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی ☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد ☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد

☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ مینگورہ ☆ دار الکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت ☆ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

فہرستِ مضامین

تبصرہ

مُبَسْمِلاً وَّ مُحَمِّدِلاً وَّ مُصَلِّیاً

امابعد مسئلہ حاضر و ناظر (لغیر اللہ تعالیٰ) کی نفی پر راقم کی کتاب تبرید النواظر کو طبع ہوئے تقریباً بیس سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اور بحمداللہ تعالیٰ یہ کتاب خواص و عوام ہر طبقہ میں بہت مقبول ہوئی ہے اور اس کے آٹھ ایڈیشن ختم ہو گئے ہیں اور نواں ایڈیشن اب آفسٹ پر طبع ہوا ہے۔ اس مدلل کتاب سے جہاں اہل حق کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہوا اور ان کو اطمینان اور تشفی ہوئی وہاں اہل بدعت کے غیض و غضب کا پارہ بھی خوب چڑھا اور ہم منتظر تھے کہ کوئی صاحب علم و تحقیق اس پر علمی طور پر تنقید و تبصرہ کریں تاکہ ہمیں بھی اپنی کتاب کی اصلاح کا موقع مل سکے۔ خیال تھا کہ مولوی محمد عمر صاحب یا مفتی احمد یار خاں صاحب ہی کچھ نہ کچھ لکھیں گے۔ لیکن یہ دونوں صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے اور ہم مایوس سے ہو گئے۔ اور اب جب کتاب کی آفسٹ پر کتابت ہو چکی تو بزعم خویش مناظر اسلام صوفی اللہ دتہ صاحب نے اپنی کتاب تنویر الخواطر بتحقیق الحاضر والناظر ارسال کی جو انھوں نے بزعم خود تبرید النواظر کے جواب میں لکھی ہے۔ ہم ان کی شخصیت سے چنداں واقف نہیں ہیں مگر ان کی کتاب پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مولوی محمد عمر صاحب کے خاص شاگرد ہیں کیونکہ ان کا طرز استدلال بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب کا ہے۔ مثلاً عبارت میں اصل مرکزی بات کو بالکل پی جانا اور غیر متعلق باتوں میں الجھ جانا۔ عبارات میں قطع و برید کرنا۔ اپنے مطلب کے معانی بیان کرنا اور ان پر ڈٹ جانا۔ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے مقابلے میں بعض بزرگان دین کے غیر معصوم اقوال ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیش کرنا۔ مجمل عبارات پر اپنے استدلال کا مدار رکھنا اور مفصل روایات سے اغماض

کرجانا۔ عوام پر بلاوجہ رعب ڈالنے کے لئے چیلنج بازی کرنا۔ بعض مقامات پر انعام مقرر کرکے اپنی تعلی کرنا اور عوام سے داد تحسین حاصل کرنا۔ بعض مقامات میں نہایت مہمل اور بے ربط جملے ہونا کہ نہ ان کا کوئی سر نہ پاؤں۔ دعویٰ اور دلیل کی مطابقت کو نہ سمجھنا اور نہ ملحوظ رکھنا اور بسا اوقات ایسی باتیں لکھ دینا جن سے غیر شعوری طور پر خود ان کی کھلی تردید ہو جاتی ہے۔ محض ہوائے نفسانی کے طور پر صحیح احادیث میں سنداً و معنیً کیڑے نکالنا (معاذ اللہ تعالیٰ) اور بے سروپا ضعیف اور جعلی روایات پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھنا۔ اور کہیں کوئی دعویٰ کر دینا اور کہیں اس کے بالکل متعارض دعویٰ کر دینا اور بجائے حضرات ائمہ فقہ رح کے بڑے صوفیوں کی باتوں اور غیر مستند عبارات پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھنا۔ حق اور اہلِ حق سے بیر رکھنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کتاب میں علمی اور تحقیقی مواد تو بالکل نہیں لیکن سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے جماعتی رنگ میں اس کی اشاعت خوب ہو رہی ہے۔ علمی طور پر اس کے رد اور جواب کی ضرورت تو بالکل نہیں کیوں کہ یہ مجموعہ تضاد ہے۔ مگر عوام الناس سطحی ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کا ایمان اس لئے بگڑ جائے اور وہ غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ اس کتاب کے دلائل لاجواب ہیں۔ (اور بعض پر انعام کا چیلنج بھی دیا گیا ہے) اس لئے اس کا جواب کسی سے ہو نہیں سکا۔ اس خدشہ کے ازالہ کے لئے اختصاراً اس پر تبصرہ ضروری خیال کیا گیا۔ ہم ان کی کتاب میں درج صرف ان اعتراضات کے جوابات عرض کریں گے یا ان پر علمی تبصرہ کریں گے جو اُن کے نزدیک بڑے وزنی سوالات ہیں اور بزعم اُن کے اُن کے جوابات محال ہیں۔ اور ہر لایعنی اعتراض کی طرف توجہ کر کے قارئینِ کرام کے اذہان کو مشوش نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ جب قارئین کرام وزنی اعتراضات کا حال ملاحظہ کر چکیں گے تو دوسرے اعتراضات کا حال خود بخود آپ پر منکشف ہو جائے گا۔ لیکن بحمد اللہ تعالیٰ قابلِ جواب کوئی بات نہیں چھوٹی۔ تنویر الخواطر اور اس کتاب کو پڑھنے

والے بخوبی اس کو سمجھ سکتے ہیں اور بزعم خویش مناظر اسلام صوفی محمد اللہ دتہ صاحب کی بے ربطی کو دیکھ کر آپ یوں ان سے تخاطب کریں گے ؎

تری بزم میں اور بھی گل کھلیں گے
اگر رنگ یارانِ محفل یہی ہے

ہماری دانست کے مطابق صوفی صاحب نے اپنی کتاب کا زیادہ مواد اور تلملاہٹ تقدیس الوکیل، جاء الحق اور مقیاسِ حنفیت وغیرہ کتابوں سے لیا ہے جو اُن ہی کے بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ اوّل الذکر سے انھوں نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ خیر ہماری بلا سے، جس سے اخذ کریں۔

صوفی صاحب اپنی کتاب کا تعارف کراتے ہوئے اور اپنی کتاب لکھنے کی علت بیان کرتے ہوئے گزارش میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ :۔ "اہلسنت اور وہابیوں کے درمیان عقائد اور اعمال میں ایسا اختلاف ہے جس کا رفع ہونا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ فرقہ وہابیہ نے کبھی تنقیح مسئلہ کی کوشش نہیں کی بلکہ سادہ لوح مسلمانوں کو ہمیشہ فریب اور دھوکا دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں۔ یہ ان کے بزرگوں کی پرانی سنت ہے اور سرفراز خان صاحب نے تو اس میں کمال مہارت کا ثبوت دیا ہے اور اپنی دو صفتیں خوب ظاہر فرمائی ہیں۔ ایک جہالت اور دوسری یہودیت۔" الخ

قارئین کرام! اس پیشِ نظر کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ خود اندازہ لگالیں گے کہ یہ صفات کس میں پائی جاتی ہیں۔ صوفی محمد اللہ دتہ صاحب اور ان کے بزرگوں میں یا سرفراز اور اس کے بزرگوں میں۔ ؏

جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو رُو سیاہی

نوٹ :- کتاب کے ابواب ہم نے اپنے انداز اور اپنی ترتیب اور تعداد سے قائم کئے ہیں صوفی صاحب کے قائم کردہ ابواب کی تعداد کم ہے۔

بابِ اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ هُدَاةِ الدِّيْنِ الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِالتَّوْحِيْدِ وَالسُّنَّةِ وَالْمُحْتَرِزِيْنَ عَنِ الشِّرْكِ وَالْبِدْعَةِ وَالْمُخْتَرَعَاتِ فِي الدِّيْنِ

شرح شفا کی عبارت

حضرت ملا علی ن القاری رح کی شرح الشفا ج ۳ ص ۴۶۴ کی عبارت کان روحہ حاضرۃ فی بیوت اہل الاسلام کے بارے میں ہم نے تبرید النواظر میں لکھا تھا کہ اصل عبارت لا لان روحہ الخ تھا۔ کتابت میں حرف لا رہ گیا ہے۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ خانصاحب گکھڑوی کو ملا علی ن القاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں لا اپنی طرف سے گھسیڑتے ہوئے شرم نہیں آئی اور عوام کی آنکھیں سیاہ کرنے کے لئے یہ گوہر افشانی کی کہ بعض نسخوں میں لا رہ گیا ہے اور یہ نہ سوچا کہ جن کے پاس کتاب موجود ہے انھیں میں دھوکا نہیں دے سکتا کیا خان صاحب کسی ایسے نسخے کی طرف ہماری راہ نمائی فرما سکتے ہیں، جس کی اصل عبارت میں لا موجود ہو۔ بندہ دعویٰ سے کہتا ہے کہ اکیلے خان صاحب ہی کیا، ان کا سارا طائفہ بھی یہ بات ثابت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح کی عبارت میں لفظ لا کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ " ای " جو حرف تفسیر ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ میرے بعد جملہ مفسرہ اور مثبتہ ہو۔ خان صاحب عربی گرامر سے بالکل نابلد معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ اگر عبارت میں لفظ لا داخل کر دیا جائے تو پورا جملہ یوں بنتا ہے ای لا کان روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اہل الاسلام اس صورت میں لا یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ جملہ نافیہ جس عقیدہ کی نفی کرتا ہے اس جملہ سے پہلے ایک ایسا جملہ مثبتہ ہو جو اس عقیدہ کے خلاف ثابت کرے تو

ایسے جملے کا عبارت میں نام و نشان نہیں ہے۔ لہٰذا خان صاحب کا صریح کذب ہے اور کاذبین کے بارے میں قرآن مجید کا فتویٰ مشہور ہے لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ الخ (تنویر الخواطر ص۲، ص۳)۔

الجواب: بزعم خویش مناظرِ اسلام نے یہ جو کچھ کہا ہے ان کا ہوائی قلعہ ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ اگرچہ لفظ حاضر و ناظر اور علم غیب میں الفاظ و مفہوم کے لحاظ سے کچھ فرق ہے لیکن مآل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء کرام رح نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور نکاح کے وقت عورت سے کہا کہ ہمارے گواہ خدا تعالیٰ اور اس کے برحق پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں تو یہ کفر ہوگا، کیونکہ اس شخص نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تھا حالانکہ آپ جب زندہ تھے، تو غیب نہیں جانتے تھے بھلا وفات کے بعد آپ کیسے غیب جانتے ہیں؟ (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص۸۸۳ وغیرہ)۔ حضرات فقہاء کرام کی یہ عبارتیں تبرید النواظر میں باحوالہ مذکور ہیں ظاہر امر ہے کہ قائل نے تو آپ کو حاضر گواہ بنایا ہے اور اس کی دلیل میں حضرات فقہاء کرام رح یہ فرماتے ہیں کہ اس لئے وہ کافر ہے کہ اس نے آپ کے بارے میں علمِ غیب کا عقیدہ بنایا ہے۔ معلوم ہوا کہ مآل کے اعتبار سے علمِ غیب اور حاضر و ناظر ایک ہی ہے اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ملا علی ن القاری رح کی اس عبارت میں حرف کا چھوٹ نہیں گیا تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمِ غیب بھی ہے اور آپ حاضر و ناظر بھی ہیں۔ اگر سچ مچ ایسا ہے تو شرح الشفا ج ۲ ص۴۲۸ میں حضرت ملا علی ن القاری رح آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علمِ غیب کے عقیدہ کو کفر کیوں لکھتے ہیں؟ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:-

والحاصل ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات — اور حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

إلا ما أعلمهم الله تعالى أحيانًا وقد صرح علمائنا الحنفية بتكفير من اعتقد أن النبي (صلى الله عليه وسلم) يعلم الغيب لمعارضته قوله تعالى قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ كذا في المسايرة للإمام ابن الهمام انتهى

والسلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے تھے مگر جس قدر اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات ان کو علم دے دیا تھا اور بے شک ہمارے حضرات علماءِ احناف رح نے تصریح کی ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، کفر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے، کہ تو کہہ دے کہ آسمانوں اور زمین میں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی غیب نہیں جانتا، مخالف ہے امام ابن الھمام رح نے مسایرہ میں ایسا ہی فرمایا ہے

اسی سے ملتی جلتی عبارت شرح فقہ اکبر ص۱۸۵ طبع کانپور میں بھی موجود ہے جو انہوں نے مسایرہ مع المسامرہ ج۲ ص۸۸ طبع مصر کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ مناظر اسلام سے دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا آپ کے نزدیک حضرت ملا علی ن القاری رح ہوش وحواس سے بات کیا کرتے تھے؟ یا معاذ اللہ تعالیٰ مجذوبوں کی طرح بے ہوشی میں کچھ فرما دیا کرتے تھے؟ اگر پہلے وہ آپ کی روح مبارک کو مسلمانوں کے گھروں میں حاضر تسلیم کر کے آپ کے لئے علمِ غیب کی صفت مانتے ہیں تو پھر خود ہی اس کو باحوالہ کفر کیوں فرماتے ہیں؟ یعنی ایک ہی کتاب کی ج۲ ص۴۶۴ میں ان کے نزدیک یہ بات اسلام ہے اور اسی کتاب کی ج۴ ص۴۳۸ میں ان کے نزدیک وہ کفر ہے۔ یہ عجیب قصہ ہے اور مناظر اسلام اور ان کے ہمنوا دوستوں کی یہ عجیب فہم اور بصیرت ہے۔ اس بات کی مزید تفصیل راقم کے رسالہ ملا علی ن القاری رح اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر میں ملاحظہ فرمائیں جو طبع ہو چکا ہے۔

وثانیاً کیا بزعم خویش مناظرِ اسلام نے شرح الشفا ملا علی ن القاری رح کے تمام مطبوعہ

اور غیر مطبوعہ نسخوں کو دیکھ لیا ہے یا خیر سے ایک ہی نسخہ کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں (جسمیں حرف لا چھوٹ گیا ہے) اور دوسروں کو چیلنج کرتے پھرتے ہیں۔ کیا ان کو شرم نہیں آتی کہ وہ حضرت ملا علی بن القاری کی خود اپنی تصریحات کے بالکل خلاف ایک غلطی پر ڈٹے ہوئے ہیں اور انکی صریح اور واضح عبارات کو نظر انداز کر رہے ہیں وثالثاً ابو الزاہد محمد سرفراز مجدہ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے استاد سے بھی زیادہ عربی گرامر جانتا ہے نام نہاد مناظر اسلام کا یہ کہنا کہ حرف اَیْ کے بعد جملہ مفسرہ اور مثبتہ ہو، نری جہالت ہے۔ حرف اَیْ کے بعد جسطرح جملہ تفسیر کے طور پر آتا ہے اسی طرح مفرد بھی آتا ہے نحو کی دقیق کتاب مغنی اللبیب ج ۱ ص ۷ میں ہے تقول عندی عسجد ای ذھب وغضنفر ای اسد وما بعدھا عطف بیان علیٰ ما قبلھا او بدل الخ یہاں لفظ ذھب اور اسد مفرد ہے جو پہلے کا عطف بیان یا بدل ہے اور مشہور نحوی عبدالرسول لکھتے ہیں :-

ای للتفسیر والجمھور ان ما بعدھا بدل او بیان (متن متین ص ۲۹۲ طبع مجتبائی دھلی)

ای تفسیر کے لئے ہوتا ہے اور جمہور (نحاۃ) کا یہ مسلک ہے کہ اس کے بعد بدل یا عطف بیان ہوتا ہے۔

اور ملا عبدالرحمٰن الجامی رہ فرماتے ہیں کہ :-

ای فھی تفسیر کل مبھم من المفرد نحو جاءنی زید ای ابو عبد اللہ والجملۃ کما تقول قطع رزقہ ای مات انتھیٰ (شرح الجامی ص ۳۴۲)

حرف اَیْ ہر مبہم کی تفسیر کرتا ہے مفرد ہو جیسے جاءنی زید ای ابو عبداللہ یا جملہ ہو جیسے تم کہو فلاں کا رزق ختم ہوگیا ہے یعنی وہ مرگیا ہے۔

نیز الکا یہ کہنا کہ حرف اَیْ کے بعد جملہ مثبتہ ہو فنِ نحو سے لاعلمی کی دلیل ہے اسلئے کہ حرف ای سے قبل اگر نفی ہو تو اسکے بعد اسکی تفسیر کیلئے جملہ نافیہ آتا ہے بخاری ج ۱ ص ۱۹۸ میں ہے ما ینقم۔ اسکا معنی حاشیہ میں ای ما ینکرہ وغیرہ کیا ہے اور ج ۲ ص ۲۰۱ میں فلم تحظر کا معنی حاشیہ میں ای لم یحرم کیا ہے۔ باقی رہا حرف لا تو وہ صرف اس وہم کو دور کرنے کے لئے بطور تفسیر آیا ہے کہ کوئی شخص سلام کہنے سے یہ نہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہلِ اسلام کے گھروں میں خود حاضر ہیں بلکہ اسکو درود شریف سمجھ کر پڑھے۔ اب نام نہاد مناظرِ اسلام سے گزارش ہے کہ لب کشائی فرمائیں کہ حضرت ملا علی بن القاری رہ اور علماء نحو پر جھوٹ کون بولتا ہے اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین

کا ت آنی فتویٰ کس پر چسپاں ہوتا ہے؟ صوفی صاحب مناظر اسلام بن کر عوام کو مغالطہ دینا اور بزرگانہ شکل و صورت بنا کر لوگوں کے عقیدے بگاڑنا اسلام اور اہل اسلام کی خیر خواہی نہیں بلکہ انتہائی بدخواہی ہے۔ سچ ہے سے

ان کی تجویزوں میں بت خانوں کی تعمیریں بھی تھیں
جن مشائخ کو حرم کا پاسباں سمجھا تھا میں! (اقبال)

و رابعاً حرف لا کے بارے میں نحوی طور پر تفصیل ہے۔ علامہ عبدالرسول کہتے ہیں:

ولا قال سیبویہ لنفی المستقبل وقیل یحتمل الحال (متن متین ص ۲۴۷)

امام سیبویہ رح (المتوفی ۱۸۰ھ) فرماتے ہیں کہ حرف لا نفی مستقبل کے لئے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں نفی حال کا احتمال بھی ہے۔

اور علامہ جامی رح فرماتے ہیں کہ:-

فکلمۃ لا لنفی الحکم الثابت للمعطوف علیہ عن المعطوف الخ (شرح الجامی ص ۳۷۰)

کلمہ لا اس لئے آتا ہے کہ جو حکم معطوف علیہ کے لئے ثابت ہے وہ معطوف سے منفی ہے۔

اس لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ السلام علی النبی کے الفاظ سے سلام کہنا صحیح اور ثابت ہے مگر اس لئے نہیں ثابت کہ آپ کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر اور موجود ہے تو حرف لا کے موجود ہونے سے عبارت بالکل فٹ بیٹھتی ہے۔ اس میں عربی اور گرامر کے لحاظ سے قطعاً کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔

وخامساً اگر بقول فریق مخالف یہ سلام پڑھنا اس لئے ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر ہے تو اس کے آگے عبارت میں تصریح موجود ہے کہ:-

السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین ای من الانبیاء والمرسلین والملائکۃ

السلام علینا (جس سے عام مومنین مراد ہیں) وعلیٰ عباد اللہ الصالحین سے حضرات انبیاء و رسلین

المقربين السلام على اهل البيت لعله اراد بهم مومني الجن اه (شرح الشفا ج ۳ ص ۴۶۴ لعلی القاری رح)

اور مقرب فرشتے علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں اور السلام علی اہل البیت سے شاید انھوں نے مومن جن مراد لی ہو۔

صوفی صاحب اور ان کے ٹولہ کے نظریہ اور قاعدہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے جملہ نیک بندے اور حضرات انبیاء کرام و مرسلین اور فرشتے علیٰ جمیعہم الصلوٰۃ والسلام اور اہل بیت اور مومن جن اہل اسلام کے گھروں میں حاضر و موجود ہیں۔ پھر آں حضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کے حاضر ہونے کی کیا تخصیص ہے؟ اور کیا سچ مچ حضرت ملا علی ن القاری رح اس باطل عقیدہ اور نظریہ کے قائل ہیں؟ معاذاللہ تعالیٰ۔

علاوہ ازیں مؤلف انوار ساطعہ لکھتے ہیں۔ مسئلہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ عمرو بن دینار رح نے جو کبار تابعین رح و فقہاء مکہ سے ہیں کہ جب تم داخل ہو گھروں میں، اور وہاں کوئی نہ ہو تو کہو السلام علی النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ، الیٰ آخرہ۔ اس کی شرح میں ملا حسن حمزاوی رح لکھتے ہیں: لان روحه حاضر فی بیوت اهل الاسلام یعنی آپ کی روح حاضر ہے اہلِ اسلام کے گھروں میں انتہیٰ اور مولوی عبدالحق صاحب نے بھی علی قاریؒ کی شرح شفا سے مضمون حاضر ہونے روح مبارک کا اسی طرح نقل کیا ہے اصل حقیقت کو حق سبحانہٗ جانتا ہے جو کچھ عقل ناقص مؤلف میں آتا ہے لکھتا ہوں کہ روح مبارک آپ کی اب الارواح ہے اور حدیث میں ہے المؤمنون من فیض نوری یعنی مومنین میرے فیض روح سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ روح البیان اور کلام مجدد الف ثانی وغیرہ میں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین موجود ہے اور یہ بھی کلام محدث دہلوی رح وغیرہ میں ہے کہ آپ کی روح اس عالم میں مربی ارواح تھی انتہیٰ اور قرآن شریف سورۂ احزاب میں ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو اپنی جان سے زیادہ اور اس آیت میں بعد لفظ انفسهم یہ قرأت بھی آئی ہے وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ۔

یعنی وہ مومنین کے باپ ہیں۔ علامہ بیضاوی اور مفسر روح البیان اس مقام پر لکھتے ہیں کہ جب آپ مربی اور باپ مومنین کے ٹھہرے تو اسی واسطے یہ ٹھہر گیا کہ المومنین اخوۃ۔ یعنی ایمان والے آپس میں بھائی ہیں اور یہ بھی ہے کہ اُمت کے اعمال آپؐ پر پیش کئے جاتے ہیں اور درود اُمت کا بھی آپؐ کو نام بنام پہنچتا ہے اور یہ سب وجوہ دلیل ہیں اس پر کہ آپؐ کو اہلِ اسلام کے گھروں سے تعلق اور ارتباط شدید ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ اسلام کے گھروں میں نماز بھی جاری ہے۔ بچے اور عورتیں اور کبھی مرد بھی، جو مسجد نہ گئے ہوں تو گھر میں پڑھ لیتے ہیں۔ غرض کہ سب مرد و زن التحیات میں پڑھتے ہیں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' تو اہل اسلام کے گھروں سے برابر سلام آپؐ کو پہنچتا ہے۔ بنا ءً علیہ آپؐ کی روح کو تعلق ہے بیوت اہل اسلام سے۔ پس اوّل خلقت ارواح سے لے کر اس وقت تک برابر تعلق آپؐ کا ثابت ہے اور روح مبارک اگرچہ ملأ اعلےٰ میں ہے لیکن اس کا اشراق ادھر بھی ہے۔ اور تعلق ہے عالمِ خاک سے بھی۔ مثلاً قبر شریف میں بدن کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ اس تعلق و ربط سے بدن مبارک زندہ حساس اور دَرّاک ہے صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور نیز اذن دیا گیا آپؐ کو اطرافِ زمین میں پھرنے کا (اس کی بحث اپنے مقام پر آگے بالحوالہ آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ) اور اعمال اُمت میں نظر کرنے کا جیسا کہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لکھا۔ اسی طرح تحریر حسن حمزاوی اور علی قاری رحمہما اللہ کو سمجھنا چاہیئے کہ آپؐ کی روح کو تعلق اور ربط اہل اسلام کے گھروں سے ہے۔ یہ مسئلہ اس مقام پر بباعث ذکر السلام علیک ایہا النبی کے لکھا گیا۔ الحاصل تشہد کے سلام میں نقل و حکایت مراد رکھنا اور اپنی طرف سے سلام نہ بھیجنا نہایت ناصواب ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ نمازی اس سلام میں ارادہ کرے کہ میں خود حضرت پر سلام بھیجتا ہوں کہ سلام ہوجیو آپؐ پر اے نبی اللہ ورنہ کم نصیب تعمیل حکم الٰہی سے جو بلفظ سَلِّمُوْا قرآن میں ہے، محروم رہے گا کیونکہ خود اس سے سلام

مطلوب تھا، اس نے خود نہ کیا بلکہ معراج کی حکایت سمجھ لی اھ (بلفظہٖ انوار ساطعہ ص۲۱۶، ۲۱۵)
ان کی مفصل عبارت سے معلوم ہوا کہ آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی رُوح مبارک کے اہلِ اسلام کے گھروں میں حاضر ہونے کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ آپؐ کی رُوح مبارک بعینہٖ اہلِ اسلام کے گھروں میں موجود اور حاضر ہے بلکہ یہ معنیٰ ہے کہ اہلِ اسلام کے گھروں سے آپؐ کی رُوح مبارک کا ربط اور تعلق ہے۔ کیونکہ اہلِ اسلام کے گھروں سے آپؐ کو صلوٰۃ وسلام پہنچتا رہتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اس کتاب پر دیگر متعدد علماء کی طرح فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کی تقریظ و تصدیق بھی موجود ہے۔

بلا وجہ واویلا صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ اب اس طائفہ وہابیہ نجدیہ کے گرو گھنٹالوں کی سُنیئے۔ (۱) محمد اسحاق دہلوی سے کسی نے سوال کیا۔ سوال سی ام۔ مسجد بنا کردن در گورستان برائے نماز و مکان دیگر برائے نشستن و ماندن و راحت یافتن مردمان از گرما و سرما و بارش جائز است یا گناہ کدام گناہ!

جواب:۔ مسجد بنا کردن در مقامی و بر قبورہا حرام مستوجب لعنت است (اصل عبارت در مقابر و بر قبورہا الخ ہے۔ مأتہ مسائل ص۱۵۔ صفدر) حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم بر کسانیکہ بر قبورہا مسجد بنا کنند لعنت فرمودہ اند۔ چنانچہ در مشکوٰۃ شریف بروایت ابوداؤد و ترمذی و نسائی حدیث مذکور است۔

لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج انتہٰی وقال الملا علی قاری فی شرحہ علی المشکوٰۃ انما حرم اتخاذ المساجد عليها لان الصلوٰۃ فيها استنان لسنۃ اليهود يدل عليه قوله صلے اللہ علیہ وسلم لعن اللہ اليهود والنصارٰی الذين اتخذوا قبور انبيائهم وصلحيهم مساجد انتہٰی (مأتہ مسائل محمد اسحاق دہلوی ص۲۳)

محمد اسحاق نے حضرت ملا علی قاری کی عبارت نقل کرنے میں کمال خیانت کی ہے ملاحظہ ہو عبارت مرقاۃ کی۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

قال ابن الملك انما حرم اتخاذ المسجد عليها لان فی الصلوٰۃ فیها استنانا بسنۃ الیهود انتهٰی وقید علیها یفید ان اتخاذ المسجد بجنبها لا بأس به ویدل علیه قوله صلی الله علیه وسلم لعن الله الیهود والنصارٰی الذین اتخذوا قبور انبیائهم وصالحیهم مساجد (مرقات شرح مشکوٰۃ)

علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن مالک (صحیح ابن الملکؒ ہے جیساکہ عربی عبارت میں موجود ہے اور یہ عبارت مرقاۃ ج۲ صد ۲۱۹ طبع ملتان میں موجود ہے) نے کہا ہے کہ بجز این نیست حرام کیا گیا ہے قبروں پر مسجد بنانا اس لئے کہ اس مسجد میں نماز گزارنا یہودیوں کے طریقے پر عمل کرنا ہے۔ انتہٰی۔ یعنی اتنا ابن ملک کا قول ہے، اس کے بعد خود فرماتے ہیں کہ حدیث میں علیہا کی قید یہ فائدہ دیتی ہے کہ قبر کے ایک طرف مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ اب ناظرین حضرات اس مفتی کی دیانت داری دیکھیں کہ ابن ملک کے قول کو علی قاری کا قول قرار دے دیا اور علی قاری کی اصل عبارت ہضم کر گیا۔ انتہٰی (بلفظہٖ صد۴، صد۵)۔

الجواب: یہاں چند امور قابل توجہ ہیں۔ اوّل جس روایت کا ذکر اوپر ہوا ہے وہ مشکوٰۃ ج۱ صد۶۹ میں بحوالہ ابوداؤد ج۱ صد۴۴۲ اور ترمذی اور نسائی ج۱ صد۲۲۲ میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مرفوعاً مذکور ہے اور یہ روایت ابوداؤد طیالسی صد۳۵۴ اور مستدرک ج۱ صد۳۷۴ اور مسند احمد ج۱ صد۲۲۹ میں بھی موجود ہے اور یہ روایت موارد الظمآن صد۲۰۰، اور سنن الکبریٰ بیہقی ج۴ صد۷۸ میں بھی بروایت ابی ہریرہ موجود ہے۔ اور موارد الظمآن صد۲۰۰ میں الگ سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ اور یہ صحیح روایت اصل مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے بالکل کافی ہے۔

دوم حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے اثباتِ توحید وسنت اور

رَدِ بدعت پر ٹھوس اور علمی کتابیں (مسائل اربعین اور مائۃ مسائل) لکھی ہیں جن سے اہلِ بدعت سخت نالاں ہیں۔ اس لئے ان کتابوں میں بلاوجہ کیڑے نکال کر اور ان کے محقق مصنف کو خائن ثابت کر کے عوام الناس کی نگاہوں سے ان کو گرانا چاہتے ہیں مگر اس سے کیا فائدہ؟ سورج پر تھوکا مُنہ پر آتا ہے۔ صوفی صاحب کا یہ اعتراض بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

سوم جب کوئی مصنف کسی کا حوالہ اپنی تائید میں پیش کرتا ہے اور اس کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کرتا تو وہی مصنف کا نظریہ ہوتا ہے۔ حضرت ملا علی ن القاریؒ نے علامہ ابن الملکؒ کا جو حوالہ اپنی تائید میں نقل کیا ہے وہی ان کا اپنا نظریہ ہے۔ لہٰذا علامہ ابن الملکؒ کے حوالہ کو حضرت علی ن القاری رح کا حوالہ کہہ اور بتا دینا بالکل صحیح ہے اور اصولِ تالیف کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔

چہارم۔ حضرت ملا علی ن القاری رح کے درمیانہ معترضہ جملہ وقیل علیہا یفید ان اتخاذ المسجد بجنبہا لا بأس بہ کو اختصاراً یہاں چھوڑ دیا ہے اور دعویٰ انما حرم اتخاذ المساجد علیہا لان فی الصلوٰۃ فیہا استنان بسنۃ الیہود اور حدیث سے اس کی دلیل ویدل علیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الحدیث کو ساتھ جوڑ دیا ہے اور اس جملہ معترضہ کا حکم حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے یہاں ذکر نہیں کیا کیونکہ اگر یہ مسجد اور عمارت قبور کے اوپر یا ان کے پہلو میں مقبرہ میں ہو تو درست نہیں ہے اور اس کا حکم وہ جواب کے شروع میں یوں بیان کر آئے ہیں:۔ مسجد بنا کردن در مقابر و بر قبورہا حرام مستوجب لعنت است" اور اگر یہ مقبرے سے باہر ہو تو اس کا حکم اسی جواب کے آخر میں یوں بیان کرتے ہیں:۔ "و اگر خارج حد مقبرہ مکانے برائے راحت کردن از گرما و سرما و بارش محفوظ ماندن بنا کند باکی نیست انتہی (مائۃ مسائل ص۵۵) فقہی طور پر جو حکم گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے مقبرہ کے پہلو میں مکان بنانے کا ہے سو وہی حکم مسجد بنانے کا ہے۔

(۲) صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ :۔ "اب ذرا اسحاق صاحب سے نچلوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس طائفۂ وہابیہ نجدیہ کے گرُدؤں کی فہرست میں رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کا نام بھی آتا ہے بلکہ رشید احمد گنگوہی تو ان کے غوث الاعظم ہیں اور اس غوث الاعظم کے حکم سے ایک کتاب لکھی گئی جس کا نام براہین قاطعہ ہے اور لکھنے والے خلیل احمد انبیٹھوی ہیں۔ وہ اس کتاب کے ص۵۱ پر لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو (یعنی نبیٔ اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ حالانکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ مجھے دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ لا اصل لہٗ کا جملہ مدارج النبوت میں موجود ہے۔ اب ناظرین کرام خود فیصلہ فرمادیں کہ لا تقربوا الصلوٰۃ کو نقل کرنا اور انتم سُکٰرٰی کو چھوڑ جانا دیانت ہے یا بددیانتی؟ (بلفظہٖ ص۵، ص۶)۔

الجواب: صوفی صاحب ناراض ہونے یا دانت پیسنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مؤلف براہین قاطعہ نے حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کا جو حوالہ دیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث واللہ انی لاری من خلفی کما اری بین یدی کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

بخدا سوگند بدرستیکہ ہر آئینہ مے بینم از پشت خود چنانکہ می بینم از پیش روئے خود (رواہ احمد) بدانکہ ایں دیدن آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از پیش و پس بطریق خرق عادت بود بطریق وحی یا بالہام وگاہ گاہ بود نہ دائم و مؤید آنست

خدا تعالیٰ کی قسم بے شک میں اپنی پیٹھ کی طرف سے بھی ویسے ہی دیکھتا ہوں، جیسا کہ میں اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔ اس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے تو جان لے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ دیکھنا (آگے اور پیچھے سے خرقِ عادت کے طور پر وحی یا الہام کے طریقہ سے تھا اور کبھی کبھی

آنچہ در خبر آمدہ است کہ چوں ناقہ آنحضرت
گم شد و درنیافت کہ کجا رفت منافقاں
گفتند کہ محمد می گوید کہ خبر آسماں می رسانم
و نمی داند کہ ناقہ او کجا است. پس فرمود
آنحضرت واللہ من نمی دانم مگر آنچہ بدانا ند
مرا پروردگار من اکنوں بنمود مرا پروردگار
من کہ وے در جائے چنیں و چناں است
و مہار وے در شاخ درختے بند شدہ است

او نیز فرمودہ است کہ من بشرم نمی دانم کہ
در پس ایں دیوار چیست یعنی بے دانایندن
حق سبحانہ، ولاجرم چوں نماز افضل و ارفع
حالات آں حضرت بود صلے اللہ علیہ وسلم
انکشاف حقائق اشیاء و اعیان موجودات
و اطلاع بر آں دریں حالت اتم و اکمل بود
باشد و شہود آں حضرت موجب استغراق
و غیبت از کائنات نبود چنانکہ حال متمکنان
کہ کائن بائن اند می باشد و مشائخ می گویند
قدس اللہ اسرارہم کہ نماز مقام کشف و حضور
است نہ محل غیبت و استغراق و اضمحلال
و بعض می گویند کہ میان دو کتف آں حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم آلۃ الابصار نیز مخلوق بود مانند

تھا۔ نیز ہمیشہ اور اسکی تائید وہ روایت کرتی ہے جس میں
آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی
اور معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں چلی گئی ہے۔ منافقوں نے
کہا کہ محمد (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ میں آسمان
کی خبر پہنچاتا ہوں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی
کہاں ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بخدا میں
نہیں جانتا مگر وہی کچھ جو میرا پروردگار مجھے بتاتا ہے۔ اب میرے
پروردگار نے مجھے بتایا ہے کہ اونٹنی فلاں اور فلاں جگہ میں ہے
اور اسکی مہار ایک درخت کی شاخ میں اٹکی ہوئی ہے۔ اور

نیز آپ نے فرمایا کہ میں بشر ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کے بتانے
کے بغیر یہ نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے؟ یہ ضروری
امر ہے کہ جب آپ کے حالات میں نماز افضل اور ارفع
حالت تھی تو اشیاء کی حقیقتوں اور موجودات کی ذوات
کا انکشاف اور ان پر اطلاع اس حالت میں اتم اور اکمل
ہوتی تھی اور آپ کی حاضری استغراق اور کائنات سے
غائب رہنے کا سبب اور موجب نہ تھی۔ جیسا کہ اس حالت
میں دیگر لوگوں کا حال ہوتا ہے اور حضرات مشائخ قدس اللہ
تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے کہ نماز کشف و حضور ہے۔
نہ کہ محل غیبت اور استغراق و کمزوری۔ اور بعض فرماتے
ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے دو
کندھوں کے درمیان دیکھنے کا آلہ سوراخ کی مانند پیدا

سوراخ واین سخن غریب است وبروایت صحیح ثابت نشدہ واللہ اعلم۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۶۵ طبع تیج کمار لکھنؤ و ج ۱ ص ۳۲۶ طبع نولکشور لکھنؤ باب صفۃ الصلوٰۃ فصل ثالث۔ آخری حدیث، جو حضرت ابوہریرہؓ سے ہے)۔

کیا گیا تھا مگر یہ بات بڑی نرالی ہے اور کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہے۔

صوفی صاحب خط کشیدہ عبارت کو ٹھنڈے دل سے بار بار پڑھئے اور بتلائیے کہ حضرت شیخ عبدالحق رح نے یہ روایت آں حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے نقل کی ہے یا نہیں کی؟ کہ من بشرم نمی دانم کہ در پس ایں دیوار چیست الخ۔ اور بتلائیے کہ مؤلف براہین قاطعہ نے حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ پر کون سا بے جا الزام لگایا ہے؟ مؤلف براہین قاطعہ نے مدارج النبوت کا حوالہ نہیں دیا۔ مطلق حوالہ دیا ہے جو نفس الامر اور خارج میں موجود ہے۔ لہٰذا صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ لا تقربوا الصلوٰۃ تو نقل کر دیا اور وانتم سکٰری چھوڑ دیا اور یہ بد دیانتی ہے۔ محض اپنے ناخواندہ حواریوں کے جذبات کو اُبھارنا اور اپنے ماؤف دل کی بھڑاس نکالنا ہے اور بس۔ رہا حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کی مدارج النبوت اور اشعۃ اللمعات کی عبارتوں کا آپس میں تعارض و تضاد، تو اس کا جو جواب صوفی صاحب اور ان کے لائق بزرگ اور دوست دیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ ہمارا بھی اس پر صاد ہو گا بشرطیکہ جواب علمی اور معقول ہو۔ اگر ہماری گزارش قبول ہو تو حضرات محدثین کرامؒ اور فقہاء عظام رح کے قاعدہ کے مطابق مثبت روایت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے۔ مدارج النبوت کی عبارت نافی اور اشعۃ اللمعات کی مثبت ہے لہٰذا اسی کو ترجیح ہے۔ بایں طور کہ حضرت شیخ صاحبؒ کو پہلے اس روایت کا علم نہ ہوا ہو گا اور بعد کو اس کا علم ہو گیا ہو گا اور اس میں کسی قسم کا کوئی بُعد نہیں ہے۔

(۲۳) اب ذرا اس غوث الاعظم کے چہرے سے تھوڑا سا نقاب اور اٹھا دیتا ہوں۔ رشید احمد کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ اوّل ما خلق اللہ نوری اور لولاک لما خلقت الافلاک یہ دونوں صحیح حدیثیں ہیں یا وضعی؟ زید ان کو وضعی بتلاتا ہے۔

جواب: یہ حدیثیں کتب صحاح میں موجود نہیں مگر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ نے اوّل ما خلق اللہ کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص۱۵۱) ملاحظہ ہو عبارت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کی۔ آپ لکھتے ہیں۔

بدانکہ اوّل مخلوقات و واسطہ صدور کائنات و واسطۂ خلق آدم و عالم نور محمد است صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ اوّل ما خلق اللہ نوری۔	جان تو کہ اوّل مخلوقات اور واسطۂ صدور کائنات اور واسطۂ خلق عالم اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ نورِ محمد ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے اوّل ما خلق اللہ نوری۔

(مدارج النبوت ج۲ ص۲)

کیوں جناب گکھڑوی صاحب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان چھپانا سنت یہود ہے یا نہیں؟ (بلفظہٖ ص۶)

الجواب: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بات صحیح بنے یا نہ بنے، صوفی صاحب اور ان کے ٹولے نے حضرات علماء دیوبند پر کیچڑ ضرور اچھالنا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ نے بحوالہ شیخ عبدالحق صاحبؒ جو کچھ فرمایا ہے کہ پہلی روایت کی کچھ اصل ہے شیخ عبدالحق صاحبؒ کی عبارت سے اس سے زیادہ تو اصولی طور پر کچھ بھی ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ یہ روایت کتب صحاح ستہ کی ثابت ہو سکی ہے۔ مطلق صحاح سے فرد کامل صحاح ستہ ہی مراد ہے۔ یہ صوفی صاحب کا علمی، تحقیقی اور اخلاقی فرض تھا کہ وہ باحوالہ کتب صحاح سے سند کے ساتھ اور رواۃ کی توثیق اور ائمہ جرح و تعدیل کی تصحیح اور تحسین کے ساتھ اس کو نقل کرتے تاکہ حضرت گنگوہی رحہ کی بات کا خوب رد ہو جاتا۔

مگر یہ صوفی صاحب کے بس کا روگ نہیں کہ وہ ایسا کر سکتے۔ بلا شبہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح اپنے دور کے وسیع النظر عالم اور خادمِ دین تھے لیکن حدیث کی تصحیح و تحسین صرف ان محدثین کرام رح کا کام ہے۔ جو ائمہ جرح و تعدیل میں ہوں۔ نہ تو متشدد ہوں اور نہ متساہل ہوں کیونکہ لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ۔ باقی رہی حدیث لولاک لما خلقت الافلاک، تو گو معنیٰ کے لحاظ سے صحیح ہو کیونکہ بقول بعض عرفاء اور علماء کے اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالمِ اسباب میں عالم کی خلقت کا سبب بنایا ہے مگر یہ الفاظ جعلی اور موضوع ہیں۔ چنانچہ شرح نخبۃ الفکر ص۱۲ کے حاشیہ میں ہے

لولاك لما خلقت الافلاك قال الصغانی موضوع۔

حضرت ملا علی ن القاری رح فرماتے ہیں کہ:-

حدیث لولاك لما خلقت الافلاك قال الصغانی انه موضوع كذا فی الخلاصة لكن معناه صحيح قد روى الديلمی عن ابن عباسؓ رضی الله تعالى عنهما مرفوعًا اتانی جبرائيل فقال يا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار وفی رواية ابن عساكر لولاك ما خلقت الدنيا۔ (موضوعات کبیر ص...)	حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کے بارے میں امام صغانی رح فرماتے ہیں کہ جعلی ہے اسی طرح خلاصہ میں ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے کیونکہ امام دیلمی رح نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعًا یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور انھوں نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کہ اگر آپ نہ ہوتے تو نہ جنت پیدا کی جاتی اور نہ دوزخ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اگر تو نہ ہوتا تو دنیا نہ پیدا کی جاتی

اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح فرماتے ہیں اور جو کچھ مبالغات پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں مشہور ہو رہے ہیں اور عوام کی زبانوں پر جاری ہیں جن کی محدثین کے نزدیک کچھ اصل نہیں مثل لولاک لما خلقت الافلاک ... الخ (تحفہ اثنا عشریہ اردو ص۱۱۲)

امام حاکم رح اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رض سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ تو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لا

اور تیری اُمت میں سے جو آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں، اُن کو بھی حکم دے کہ وہ آپؐ پر ایمان لائیں۔ سو اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں نہ آدمؑ کو پیدا کرتا نہ جنت کو اور نہ دوزخ کو۔ میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلتا تھا۔ میں نے اس پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا تو وہ تھم گیا۔ مستدرک ج ۲ ص ۶۱۵ امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے لیکن ناقدِ فنِ رجال علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:

قلت اظنہ موضوعًا علٰی سعید (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵) میں اس کو سعیدؒ کے نام پر جعلی اور بنائی ہوئی تصور کرتا ہوں۔

اسی طرح امام حاکمؒ نے اپنی سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم عن ابیہ عن جدہ عن عمرؓ کے طریق سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لغزش کا صدور ہوا تو انھوں نے فرمایا "اے میرے رب میں تجھ سے حق محمدؐ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کردے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اے آدمؑ تو نے محمدؐ کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے اس کو ابھی پیدا نہیں کیا"۔ آدمؑ نے فرمایا کہ "اے میرے پروردگار تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی طرف سے روح پھونکی میں نے سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پایوں پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط لکھا ہوا دیکھا۔ سو میں نے جان لیا کہ اے پروردگار تو نے اپنے نام کے ساتھ صرف اسی کا نام ملایا ہے جو مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ "اے آدمؑ تو نے سچ کہا واقعی وہ مجھے مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کے حق کے واسطہ سے مجھ سے مانگ میں نے تجھے معاف کردیا ولولا محمد ما خلقتك (مستدرک ج ۲ ص ۶۱۵) اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا"۔ امام حاکمؒ اس کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے لیکن علامہ ذہبیؒ جزم اور یقین کے ساتھ کہتے ہیں قلت بل موضوع (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵) میں کہتا ہوں بلکہ یہ جعلی ہے۔

یہ روایت معجم صغیر طبرانی رح ص۲۰۷ میں بھی ہے۔ حافظ ابن حجر رح نے زید بن اسلم کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کے متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

وقال الحاکم وابو نعیم روی عن ابیہ احادیث موضوعۃ وقال ابن الجوزیؒ اجمعوا علیٰ ضعفہ (تھذیب التھذیب ج ۲ ص۱۷۹)

امام حاکم رح اور ابونعیم رح فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے باپ سے جعلی روایتیں بیان کی ہیں۔ ابن الجوزی رح کہتے ہیں کہ محدثین کرام ؒ اس کی تضعیف پر متفق ہیں۔

اور یہ روایت بھی عن ابیہ کے طریق سے ہے اور علامہ محمدؒ بن احمدؒ بن عبدالہادی الحنبلی رح (المتوفی ۷۴۴ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

انہ حدیث غیر صحیح ولا ثابت بل ھو حدیث ضعیف الاسناد جداً وقد حکم علیہ بعض الائمۃ بالوضع الخ (الصارم المنکی ص۳۱)

یہ حدیث نہ صحیح ہے اور نہ ثابت ہے بلکہ یہ حدیث بے حد ضعیف الاسناد ہے بلکہ بعض ائمہ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ جن حضرات نے مبنیٰ اور معنیٰ کے لحاظ سے اس کو صحیح قرار دیا ہے تو انھوں نے انہی روایات کے پیشِ نظر کیا ہے اور امام حاکم رح وغیرہ متساہل حضرات کی تصحیح سے مغالطہ کھا کر ایسا کہا ہے۔ امام ابن الجوزی رح کے تشدد اور امام حاکم رح کے تساہل کا اصولِ حدیث کی کتابوں میں صراحۃً تذکرہ موجود ہے (مثلاً تدریب الراوی ص۵۱ وغیرہ)

(۴) صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ "اور سنیئے ظفر جلیل شرح حصن حصین کے شارح قطب الدین محدث دہلوی ہیں۔ اس کا ایک قدیم نسخہ جو کہ ۱۲۵۴ھ میں عبدالغفور شاہجہان آبادی کے مطبع میں چھپا تھا، میرے پاس موجود ہے۔ اس میں ایک حدیث اور اس کی شرح یوں موجود ہے :۔

واذا اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی

اور جو چاہے مدد اللہ کی جانب سے کسی امر میں پس چاہیئے کہ کہے اے بندو اللہ کے مدد کرو میری اے

بندو اللہ کے مدد کرو میری اے بندو اللہ کے مدد کرو میری

نقل کی ہے یہ طبرانی نے۔ ف۔ یہ قول راوی کا ہے۔ میرک شاہ رہ نے بعض علماء ثقات سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور محتاج ہیں طرف اس کے تمام مسافر اور مشائخ سے روایت کی گئی ہے کہ یہ مجرب ہے اس مقدمہ اور نزدیک ہے ساتھ اسی کے فتح مقصود پر کذا ذکرہ الحرز والعلیٰ (مظہر جلیل شرح حصن حصین ص۱۱۹) اس طائفہ نجدیہ نے خیانت سے کام لیتے ہوئے میرک شاہ کی عبارت بالکل اڑا دی اور اپنی طرف سے یہ عبارت بڑھا دی کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور عباد اللہ سے مراد فرشتے ہیں (بلفظہ ص۲)۔

الجواب:۔ صوفی صاحب نے اپنے حریف کا حوالہ دیئے اور نام لئے بغیر ہی اس پر خیانت کا الزام لگایا ہے۔ معلوم نہیں کہ صوفی صاحب پردہ نشین ہو کر اور زیر زمین مورچہ قائم کر کے کس سے لڑنا چاہتے ہیں؟ ہم صوفی صاحب کی معلومات کے لئے چند ضروری باتیں عرض کئے دیتے ہیں۔ جس روایت کی طرف صوفی صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ مجمع الزوائد ج۱۰ ص۱۳۲، عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی رہ ص۱۶۲ اور حصن حصین ص۱۶۳ وغیرہ میں ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے:۔

عتبہ رض بن غزوان آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا کسی ایسی زمین میں جہاں کوئی بھی انیس نہ ہو، مددگار چاہے تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ بے شک اللہ تعالےٰ کے کچھ بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔

وقد جرب ذٰلك رواہ الطبرانی ورجالہ وثقوا علی ضعف فی بعضهم الا ان یزید بن علی لم یدرك عتبة رض (مجمع الزوائد ج۱۰ ص۱۳۲)

اور بے شک اس کا تجربہ کیا گیا ہے۔ اس کو طبرانی رہ نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے باوجودیکہ بعض میں ضعف بھی ہے مگر یزید بن علی نے حضرت عتبہ رض کو نہیں پایا (اور نہ ان سے ملاقات ہوئی)۔

یعنی طبرانی رحہ کی اس روایت کے بعض راویوں میں ضعف ہے اور یہ روایت منقطع بھی ہے
بتلائیے صوفی صاحب اگر بقول آپ کے طائفہ نجدیہ کے کسی محقق عالم نے اس حوالہ کے پیش نظر (جس میں بعض راویوں میں ضعف بھی ہے اور روایت منقطع بھی ہے) اس کو ضعیف کہا ہے تو اس نے اصولِ حدیث کے رُو سے کون سی خیانت اور کون سا جرم کیا ہے؟

حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک زمین میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے نگران فرشتوں کے علاوہ بھی فرشتے ہوتے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتے لکھتے ہیں جب تم میں سے کسی کو کسی جنگل قسم کی زمین میں کوئی پریشانی پیش آئے تو وہ آواز دے اللہ کے بندو مدد کرو۔ اس کو طبرانی نے (وفی نسخۃ البزار) روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں (ورجالہ ثقات) (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲)

فرمایئے صوفی صاحب کیا صحیح روایت میں فرشتوں کا ذکر ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ قاعدہ نہیں کہ الحدیث یفسر بعضہ بعضاً اگر کسی وسیع النظر اور محقق عالم نے اس صحیح حدیث کے پیشِ نظر پہلی روایت میں عباد اللہ سے فرشتے مُراد لئے ہوں تو اس نے کس شرعی قاعدہ کی مخالفت کر کے خیانت کا ارتکاب کیا ہے؟ صوفی صاحب۔ شاید آپ کو معلوم ہی ہو کہ بغیر کسی شرعی ثبوت کے کسی کو خائن کہنا کتنا سنگین جرم ہے اور خیر سے آپ جرم تو کیا ثابت کر سکتے خود جہالت اور یہودیت کا مجسم نمونہ ثابت ہو چکے ہیں ؂

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
ہو نہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و گزاف

اقبالؔ

(۵) صوفی صاحب لکھتے ہیں :۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر عزیزی سورۂ بقر کے ترجمہ میں خیانت۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحہ نے وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ وباشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است

بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست و حجاب کہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس ادمی شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک وبد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔ اس کا ترجمہ فارسی سے اردو محمد علی چاندپوری نے کیا ہے جو مطبع رحیمیہ دیوبند میں چھپا ہے۔ اس نے شاہ عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کی مندرجہ بالا عبارت کا صرف یہ ترجمہ لکھا ہے۔ کیونکہ رسول بسبب نورِ نبوت کے ہر شخص کی دیانت اور امانت کا درجہ بخوبی جانتا ہے کہ کس درجہ نورِ ایمان ان کا پہنچا ہے، اور کون سا امر یعنی پردہ ترقی سے مانع ہوا ہے۔ محمد علی چاندپوری نے یہ ترجمہ اپنی بزدلی کی بنا پر کیا ورنہ اگر گکھڑوی جیسے دلیر ہوتے تو ترجمہ لفظ بلفظ کر دیتے (صوفی صاحب کو گکھڑوی کے پورا اور صحیح ترجمہ کرنے کا تو اقرار ہے ع والفضل ما شهدت به الاعداء۔ صفدر) اور آخر میں کہہ دیتے کہ یہ عبدالعزیز صاحب کی اپنی رائے ہے اس لئے مردود ہے۔

المرء يقيس على نفسه (بلفظہ صک وصہ)

الجواب:۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح کی اس عبارت کا مطلب اسی پیشِ نظر کتاب میں با حوالہ آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور محمد علی صاحب کی کتاب ہمارے پاس نہیں تاکہ ہم اس کی طرف مراجعت کر کے اصل عبارت دیکھ لیتے لیکن صوفی صاحب کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ مترجمین حضرات بعض اوقات لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں اور بسا اوقات عبارت کا ملخص اور مفہوم ذکر کر دیتے ہیں۔ بظاہر محمد علی صاحب چاندپوری نے بھی عبارت کا صرف مختصر مفہوم عرض کر دیا ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت کے مخالف نہیں، ہاں ملخص اور مختصر ضرور ہے اور خود صوفی صاحب اپنی کتاب تنویر الخواطر ص۳۹ میں اپنے اعلیٰ حضرت کی عبارت پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

جواب :۔ اعلیٰ حضرت نے یہ واقعہ بعینہٖ نہیں نقل فرمایا بلکہ روایت بالمعنیٰ کی ہے الخ۔ اس کے بعد صوفی صاحب نے اصل عبارت بمع ترجمہ کے نقل کی ہے (جس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ پر آ رہا ہے۔ صفدر) سوال یہ ہے کہ آپ کے اعلیٰ حضرت نے ایک طویل عربی عبارت کا ترجمہ اور اس کا ملخص چند سطروں میں روایت بالمعنیٰ کے طور پر کیوں کیا ہے؟ اور بقول صوفی صاحب ان کے گرو گھنٹال نے یہ خیانت کیوں کی ہے؟ صوفی صاحب بتائیے قصہ کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ؎

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

اہلِ بدعت کی کمال خیانتیں

قارئین کرام! آپ بخوبی معلوم کر چکے ہیں کہ جن جن خیانتوں کا بے بنیاد الزام صوفی صاحب نے اہلِ حق کے بزرگوں کے خلاف لگایا تھا وہ اس میں بُری طرح ناکام رہے ہیں اور ان خیانتوں کے ثابت کرنے سے بالکل قاصر اور سراسر عاجز رہے ہیں۔ جیسا کہ پڑھنے والے منصف مزاج حضرات اس بحث کو پڑھ آئے ہیں۔ اب ہم جواب آں غزل کے طور پر اتنی ہی خیانتیں صوفی صاحب کے ٹولہ کی عرض کرتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح انھوں نے اہلِ حق کو کوسا اور ان کے دِلوں کو بلاوجہ مجروح و زخمی کیا ہے، اہلِ حق کو بھی اپنی مدافعت کا حق ہے وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔

(۱) فریقِ مخالف کے صدر اور فاضل مولوی نعیم الدین صاحب مُرادآبادی نے اپنے اعلیٰحضرت کے ترجمۂ قرآنِ کریم پر حاشیہ لکھا ہے (کیونکہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے مالٹا کی اسارت کے دَور میں قرآنِ کریم کا ترجمہ تحریر فرمایا تھا اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ نے اس کا حاشیہ لکھا ہے تو بھلا اہلِ بدعت اس نقالی سے پیچھے کیسے رہ سکتے تھے؟

سچ ہے ؎ آں چہ مردم می کنند بوزینہ ہم

اس کے ص۲۲۴ حاشیہ ۵۴ طبع تاج کمپنی لاہور میں لکھتے ہیں۔ "اس اُمت میں

بھی بہت سے بدنصیب سیّد انبیاء صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے اور قرآن و حدیث کے منکر ہیں (انتہیٰ بلفظہٖ) اور یہی عبارت ان کے اسی حاشیہ کے متعدد مقامات کے عین مطابق ہے مثلاً صفحہ ۳، ف ۳۰۲ میں لکھتے ہیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم عربی قریشی جن کے حسب و نسب کو تم خوب پہچانتے ہو کہ تم میں سب سے عالی نسب ہیں الخ۔ ظاہر بات ہے کہ عربی اور قریشی انسان آدمی اور بشر ہی ہو سکتا ہے۔ کوئی نوری مخلوق تو نہیں ہو سکتی اور مثلاً صفحہ ۳۱۳، ف ۲ میں لکھتے ہیں کہ کفار نے پہلے تو بشر کا رسول ہونا قابل تعجب و انکار قرار دیا اور پھر جب حضور کے معجزات دیکھے اور یقین ہوا کہ یہ بشر کے مقدرت سے بالاتر ہیں تو آپ کو ساحر بتایا الخ۔ اور مثلاً صفحہ ۴۱۹ ف ۱۵۸ میں ہے اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں الخ۔ اور مثلاً صفحہ ۸۰۳ ف ۱۱ میں لکھتے ہیں۔ یعنی انھوں نے بشر کے رسول ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی اور نافہمی ہے پھر بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا اور پتھر کا خدا ہونا تسلیم کر لیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب اہل بدعت کے کسی ہوشیار اور شاطر مولوی نے پہلی عبارت پڑھی تو اس پر یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ بریلویت کا نوری عقیدہ تو قرآن و حدیث کے سراسر غلاف ثابت ہو رہا ہے تو تاج کمپنی کے ذریعہ ہی الگ ایک شذرہ طبع کروایا اور اس میں بجائے سابق عبارت کے اب یہ تجویز کی گئی کہ :۔" اس اُمت میں بہت سے بدنصیب سیّد الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے اور ہمسری کا خیال فاسد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ انھیں گمراہی سے بچائے" انتہیٰ۔ صوفی صاحب! انصاف سے آپ یہ بتائیں کہ کیا یہ خالص خیانت نہیں ہے؟ مصنف کو خود اپنی کتاب اور عبارت بدلنے کا تو حق ہوتا ہے مگر دوسرے کو یہ حق کیسے اور کہاں سے حاصل ہو گیا؟ کتابت کی غلطی تو یہ ہرگز ہرگز نہیں ہے کیونکہ ان کی دوسری عبارات اس تبدیل کردہ عبارت کی بالکل تائید نہیں کرتیں جیسا کہ اہل علم حضرات پر یہ بالکل عیاں ہے۔

(۲) مولوی نعیم الدین صاحب مُرادآبادی نے عقایدُ پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے کتابُ العقائد (پہلا حصہ) یہ رسالہ ان کی زندگی میں ہندوستان میں بھی طبع ہوا تھا، اور لاہور میں بھی دو جگہ طبع ہوا ہے۔ نوری کتب خانہ، بازار داتا صاحبؒ لاہور اور ہفت روزہ سواد اعظم لاہور۔ اس کے صلا میں یہ سُرخی قائم کی ہے۔ نبوت کا بیان اور اس کے تحت لکھا ہے، "اللہ تعالیٰ نے خلق کی راہ نمائی کے لئے جن پاک بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے واسطے بھیجا ان کو نبی کہتے ہیں۔ انبیاء بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے" الخ اور اس کے صلا پر لکھا ہے: سوال: کیا جن اور فرشتے بھی نبی ہوتے ہیں"؟ جواب: "نہیں! نبی صرف انسانوں میں ہوتے ہیں اور ان میں بھی فقط مَرد۔ کوئی عورت نبی نہیں ہوتی" انتہیٰ۔

اب نوری کتب خانہ کے غازیوں نے "انبیاء بشر ہیں" کے بجائے "انبیاء نور ہیں" کردیا ہے۔ صوفی صاحب آپ کو دُوسروں کی صحیح باتیں بھی غلطیاں اور دُوسروں کی دیانت بھی بددیانتی نظر آتی ہے۔ مندرجہ بالا علمی بددیانتی کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ صوفی صاحب کبھی اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دیکھ لیا کیجیئے۔ کیا خوب کہا گیا ہے ؎

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی!

(۳) فریق مخالف کے مشہور و معروف محقق عالم اور بزرگ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔ "اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دِل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں، ہو جائے۔ کیونکہ رسُول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابو طالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لادیں، اور ظہور میں ایسا نہ آیا۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کلی اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو۔ یہ

تب ہو نعوذ باللہ نعوذ باللہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدۂ اسلام ہے"۔ انتہیٰ بلفظہ۔ (مکتوبات طیبات معروف بمہر چشتیہ از پیر مہر علی شاہ صاحب ص ۱۲۷ مطبوعہ حجازی پریس لاہور) اور اب یہ عبارت جدید طبع میں جو راولپنڈی سے طبع ہوا ہے، بالکل حذف کر دی گئی ہے کیونکہ بریلوی حضرات کے مختار کل کے خانہ ساز عقیدہ پر یہ ضرب کاری ہے اور ان کے حق میں ایٹم بم سے یہ کسی طرح کم نہیں۔ صوفی صاحب کیا یہ بددیانتی نہیں ہے کہ کسی مصنف کی عبارت خصوصاً اس کی وفات کے بعد اپنے باطل نظریات کے خلاف پاکر بالکل اڑا دی جائے؟ کچھ تو کہیئے خاموشی کیوں طاری ہے؟ میں تو آپ کا محرم ہوں مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ۔

ے

جائز نہیں حمایتِ یارانِ خود فروش
ممکن نہیں اطاعتِ اہلِ ریا کریں!

(۴) پیر کامل حضرت مولانا میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رح کے حالات میں ان کے خادمِ خاص جناب صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری لکھتے ہیں:۔

دیوبند میں چار نوری وجود مولانا مولوی انور علی شاہ صاحب صدر مدرسہ دیوبند ہمراہ مولوی احمد علی صاحب مہاجر لاہوری شرق پور شریف حاضر ہوئے اور حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کو بڑی ارادت سے ملے۔ آپ ان سے کچھ باتیں کرتے رہے اور شاہ صاحب خاموش رہے۔ پھر آپ نے مولانا انور شاہ صاحب کو بڑی عزت سے رخصت کیا۔ موٹر کے اڈے تک حضرت میاں صاحب خود سوار کرانے کے لئے تشریف لائے۔ شاہ صاحب نے میاں صاحب علیہ الرحمۃ سے کہا۔ آپ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور رخصت کرکے واپس مکان پر تشریف لے آئے۔ بعد ازاں آپ نے بندہ سے فرمایا۔ شاہ صاحب بڑے عالم ہو کر اور پھر میرے جیسے خاکسار سے فرما رہے تھے کہ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں۔ اور حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں ان میں سے

ایک شاہ صاحب ہیں۔ انتہی بلفظہٖ (خزینۂ معرفت باب ۱۳ ص ۳۷۴ المسمٰی بہ تذکرہ عاشق ربانی شیر یزدانی رح طبع ربیع الاول ۱۳۵۰ھ طبع فیروز پرنٹنگ ورکس۔ ۱۱۹ سرکلر روڈ۔ لاہور)

اس عبارت میں دیوبند میں چار نوری وجودوں میں سے حضرت شاہ صاحب رح کی تو تعیین حضرت میاں صاحبؒ نے کردی ہے باقی حضرات کا ذکر نہیں فرمایا۔ جس دور میں حضرت شاہ صاحبؒ دیوبند میں تھے اس دور میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رح وغیرہ بزرگ ہوتے تھے۔ شاید یہی حضرات بقول میاں صاحبؒ نوری وجود کے حامل ہوں۔ نوری وجود کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ انسان نہ تھے اور نور و فرشتہ تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان حضرات کے وجود سے علم اور تصوف کا نور لوگوں میں پھیلا جو ان کی ہدایت و اصلاح کا ذریعہ قرار پایا۔ اب جدید طبع میں یہ ساری عبارت حذف کردی گئی ہے۔ صوفی صاحب! کیا یہ بددیانتی بلکہ کمال بددیانتی نہیں ہے؟ لب کشائی تو فرمایئے ۔

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں سوچنا پڑا
اب خودکشی کریں کہ حوالے لکھا کریں

(۵) صوفی صاحب! آپ کے اعلیٰحضرت خان صاحب بریلوی نے حدائق بخشش نامی ایک نعتیہ کتاب لکھی ہے جس کے تین حصے ہیں۔ اس کا اول اور دوم حصہ تو مل جاتا ہے مگر تیسرا حصہ عام نہیں ملتا اور بریلویوں نے اس کو ایسا چھپا کر رکھا ہے جیسے حیض والی عورت حیض کے چیتھڑے چھپا کر رکھتی ہے۔ اس میں خان صاحب یہ عنوان قائم کرتے ہیں
• قصیدہ در مناقب شریفہ ام المومنین محبوبۂ سید المرسلین حضرت سیدتنا صدیقہ رضی اللہ عنہا
پھر اس سلسلہ میں یہ بھی کہتے ہیں ؎

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار • مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دل کی صورت • کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بیروں سینہ و بر

(حدائقِ بخشش حصہ سوم ص۳۷ مقام اشاعت کتب خانہ جامع مسجد ریاستِ پٹیالہ)
صوفی صاحب! آپ کی جماعت کیوں علمی خیانت کرتی ہے اور اس کتاب کو کیوں عام شائع نہیں کرتی؟ صوفی صاحب! کیا اُمّ المؤمنین ٹیڈی لباس پہنا کرتی تھیں؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور آپ خان صاحب سے نہیں پوچھتے کہ حضرت اُمّ المؤمنین رض کے جوبن کا اُبھار کس انداز سے بیان کر رہے ہیں، ہماری کروڑوں مائیں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رض کی پاکدامنی پر قربان ہوں۔

دوسروں پر بزرگوں کی توہین کا الزام لگانے والو! ذرا اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر دیکھو۔ شرم شرم شرم۔ فتاویٰ مظہری جلد اول و دوم ص۳۸۷، ص۳۸۸، ص۳۸۹ میں حدائقِ بخشش حصہ سوم کے شائع کرنے والے مولوی محبوب علی خان صاحب کے خلاف جماعتی شکل میں اُن کی خوب ناکہ بندی کر کے ان سے جو یہ اقرار کروایا گیا ہے کہ یہ اشعار خان صاحب کے نہیں اور نیز مولوی مصطفےٰ رضا خان صاحب اور مفتی ثناء اللہ صاحب نے بھی ان اشعار کے خان صاحب کی طرف نسبت کا انکار کیا ہے تو یہ صرف عافیت جوئی اور مصلحت کے پیشِ نظر ہے اور اس طویل بیان سے بھی تسلی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یہ اشعار خان صاحب ہی کے ہیں۔ لاریب فیہ۔

ذکر بالجہر صوفی صاحب نے ص۸ سے تا ص۱۸ ذکر بالجہر کی بحث بھی چھیڑی ہے۔ ہم یہاں اس پر زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اس مسئلہ پر ہماری مبسوط کتاب حکم الذکر بالجہر موجود ہے، اس کا مطالعہ کریں۔ البتہ ہم مؤلف مذکور کا ایک حدیث کے بارے ترجمہ عرض کر کے ایک دو حوالے عرض کئے دیتے ہیں۔ مؤلف مذکور لکھتے ہیں:۔ "ابو موسیٰ اشعری رض کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی جنگ لڑی یا جب اُدھر متوجہ ہوئے۔ لوگ ایک وادی پر چڑھے اور تکبیر کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کیں۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنی جانوں پر نرمی کرو (یعنی بلند آواز سے چلّانے کا کیا فائدہ؟ صفدر) تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے، تم تو سمیع اور قریب کو پکارتے ہو سو وہ تمہارے ساتھ ہے۔"
(بخاری شریف ج۲ ص۶۰۴، تنویر الخواطر ص۹) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔ ہم خان صاحب سے

سوال کرتے ہیں کہ حدیث پاک میں لما ترفعوا اصواتکم کہاں ہے (یہ مناظرِ اسلام کی عربی دانی کی مثال ہے کہ وہ لِمَ ترفعون اصواتکم کو لما ترفعوا اصواتکم سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ مصنوعی عربی نہ معلوم تبرید النواظر میں کس جملہ کا معنیٰ کرکے ہمارے گلے مڑھ رہے ہیں۔ صفدر) اور بلند آواز سے چلانے کا کیا فائدہ۔ یہ کون سے جملے کا ترجمہ ہے؟ (جناب یہ اربعوا علیٰ انفسکم کا مفہومی معنیٰ ہے۔ صفدر) اللہ تعالیٰ کے حبیبِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑنے والوں کے حق میں جو وعیدیں آئی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ (یہ الگ بات ہے کہ یہ سمجھ نہ آسکے کہ وہ کس پر فٹ ہوتی ہے۔ صفدر) اور آوازوں کو نرم کرنے کے حکم سے ذکر بالجہر کی ممانعت کیسے ثابت ہوگئی؟ ٹھیک ہے اگر عقل و دانش ہوتی تو وہابی کیوں بنتے۔ قرآن نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے ادبی شعور ختم کر دیتی ہے (بلا شبہ ہر پاک و ناپاک علم کی آپ کی طرف نسبت کرنا اور ہر پاک و ناپاک جگہ میں آپ کو معاذ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر تسلیم کرنا یقیناً بے ادبی ہے۔ اور اسی وجہ سے اہلِ بدعت کا دینی اور ایمانی شعور بالکل ختم ہو چکا ہے۔ صفدر) اس کے بعد اخفاءِ دعاء کے چند حوالے نقل کر دیئے جن کو اصل مسئلہ کے ساتھ تعلق ہی نہیں۔ کہاں اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا جس کو دعا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ذکرِ الٰہی کہاں؟ بہر حال یہ عدم شعور ہی کی وجہ ہے۔ (تنویر الخواطر ص ۹)۔

الجواب: صوفی صاحب نے اس حدیث کی شرح میں حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ کی تشریح نہیں دیکھی ورنہ وہ اتنی لایعنی باتیں ہرگز نہ کرتے اور ذکر اور دعا کی بلا وجہ تفریق کر کے جہالت کا ثبوت نہ دیتے۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفی رح (المتوفی ۸۵۵ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

لان حاصل المعنی فیہ انہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرہ رفع الصوت بالذکر والدعاء	کیونکہ اس کا حاصل معنیٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ذکر اور دعاء دونوں کو مکروہ

(عمدة القاری ج ۱۳ ص۲۴۲ طبع مصر) سمجھا اور مکروہ قرار دیا ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر اور دعا، دونوں باآواز بلند مکروہ قرار دیئے ہیں اور حافظ ابن حجر العسقلانی رح (المتوفی ۸۵۲ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

قال الطبری فیہ کراھیۃ رفع الصوت بالدعاء والذکر وبہ قال عامۃ السلف من الصحابۃ رض والتابعین (فتح الباری ج ۵ ص۴۲۷)	امام طبری رح نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بلند آواز سے دعا اور ذکر کرنا مکروہ ہے اور حضرات صحابہ کرام رض اور تابعین رح میں اکثر سلف اسی کے قائل تھے۔

مناظر اسلام ہی بتائیں کہ کیا یہ سب حضرات عدم شعور کا شکار ہیں جو بلند آواز سے ذکر اور دعا کو مکروہ قرار دیتے ہیں؟ سوچ کر بتانا حضرات فقہاء کرام رح کی اصطلاح میں مطلق کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے اِلّا یہ کہ کراہت تنزیہی کی تصریح ہو یا کوئی واضح دلیل اس پر دال ہو۔ اسی طرح علامہ نسفی رح نے مصفّٰی میں اور ابن نجیم رح نے البحر الرائق میں ذکر کیا ہے (مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص۱۵) اور حافظ ابن الھمام محمد بن عبد الواحد الحنفی رح المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں کہ:-

والاصل فی الاذکار الاخفاء والجھر بھا بدعۃ (فتح القدیر ج ۱ ص۴۳۳ طبع مصر)	اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:-

فصل۔ اعلم الذکر علیٰ ثلاث مراتب احدھا الجھر ورفع الصوت بھا وذلک مکروہ اجماعاً اِلّا اذا دعت الیہ داعیۃ اھ (تفسیر مظہری ج ۳ ص۳۰۹)	فصل تو جان لے کہ ذکر کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ ذکر بالجہر کا ہے اور یہ بالاجماع مکروہ ہے مگر جبکہ جہر کا کوئی داعیہ پیش آئے الخ

ہم سردست انہی حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ امید ہے کہ صوفی صاحب کی طبیعت

ان سے صاف ہو جائے گی۔ مزید مفصل بحث حکم الذکر بالجہر میں ملاحظہ فرمائیں۔

ذکر بالجہر کہاں جائز ہے؟ یہ بات ضروری طور پر پیش نظر رہے کہ جہاں شریعت نے خود ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے وہ محل نزاع سے بالکل خارج ہے مثلاً اذان، اقامت، حج و عمرہ میں تلبیہ، تکبیر تشریق، وعظ و تقریر وغیرہ وغیرہ نیز یہ بات بھی نزاعی نہیں کہ اگر کوئی شخص تنہائی میں ذکر بالجہر کرے کہ جس سے کسی کے سکون و آرام اور نماز وغیرہ میں خلل نہ پڑتا ہو یا کوئی جماعت کسی ایسے موقعے پر احیاناً جہر غیر مفرط کے طور پر ذکر کرے کہ کسی کی نماز، نیند، مطالعہ اور عبادت وغیرہ میں کوئی حرج واقع نہ ہوتا ہو تو یہ بھی جائز و صحیح ہے یا نمازوں کے بعد دعا اور ذکر تعلیم کی خاطر جہر سے ہو اور پھر بعد از تعلیم موقوف کر دیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔ ان سب امور کی باحوالہ بحث حکم الذکر بالجہر میں مذکور ہے۔ مؤلف مذکور نے بزازیہ کے کلام میں اضطراب کا لفظ نقل کرکے گلو خلاصی چاہی ہے مگر بے سود ہے ان کے کلام میں کوئی اضطراب نہیں حکم الذکر بالجہر دیکھیں۔ اسی طرح ص۱۰ میں بحوالہ مشکوٰۃ جو یہ روایت نقل کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتروں کے بعد سبحان الملک القدوس تین مرتبہ پڑھتے تھے اور تیسری بار آواز بلند کیا کرتے تھے۔ یہ بھی محل نزاع نہیں کیونکہ وتر آپؐ نے انفرادی طور پر پڑھے اور اس کے بعد صرف ایک بار جہر سے تعلیماً یہ کلمہ پڑھا۔ اسی طرح حاشیۂ مشکوٰۃ سے جو حوالہ نقل کیا ہے اس میں بھی اظہار اللدین و تعلیما للسامعین کے الفاظ ہیں جو تعلیم پر دال ہیں۔ جو نزاع سے خارج ہے۔ اسی طرح حضرت شیخ عبدالحق رح کی عبارت کہ و دریں حدیث دلیل است بر مشروعیت جہر بذکر و آں ثابت است بے شبہ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۵۷۵) جو مؤلف مذکور نے تنویر الخواطر ص۱۱ میں نقل کیا ہے، ان کو مفید نہیں کیونکہ خود حضرت شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ:-

دلیل علٰی مشروعیۃ الجہر بالذکر وھو ثابت فی الشرع بلا شبھۃ لکن الخفی منہ افضل	اس میں جہر بالذکر کی مشروعیت پر دلیل ہے اور وہ بلا شبہ شرعاً ثابت ہے لیکن خفی ذکر افضل ہے

فی غیر ما ثبت فی الماثور (مشکوٰۃ ج۱ ص۱۲) جہاں شریعت میں جہر سے ثابت نہیں ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ صاحبؒ بھی جہاں شرعاً جہر سے ذکر ثابت نہیں ہے وہ وہاں ذکرِ خفی ہی کو افضل قرار دیتے ہیں۔ مطلقاً جہر کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ صوفی صاحب کا خیال ہے اور نیز فرماتے ہیں :- "و بعضے علماء گفتہ اند کہ افضل در جمیع انواع اخفاء است در ذکر و در دعا ہم امام را و ہم منفرد را و جہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم برائے تعلیم بود و اگر در جائے دیگر امام را مصلحت در جہر و اعلان بود و بقصد تعلیم و اعلام کند درست است بلکہ مستحسن باشد اھ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص۴۳۵ طبع نولکشور)

اسی طرح حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ کی طویل عبارت بھی جو انھوں نے ص۱۱، ص۱۲، ص۱۳ میں نقل کی ہے، ان کو مفید نہیں کیونکہ اس عبارت میں حضرت تھانوی رحمہ امام شعرانی رحمہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ :-

اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المسجد وغیرہ الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصلی او قاری اھ (ص۱۲)	علماء کا سلفاً و خلفاً اس پر اجماع ہے کہ جماعتی شکل میں مسجد وغیرہ میں ذکر مستحب ہے مگر یہ کہ ان کا جہر کسی سونے والے یا نمازی یا تلاوت کرنے پر خلل ڈالے۔

اور یہی ہم کہنا چاہتے ہیں۔ الغرض مطلقاً ذکر بالجہر کرنے والوں کے پاس کوئی قطعی اور صریح دلیل نہیں ہے۔ بات صرف سمجھنے کی ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ اس مسئلہ سے دلائل و براہین کی رُو سے پردہ ہم نے اُٹھا دیا ہے ؎

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اُٹھتے ہیں حجاب آخر

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت

تبرید النواظر میں ہم نے باحوالہ یہ بات لکھی تھی کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ نے مسجد میں بلند

آواز سے ذکر کرنے والوں اور درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی قرار دیتے ہوئے مسجد سے نکال دیا تھا اور حضرت ملا علی ن القاری رحمہ نے حدیث اتلھا تکلفا کی شرح میں حضرات صحابہ کرام رضہ کی سادہ زندگی کا نقشہ کھینچا ہے کہ وہ ذکر اور درود شریف کے لئے مسجدوں یا گھروں میں حلقہ بنا کر بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ (محصلہ تبرید النواظر صت)

صوفی صاحب نے اس عبارت پر مارِ نیم جان کی طرح پیچ و تاب کھا کر بلکہ گھائل ہو کر جو کچھ کہا ہے، خود ان کی زبانی سُن لیں پھر اس کا جواب ملاحظہ کریں۔ وُہ لکھتے ہیں ہ۔

سوال اوّل :۔ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یا صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا کسی کام کو پسند نہ فرمانا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ کام ناجائز یا حرام ہے۔ نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے کاموں کو پسند نہیں فرمایا جن میں بلند عمارات بنانا بھی شامل ہے اور صحابۂ کرام اچھا لباس، عمدہ کھانا بلکہ جُوتیاں تک پہننا پسند نہ فرماتے تھے جیساکہ ہم قریب ہی بیان کریں گے (اور ص۱۶۱ میں مرقات ج ۱ ص۲۹ کے حوالہ سے اس کا ذِکر انھوں نے کیا ہے۔ صفدر) توکیا خان صاحب کے نزدیک یہ تذکرہ بالا کام ناجائز اور حرام نہیں۔ انتہیٰ (بلفظہٖ تنویر الخواطر ص۱۵) اور ص۱۶ میں لکھتے ہیں کہ کیا وہابیوں اور نجدیوں کا ان تمام باتوں پر عمل ہے یا ان تمام سے لوگوں کو منع کرتے ہیں یا یہ تمام ان کے نزدیک ناجائز یا حرام ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ان کے نزدیک تو صرف صلوٰۃ و سلام ہی ناجائز اور حرام ہے۔

الجواب :۔ واقعی یہ متذکرہ بالا کام ناجائز اور حرام نہیں ہیں کیونکہ یہ دین اور عبادت سے متعلق نہیں بلکہ عرف و عادت سے متعلق ہیں اور ذکر و دُعا کا تعلق دین سے ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا صریح ارشاد ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ اور آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خیر الذکر الخفی اور آپ کا حضرات صحابۂ کرام رضہ کو بلند آواز سے ذکر کرنے سے منع کرنے پر اربعوا علیٰ انفسکم کا واضح ارشاد ہے اور حضرت امام ابُوحنیفہ رحمہ ذکر بالجہر کو بدعت فرماتے ہیں اور حضرات فقہاء احناف رحمہ اور بیشتر

دوسرے حضرات فقہاء کرام رح کا بھی یہی مسلک ہے۔ لہٰذا دین اور غیر دین کو گڈمڈ کر کے لوگوں کو مغالطہ دینا بڑا دجل ہے۔

فائدہ: بظاہر کتابت کی غلطی سے (اور تنویر الخواطر میں ایسی غلطیاں بے شمار ہیں) "ہیں" کی جگہ "نہیں" لکھا گیا ہے جیسا کہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے اور ہمارا جواب اس صورت میں بھی ظاہر ہے کہ یہ امور ہمارے نزدیک حرام و ناجائز نہیں ہیں کیونکہ یہ شرعی امور نہیں بلکہ رسمی اور عادی ہیں اور اسی طرح صحابہ کرام رض کو صحابہ اکرام رض لکھا ہے جو غلط ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رح (شیخ احمد سرہندی رح المتوفی ۱۰۳۴ھ) سے کسی شخص نے سوال کیا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ نہ تھی اس سے آپ لوگوں کو کیوں منع نہیں کرتے؟ تو اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

مخدوما! عمل آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات بر دو نوع است بر سبیل عبادت یا بر طریق عرف و عادت عملے کہ بر سبیل عبادت بودہ خلاف آں را از بدعتہائے منکر میدانیم و در منع آں مبالغہ مینمائیم کہ احداث در دین است و آں مردود است وعملے کہ بر عرف و عادت است خلاف آں را بدعت منکر نمی دانیم و در منع آں مبالغہ نمی نمائیم کہ ایں بدین تعلق ندارد الخ (مکتوبات مکتوب ۲۳۱ دفتر اول۔ حصہ چہارم صد ۲۴، ص۲۵)۔

اے ہمارے مخدوم! آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا عمل دو قسم پر تھا۔ ایک وہ جو عبادت کے طور پر تھا اور دوسرا وہ جو عرف و عادت کے طور پر تھا۔ آپ کا جو عمل عبادت کے طور پر تھا اُس کی خلاف ورزی کو ہم بری قسم کی بدعات سے سمجھتے ہیں اور اس سے منع کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں کیونکہ وہ دین کے اندر بدعت ہے اور وہ مردود ہے اور جو عمل عرف و عادت کے طور پر تھا اُس کی مخالفت کو ہم بدعت قرار نہیں دیتے اور اس سے منع کرنے میں بھی مبالغہ نہیں کرتے اس لئے کہ اس کا دین سے تعلق نہیں۔

لہٰذا صوفی صاحب کا حضرات صحابہ کرام رض کے بلند آواز سے اذکار و درود شریف

پڑھنے کے لئے مسجدوں اور گھروں میں حلقے نہ باندھنے کا (جو خالص دینی امر ہے) ان کے ننگے پاؤں چلنے، زمین پر نماز پڑھنے اور ہر برتن سے کھانے اور لوگوں کے جوٹھے کو پینے پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے کیونکہ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان کے جدا جدا احکام ہیں۔ صوفی صاحب نے حضرت ملا علی ن القاری رح کی عبارت کے نقل کرنے میں بلاوجہ ہمیں خائن بنانے کی سعی کی ہے اور خیر سے اپنے دجل وتلبیس اور خیانت کا کچھ بھی احساس نہیں ہے۔ اسی عبارت کے آگے حضرت ملا علی ن القاری رح لکھتے ہیں کہ:۔

وكانوا يلبسون ما تيسر لهم من الصوف والقطن والكتان غير متقيدين بالاوصاف المخصوصة والمرقعات المنتقشة وكانوا يأكلون ما تهيأ لهم من الحلالات والمستلذات غير محترزين من اللحم او اللبن او الفواكه وغير ذلك اهـ (مرقات ج ۱ ص ۲۶۰)

حضرات صحابہ کرام رض جو کچھ بھی ان کو میسر ہوتا تھا پہنتے تھے مثلاً اونی، سوتی اور سلکی کپڑے اور وہ مخصوص اوصاف کے ساتھ متقید نہ تھے اور نہ وہ نقش ونگار کی پوشاک کے دلدادہ تھے اور حلال ولذیذ چیزوں میں سے جو کچھ ان کو میسر ہوتا تھا وہ کھاتے تھے۔ گوشت یا دودھ یا پھل وغیرہ کسی چیز سے پرہیز نہ کرتے تھے۔

جب حضرات صحابہ کرام رض شرعی طور پر ہر جائز لباس کو جو ان کو میسر ہوتا تھا، پہنتے تھے اور ہر حلال اور لذیذ چیز جو ان کو ملتی تھی، کھاتے تھے تو ہم لوگوں کو ان سے کیوں منع کریں؟ ہاں جس چیز کو قرآن وحدیث میں منع فرمایا گیا ہے اور جس کو حضرات صحابہ کرام رض اور تابعین رح وائمہ دین رح منع کرتے اور مکروہ سمجھتے تھے اس کو ہم بھی مکروہ سمجھتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں ؎

کہے نہ راہنما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو
یہ بات راہروِ نکتہ داں سے دور نہیں

صوفی صاحب لکھتے ہیں:۔ جواب ۲ دوم۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جن لوگوں کو اپنی کمال سادگی کی بنا پر مسجد سے چلے جانے کو فرمایا تھا وہ کون لوگ تھے یقیناً وہ تابعین تھے جو خیر القرون میں داخل ہیں، ان کا صلوٰۃ و سلام کے لئے مسجد میں جمع ہونا ہی اس فعلِ خیر کے جواز پر کافی اور وافی دلیل ہے لیکن نجدیوں کو اتنا شعور کہاں؟ انتہی (بلفظہٖ تنویر الخواطر صلا)۔

الجواب:۔ حضرت ابن مسعود رضؓ نے بلادلیل کمال سادگی سے ان لوگوں کو مسجد سے نہیں نکالا تھا بلکہ شرعی دلیل کے عین مطابق عمل کیا اور ان لوگوں کی اس کارروائی کا انکار کیا تھا۔ چنانچہ اہلِ بدعت کے وکیل اعظم مولوی عبد السمیع صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ "دوسری روایت اس طرح پر ہے کہ وہ لوگ ذکر اللہ جہراً کرتے تھے اس لئے ان کو ابنِ مسعودؓ نے مسجد سے نکال دیا سو اس کی وجہ وہی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکرِ جہر کو مخالفِ شرع سمجھتے تھے جیسا کہ کتب فقہ سے روایت آتی ہے اور مانعینِ جہر قرآن کی آیت سند گزارتے ہیں اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اور حدیث کتاب الجہاد بخاری کی جو ابو موسیٰ اشعری رضؓ سے روایت ہے، پیش کرتے ہیں کہ وہاں بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ادبعوا علی انفسکم لاتدعون اصم ولا غائبا انہ معکم انہ سمیع قریب یعنی نرمی کرو اپنی جانوں پر، تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں پکارتے وہ تمہارے ساتھ ہے وہ سنتا ہے، پاس ہے۔ اس سے بعض صحابہ رضؓ سمجھ گئے کہ ذکرِ جہر سے منع ہے۔ اسی بنا پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ نے ان لوگوں کو منع فرمایا۔" اھ (انوار ساطعہ صـ۲۸)۔

حضرت ابن مسعود رضؓ وہی صحابی ہیں جو فنِ تفسیر میں سب حضرات صحابہ کرام رضؓ میں درجہ اوّل پر تھے۔ آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ان پر پورا اعتماد تھا اور بقول مؤلف انوار ساطعہ وہ اس نہی کی مدار قرآن و سنت پر رکھتے تھے۔ صد افسوس ہے کہ متوفی صاحب حضرت ابنِ مسعود رضؓ کے مقابلہ میں بعض تابعین رحؒ کی کم فہمی کی وجہ سے بدعت کو فعلِ خیر اور جواز

کا درجہ دیتے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضؓ کی شخصیت اُن کے مقام اور اُن کے درجہ کو بالکل ملحوظ نہیں رکھتے مگر شرک و بدعت کا لبریز جام پینے کے بعد انسان میں انصاف و شعور کہاں رہتا ہے؟

صوفی صاحب کا تیسرا جواب :۔ "عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کی ہیئت کذائیہ کو ناپسند کرتے ہوئے ان کو صحابہ اکرام کی کمال سادگی کی اتباع کی طرف اشارہ فرمایا ورنہ حرمت اور عدم جواز کے الفاظ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جانتے تھے۔" انتہیٰ (بلفظہٖ صدا)

الجواب :۔ یہ جواب بھی ان کی کم فہمی کا نتیجہ ہے اوّلاً اس لئے کہ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور درود شریف پڑھنا بڑا کارِ ثواب اور موجب خیر و برکت اور سعادت دارین کا بہترین ذریعہ ہے لیکن مسجدوں میں رل مل کر جماعتی صورت میں گلے پھاڑ پھاڑ کر پڑھنا، یہی ہیئت کذائیہ مکروہ اور بدعت ہے اور یہی کچھ حضرت ابن مسعود رضؓ نے فرمایا ہے۔ وثانیاً حضرت ابنِ مسعود رضؓ نے مَااَرَاکُمْ اِلاَّ مُبْتَدِعِیْنَ فرما کر ان لوگوں کی اس کارروائی کو بدعت قرار دیا ہے اور حضرات صحابہ کرام رضؓ کے ہاں شرک کے بعد بدعت سے زیادہ بُری اور مبغوض چیز اور کوئی نہ تھی، گویا ان کے نزدیک بدعت کا لفظ اطلاق کر دینا ہی اس فعل کے ناجائز و حرام ہونے کی بڑی سند ہوتی تھی۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت ابن مسعود رضؓ نے ایک جماعت کو جن کو ایک شخص تسبیح و تحمید وغیرہ ایک خاص کیفیت سے پڑھا رہا تھا، خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

لقد هديتم لما لم يهتد نبيكم؟ وانكم لتمسكون بذنب ضلالة اھ (الاعتصام ج ا صنلے للشاطبی رح)	یعنی بلاشبہ کیا تمہیں اس چیز کی ہدایت ہو گئی جس کی تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ ہو سکی؟ بلاشک تم گمراہی کی دم پکڑے ہوئے ہو۔

الحاصل حضرت ابن مسعود رضؓ نے اس کارروائی کو بدعت اور کرنے والوں کو مبتدعین

کہہ کر مسجد سے نکالا۔ اگر ان کے نزدیک عدمِ جواز کے لئے بدعت سے زیادہ سنگین کوئی لفظ ہوتا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے استعمال کرنے سے بھی ہرگز وہ نہ چوکتے۔ ایک ہی بدعت بیشمار دینی مصائب کا گھر ہے۔ سچ ہے ع

غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لئے

لطیفہ: صوفی صاحب کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ ص۱ میں الشہاب الثاقب مؤلفہ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رہ کو حسین علی صاحب دیوبندی کی تالیف بتلاتے ہیں۔

خانصاحبؒ اور ان کے والدِ ماجد کی بعض عبارتیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتمامِ حجت کے لئے ہم خانصاحب اور ان کے والد مولوی محمد نقی علی خان صاحب کی بعض عبارتیں بھی اس کے بارے میں نقل کر دیں شاید کہ منیب طبع قسم کے لوگوں کے لئے ان سے عبرت ہو۔ مولوی محمد نقی علی خانصاحب اور خان صاحب دونوں لکھتے ہیں:۔

ادب ۲۷: دعا نرم و پست آواز سے ہو کہ اللہ تعالیٰ سمیع و قریب ہے جس طرح چلانے سے سنتا ہے۔ اسی طرح آہستہ قال الرضا بلکہ وہ اسے بھی سنتا ہے جو ہنوز زبان تک اصلاً نہ آیا یعنی دلوں کا ارادہ نیت خطرہ" الخ۔ (احسن الوعاء لآداب الدعاء از مولوی محمد نقی علی خان صاحب مع ذیل المدعاء احسن الوعاء از احمد رضا خان صاحب ص۱۲)۔

پھر اسی کتاب میں آگے لکھا ہے:۔

ادب ۵۵: دعا میں جیسے کہ بلند آواز نہ چاہیئے نہایت پست بھی نہ کرے اور اس قدر تو ضرور ہے اپنے کان تک آواز پہنچے بغیر اس کے مذہب راجح پر کوئی کلام و قرأت کلام و قرأت نہیں ٹھہرتا و قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا الآية (احسن الوعاء ص۲۴)۔

خان صاحب اسی قسم کے ایک مضمون کے جواب میں لکھتے ہیں :۔

الجواب ، مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، ۔ درود شریف خواہ کوئی (اور) وظیفہ باآواز نہ پڑھا جائے جب کہ اس کے باعث کسی نماز یا سوتے یا مریض کی ایذاء ہو یا ریا آنے کا اندیشہ اور اگر کوئی محذور نہ موجود نہ مظنون تو عند التحقیق کوئی حرج نہیں۔ تاہم اخفاء افضل ہے لما فی الحدیث خیر الذکر الخفی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج۴ ص۲۰۶)

اہلِ انصاف خود سمجھ سکتے ہیں کہ آجکل جس انداز سے اہلِ بدعت نے بلند آواز سے درود شریف پڑھنے اور گیارھویں شریف کے ختم کا جو طریق اختیار کر رکھا ہے کیا اس سے دوسری مسجدوں بلکہ گھروں میں نمازیوں اور اسی طرح سونے والوں اور بیماروں کو اذیت پہنچتی ہے یا نہیں ؟ عیاں راچہ بیاں ؟

بابِ دوم

مسئلۂ علمِ غیب

صوفی صاحب نے ص۱۸ سے ص۲۶ تک مسئلۂ علمِ غیب پر بھی خامہ فرسائی کی ہے اور اصل نزاعی محل کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر چکر لگاتے رہے ہیں اور غیر متعلق عبارات سے اپنے دل کی تسکین چاہتے رہے ہیں۔ ہم اس مسئلہ پر یہاں چند باتوں سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے کیونکہ ہم نے بفضلہ تعالیٰ ازالۃ الریب میں اس مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو پر بما لا مزید علیہ بحث کر دی ہے البتہ قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے ان کی چند عبارات اور تحقیق کے شہ پارے عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) خان صاحب گکھڑوی اور ان کے مصدق شیخ التفسیر احمد علی صاحب نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے یہ بہتان تراش مارا کہ بریلوی حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

کو ہر وقت عالم ماکان مایکون مانتے ہیں۔ حاشا للہ اہل سُنّت کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں اور نہ ہی یہ عقیدہ ہے جو اوپر بیان کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو مغیبات پر اطلاع دیتا ہے۔ ذریعہ اطلاع اگرچہ کوئی بھی ہو اور اس عقیدہ کی بنیاد قرآن مجید پر ہی ہے الخ (صا۲)۔

الجواب: قارئین کرام اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور فرمائیں کہ ہم ان کی اس عبارت میں بیان کردہ پہلے حصہ کو ان کا عقیدہ سمجھیں؟ یا دُوسرے حصہ کو؟ کیوں کہ یہ دونوں حصے آپس میں متعارض ہیں جیسا کہ بالکل ظاہر ہے لیکن تبرید النواظر کے وزنی اور ٹھوس دلائل نے ان کو اپنا عقیدہ بدلنے پر مجبور کر دیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ علےٰ ذالک صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ گکھڑوی اور ان کے مصدق شیخ التفسیر احمد علی صاحب (نے) لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے یہ بہتان تراش مارا کہ بریلوی حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہر وقت عالم ماکان مایکون مانتے ہیں حاشا للہ اہل سُنّت کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں اھ۔

الجواب: بے شک اہل السُنّت والجماعت کا تو ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے لیکن بریلوی حضرات کا تو یہی عقیدہ ہے کیونکہ وہ اہل السُنّت میں شامل نہیں ہیں بلکہ اہل بدعت میں شامل ہیں۔ اگر بریلوی حضرات کا عالم ماکان و مایکون کا عقیدہ نہ ہوتا تو ہمیں ان سے اختلاف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس مقام پر ہم مناظر اسلام کے تین بزرگوں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں اور پھر دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ ہمارا ان پر بہتان ہے؟ یا واقعی اُن کا یہی عقیدہ ہے۔

نمبر ا۔ ان کے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:-

"ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون الیٰ یوم القیٰمۃ جمیع مندرجات لوحِ محفوظ کا علم دیا اور شرق تا غرب وسماء وارض وعرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا" اھ (انباء المصطفےٰ صد۲) اور خان صاحب بریلوی کے نزدیک بعض غیوب سے یہی مراد ہے جو غیر سے سارے جہان کے کل سے بھی لمبا ہے۔

نمبر۲۔ مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی ثم گجراتی ان احادیث سے جو صرف معجزات اور اخبار غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ موج میں آکر اپنے دعویٰ پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ " ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی کفِ دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں، ماسواء اللہ کو تو عالمِ اجسام، عالمِ ارواح، عالمِ امر، عالمِ امکان، عالمِ ملائکہ، عرش و فرش غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے۔" پھر آگے لکھتے ہیں۔ " غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" انتہیٰ بلفظہٖ (جاء الحق ص۶۷) اور ص۶۱ میں لکھتے ہیں کہ " کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آگیا ہو" اھ۔

نمبر۳۔ آپ کے استاد جناب مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں۔ " لہٰذا نبی صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے واسطے تمام عالمیں کا علم غیب عطائی علی الدوام ماننا یعنی از ابتدائے آفرینش حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تا قیامت اور قیامت کے بعد تک اور جنت اور دوزخ وغیرہم (اپنے استاد محترم کی عربی دانی بھی دیکھتے جائیے۔ صفدر) کا تمام علمِ غیب بلکہ اس سے بھی زیادہ، جس کو اللہ تعالےٰ جانتے ہیں اور مخلوق کی عقلوں سے بالاتر ہے آپ کی شانِ نبوت کو حاصل ہے۔" انتہیٰ بلفظہٖ (مقیاس حنفیت ص۲۹۱) اور خود صوفی صاحب ص۱۱ میں لکھتے ہیں کہ: " اور حاضر و ناظر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کوئی زمانہ اور کوئی مکان ایسا نہیں جو آپ سے خالی ہو" اھ۔ اور اس سے قبل لکھتے ہیں کہ " اہلِ سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماکان و مایکون بلکہ اس سے بھی زیادہ علم عطا کیا گیا" الخ ص۱۱۔

فرمائیے صوفی صاحب! یہ گکھڑوی اور حضرت شیخ التفسیر صاحب کا بریلویوں پر بہتان ہے یا سچ مچ بریلویوں کا اور خصوصاً آپ کا خود ساختہ عقیدہ ہی یہی ہے۔ جس کو قرآنِ کریم، صحیح احادیث اور اجماعِ اُمت صاف طور پر رد کرتا ہے۔ اس عقیدہ سے اللہ تعالےٰ سب

کو بچائے ۔ آمین ۔

(ب) ہم پوچھتے ہیں کہ ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ہونا اہل سُنت کی کون سی کتاب میں لکھا ہے؟ اور جس ذات اطہر کے بارے میں یہ عقیدہ ہے اس کے بارے میں انشاءاللہ تعالیٰ ہم سیر حاصل بحث کریں گے ۔ اھ ۔ بلفظہٖ (ص ۱۶)

اس عبارت کا بھی اوّل حصہ آخر سے بالکل متضاد ہے ۔ جیسا کہ ظاہر ہے ۔ بجا ہے کہ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اہل السُّنت کی کسی کتاب میں نہیں ہے اور بحمداللہ تعالیٰ ہم اس کے قائل ہیں مگر آپ لوگ بھی تو اہل السنت بننے کا دعویٰ کرتے ہیں (جو واقع کے بالکل خلاف ہے) اور آپ کے بزرگوں کی کتابوں میں ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہونا صراحت سے لکھا ہے ۔ چنانچہ مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ " اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ جاءکم میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور تشریف لائے (سب کے پاس تشریف لانے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک کے پاس بنفسِ نفیس تشریف لائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی کے پاس آپ خود تشریف لائے اور دیگر اُمت کے پاس آپ کا لایا ہوا اسلام اور دین پہنچا ہے ۔ صفدر) جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں ۔ الخ بلفظہٖ (جاء الحق ص ۱۳۳) اور نیز وہ لکھتے ہیں ۔ " اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا تو بہت سی مخلوقات کو عطا کیا گیا (پھر اس میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا فضیلت ہے؟ صفدر) ماننا پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی " بلفظہٖ (جاء الحق ص ۱۵۱) نیز لکھتے ہیں کہ " ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور حبیبِ خدا علیہ السلام کی بھی ہر مخلوق الٰہی کو ہر وقت ضرورت ہے (بجا ہے لیکن آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل پیرا ہونے سے یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے ۔ صفدر) جیسا کہ ہم

روح البیان وغیرہ کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں (عقیدہ کا مسئلہ روح البیان سے ثابت نہیں ہوتا۔ مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی بلکہ مسائل فقہیہ اجتہادیہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ ہے۔ جاء الحق ص۱۳۶) تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ جلوہ گری ہو۔ انتہیٰ بلفظہ (جاء الحق ص۱۵۲)۔

اور آپ کے اُستاد مولوی محمد عمر صاحب ما تقول فی ھذا الرجل کی حدیث سے غلط استدلال کرتے ہوئے یہ دعوے کرتے ہیں کہ " اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کروڑہا جگہ ایک ہی وقت میں تمام قبور میں پیش کئے جاتے ہیں —— ایک ہی وجودِ اطہر اللہ کے حکم سے بلا تجزیۂ نفس و بلا تعدد ذات ایک ہی وقت میں کروڑ ہا جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو گیا۔ ایک ہی وقت میں روئے زمین پر بھی حاضر و ناظر ہیں جو اپنے زائرین کو مختلف مقامات پر زیارت سے مشرف فرما رہے ہیں اور تحت الارض بھی کروڑ ہا ملکوں میں بلا امتیاز زیارت کروا رہے ہیں اور خواص کو بلا نوم و بلا مراقبہ بالمشافہ زیارت سے سرفراز فرما رہے ہیں جیسے کہ قبور میں اہل قبور کے واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا اور آپ کی پہچان پر فلاح کا دار و مدار ہے۔ اسی طرح فوق الارض بھی ہر اہلِ ایمان کے واسطے آپ کو حاضر و ناظر سمجھنا ایمان کی کسوٹی ہے" پھر آگے لکھتے ہیں۔ "اب عالمِ برزخ میں بھی آپ کا حاضر و ناظر ہونا عالمِ دُنیا میں بھی اور عالمِ ملکوت میں بھی اور لامکان میں بھی اور روضۂ اطہر پر جانے والوں کو بھی سوال و جواب وہیں فرماتے ہیں اور جنت پر تخت نشین بھی ہیں اور ہر مقام پر سونے والے اولیاء کرام کو بھی اپنی زیارت سے مشرف فرماتے ہیں" اھ (مقیاسِ حنفیت ص۲۷۷)

بتائیے صوفی صاحب! اس عبارت کے پیشِ نظر کیا کوئی جگہ آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے سے خالی رہ جاتی ہے؟ اور خود مؤلف کا حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ کوئی زمانہ اور کوئی مکان ایسا نہیں جو آپ سے خالی ہو۔ مولوی محمد عمر صاحب

اس عبارت میں اہلِ ایمان کے لئے آپ کے حاضر و ناظر ہونے کو ایمان کی کسوٹی کہتے ہیں اور پھر عالمِ برزخ، عالمِ دُنیا، عالمِ ملکوت اور لامکان کے عوامی گیت اور غزل بھی سُناتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ دَور بھی عوامی ہے اور حکومت بھی عوامی ہے۔ صد افسوس کہ یہ لوگ منبر و محراب کی آڑ لے کر محض اپنی سُر تال کی دُھن میں محو رہتے ہیں اور ان کے غلط قول و عمل سے عوام گمراہی کے گڑھے میں جا پڑتے ہیں۔

وہ شاخِ گُل پہ زمزموں کی دُھن تراشتا رہا
نشیمنوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

تبریدالنواظر میں قرآنِ کریم کے حوالہ سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ چند فرشتے بصورت انسان و مہمان ان کے پاس آئے۔ انھوں نے اُن کے لئے بچھڑا ذبح کیا۔ اور بھون تل کر اُن کے سامنے رکھا۔ انھوں نے نہ کھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ خوفزدہ ہو گئے۔ فرشتوں نے فرمایا کہ ہم تو فرشتے ہیں۔ خوش خبری سُنانے اور مجرم قوم کی تباہی کے لئے آئے ہیں (محصلہ) اس واقعہ سے تبریدالنواظر میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیب کا علم ہوتا اور آپ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ کو پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا کہ یہ فرشتے ہیں اور میرے دیکھتے دیکھتے آسمان سے اُترے ہیں۔ پھر ان کے لئے بچھڑا کیوں ذبح کیا؟ اور ان کے سامنے کیوں لا رکھا؟ یہ نتیجہ بالکل صحیح اور حق ہے۔ قرآن کریم کی آیات کو جن کا حوالہ تبریدالنواظر میں دیا گیا ہے، ملاحظہ کر لیں۔ اس کے بارے میں صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ:- "خان صاحب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرنا تمھارے نزدیک عین ایمان ہے (لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔ صفدر) ہم پوچھتے ہیں کہ اس واقعہ کو مسئلہ حاضر و ناظر اور علمِ غیب سے کیا تعلق ہے؟ کیا یہی علمِ غیب ہے جو اللّٰہ تعالیٰ سے خاص ہے۔ کیا آپ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام ایک اُمتی مومن صالح سے بھی کم ہیں۔ حالانکہ ایسے واقعات کی حقیقت پر

تو ہر وہ انسان اطلاع پا سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فراستِ ایمانی عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ اتقوا فراسۃ المؤمن الخ بیری۔ بنور اللہ الحدیث کے ماتحت شارح کا قول نقل کر رہے ہیں۔ مزید سنئے علی القاری رحمۃ اللہ الباری فرماتے ہیں۔ ابو سلیمان الدارنی نے فرمایا کہ فراست مکاشفہ نفس اور معاینہ غائب کا نام ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص۹۷۔ بلفظہ)۔ ص۲۲۴

الجواب: جناب صوفی صاحب غصہ تھوک دیجئے۔ علم و تحقیق کے میدان میں غصہ بیکار ہوتا ہے اور آپ کی یہ تقریر بے سود ہے اولاً اس لئے کہ اس واقعہ کا مسئلہ حاضر و ناظر اور علم غیب کی نفی سے گہرا تعلق ہے۔ ذرا آپ قرآن کریم میں اس واقعہ کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ تو کر لیجئے، حقیقت بالکل آشکارا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا علمِ غیب اتنا ہی نہیں وہ تو سب اشیاء کے علم کو محیط ہے لیکن واقعہ صاف بتاتا ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرشتوں کو نہیں پہچان سکے۔ باقی نبی کا مقام مؤمن سے بہت ہی اونچا ہوتا ہے جو تصور میں نہیں آسکتا۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔ اور فراست مومن کی حدیث اور ابو سلیمان الدارانیؒ کا حوالہ بھی بجا ہے لیکن وہ جب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کو کشف اور فراست کے طور پر واقعہ بتلا دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ بتلانا چاہیں (جیسے یہاں قبل از وقت نہیں بتلایا) تو کشف و فراست بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ وثانیاً مفتی احمد یار خان صاحب کے حوالہ سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ عقائد میں تقلید و قیاس کا کچھ کام نہیں اس لئے یہاں غیر معصوم اور محتمل اقوال و عبارات سے کچھ نہیں بنتا۔ یہاں تو نصوص قطعیہ اور صریحہ درکار ہیں اور ہمارا دعویٰ قرآن کریم کی آیات سے بالکل ثابت ہے اور آپ کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے، دلیل عنقا ہے وثالثاً صوفی صاحب نے اپنا رد خود کر دیا ہے ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: اگر دیانت داری کے ساتھ غور کیا جائے تو اس واقعہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اول امر میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہمانوں کی طرف پورا پورا التفات نہ فرمایا کہ مالبث کے لفظ سے ظاہر ہے اور مہمان نوازی جس کا آپ پر انتہائی غلبہ تھا، کے تقاضوں کو پورا فرمایا

لیکن جب مہمانوں کے کھانا نہ کھانے پر آپ نے ان کی طرف توجہ تام فرمائی تب انکی حقیقت آپ پر ظاہر ہوگئی۔ آپ جان گئے کہ یہ فرشتے ہیں اور ان کا آنا خطرہ سے خالی نہیں۔" الخ۔ اس کے بعد صاوی شریف اور تفسیر مدارک کا حوالہ دے کر آخر میں لکھتے ہیں کہ :۔ " علامہ نسفی رح کی عبارت سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کے نازل ہونے کی اصل وجہ معلوم نہ تھی اور یہی علم غیب ہے جو اللہ تعالٰے نے آپ سے مخفی رکھ کر فرشتوں کے ذریعے اطلاع دے دی۔ باقی سب کچھ آپ نے محسوس کر لیا تھا۔ اسی لئے فرشتوں نے آپ کی تسلی کے لئے عرض کی انا ارسلنا الی قوم لوط کہ ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یہ جملہ ہی آپ کے مافی الضمیر کی اطلاع دیتا ہے ورنہ وہ کہتے کہ ہم تو فرشتے ہیں۔ لہٰذا خان صاحب کی بات نہیں بنتی" اھ (ص۲۴، ص۲۵، ص۲۶)۔

اس مضمون میں صوفی صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ اول امر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرشتوں کو نہیں پہچان سکے۔ پورے التفات کے بعد اور خاص طور پر جب فرشتوں نے کھانا نہ کھایا تو پھر ان کو پہچانا۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کے نازل ہونے کی اصل وجہ معلوم نہ تھی اور یہی علم غیب ہے۔ الخ۔ یہی کچھ تو ہم کہنا چاہتے ہیں جو انھوں نے انکار کر کے اور تعلی اور عناد کا ثبوت دے کر اور چکر کاٹ کر تسلیم کیا ہے۔ یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے بعد بھی ان کا یہ کہنا "لہٰذا خان صاحب کی بات نہیں بنتی" خالص جاہلانہ بات ہے۔ ان کے آخری ایک مہمل جملہ کی سمجھ نہیں آسکی، وہ یہ ہے: "یہ جملہ ہی آپ کے مافی الضمیر کی اطلاع دیتا ہے ورنہ وہ کہتے کہ ہم تو فرشتے ہیں" انا ارسلنا الی قوم لوط کا جملہ تو فرشتوں نے بولا تھا۔ اس جملہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مافی الضمیر کی اطلاع کیسے دی؟ اور پھر ورنہ کا اس سے کیا ربط اور تعلق ہے اور فرشتے انا ارسلنا فرما کر اپنے فرشتے ہونے کا ثبوت تو دے رہے تھے، مزید وہ کیا فرماتے؟ الغرض یہ مہمل اور بے ربط جملے صوفی صاحب ہی کو زیب دیتے ہیں جس کا سبق انھوں نے اپنے باکمال استاد سے حاصل کیا ہے جس کے سہارے وہ جی رہے ہیں۔

۵ دوست کی چشمِ عنایت ہو تو فرطِ شوق میں
عمر کٹ جاتی ہے سنگِ آستاں کو چومتے

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ

تبرید النواظر میں قرآنِ کریم سے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس فرشتے آئے اور وہ ان کو نہ پہچان سکے اور قوم جو لواطت کی دلدادہ تھی، ان کو خوبصورت اور حسین لڑکے دیکھ کر اور سمجھ کر ہر طرف سے ٹوٹ پڑی اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت پریشان ہوئے۔ قوم کو سمجھایا اور قوم کی لڑکیوں سے نکاح کرنے کی تلقین فرمائی، جب قوم نہ مانی تو اپنی کمزوری کا اظہار فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ نہ تو حاضر و ناظر تھے اور نہ ان کو علمِ غیب حاصل تھا۔ ورنہ یہی فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو وہاں دیکھا ہوتا اور ان کو یہ علم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں۔ (محصلہ)

اس کا جواب دیتے اور اس کو رد کرتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں :۔ "حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کے آنے کا قرآن مجید میں دو مقام پہ ذکر ہے (صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس فرشتوں کے آنے کا ذکر قرآن مجید میں دو سے زائد مقامات میں ہے۔ سورۂ ہود اور سورۂ حجر کے علاوہ سورۂ عنکبوت وغیرہا میں بھی ہے) اول سورۂ ہود جو کہ خانصاحب نے نقل کیا ہے، مقام دوم سورۂ حجر میں۔ سورۂ حجر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ہم نے ان کے ترجمہ پر اکتفاء کی ہے) پھر جب بھیجے ہوئے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے خاندان کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم تو نادیدہ لوگ ہو؟ (حاضر و ناظر کے لئے نادیدہ کا کیا معنیٰ؟ صفدر) انھوں نے کہا۔ بلکہ ہم تو وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس میں تمھاری قوم کے لوگ شک کرتے ہیں"

ہم خان صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم منکرون کہہ کر کس بات کی ترجمانی کی تھی جس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ ہم تو عذاب لے کر آئے

ہیں۔ پھر آگے (مدارک ج۲ ص۲۱۳) کی عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ ان کی زبانی یہ ہے۔ "جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے خاندان کے پاس آئے۔ آپ نے کہا کہ تم تو نادیدہ لوگ ہو (تفسیر مدارک میں ای لا اعرفکم الخ کا جملہ صوفی صاحب نے نقل کیا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ میں تمھیں نہیں جانتا۔ مگر اس کا ترجمہ صوفی صاحب شربتِ صندل سمجھ کر پی گئے ہیں۔ صفدر) یعنی نہ تم مسافر ہو اور نہ ہی اہلِ قریہ ہو تو میں ڈرتا ہوں کہ تم مجھے کسی مصیبت میں نہ ڈال دو۔ الخ۔ آخر میں لکھتے ہیں۔ " اب خالصاحب ہمیں بتائیں کہ جب اول ملاقات میں ہی فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی تسلی اور تشفی کر دی تھی تو بعد کے واقعہ سے لاعلمی پر دلیل پکڑنا کہاں کی دیانت داری ہے"؟ (ص۲۷ ص۲۸)

الجواب:۔ صوفی صاحب خود بیچارے لاعلمی کا شکار ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآنِ کریم محض قصوں کی کتاب نہیں ہے کہ جب اور جہاں کوئی قصہ بیان کیا جائے تو پورا اور بالترتیب بیان کیا جائے بلکہ یہ عبرت اور نصیحت و موعظت کی کتاب ہے۔ کہیں کسی واقعہ کا کوئی حصہ ذکر کر دیا گیا ہے اور کہیں کوئی۔ کہیں اجمال ہے کہیں تفصیل۔ کہیں واقعے کے پہلے حصہ کو بعد میں اور آخری حصہ کو پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ اور کہیں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا جو واقعہ سورۂ الحجر میں بیان ہوا ہے وہ مقدم و مؤخر اور مجمل ہے اور سورۂ ہود میں مرتب اور مفصل ہے۔ صوفی صاحب ہم سے سوال نہ کریں بلکہ ہمیں اس سوال کا جواب دیں کہ بقول آپ کے سورۂ الحجر میں پہلی ہی دفعہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام فرشتوں کو بعنوان ملائکہ پہچان گئے تھے تو اس کے بعد اس مضمون کا کیا مطلب ہے؟ " اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے۔ لوط ؑ نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو اور میری آبرو مت کھوؤ۔ بولے کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہان کی حمایت سے۔ بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔" اھ (پ ۱۴ الحجر۔ ۴)

سوال یہ ہے کہ جب فرشتوں کی پہلی ہی آمد پر حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو

پہچان گئے تھے تو پھر قوم سے جھگڑنے کا کیا معنیٰ ہے؟ کہ یہ میرے مہمان ہیں مجھے ان کے بارے میں رُسوا نہ کرو۔ اور پھر قوم کے سامنے بیٹیوں کے نکاح کی پیشکش کا کیا مقصد ہے؟ اور جب حضرت لُوط علیہ الصّلوٰۃ وَالسّلام فرشتوں کو جانتے ہیں تو اُن کو نادیدہ کہہ کر اُن سے خطاب کا کیا معنیٰ؟ اور پھر تفسیر مدارک سے لا اعرفکم کہ میں تمھیں نہیں جانتا، نقل کرنے کا مطلب؟ ان تمام اُمور کا جواب آپ کے ذمّہ ہے۔ ہمارا جواب اتنا ہی کافی ہے کہ اس واقعے میں اجمال اور تقدیم و تاخیر ہے اور سورۂ ہُود میں واقعہ مفصّل اور مرتّب ہے۔ چنانچہ حافظ عماد الدین اسمٰعیل بن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

وھذا انما قاله لھم قبل ان یعلم انھم رسل اللہ کما فی سورة ھود واما ھھنا فتقدم ذکر انھم رسل اللہ وعطف بذکر مجئ قومه ومحاجته لھم ولکن الواو لا تقتضی الترتیب ولا سیما اذا دل دلیل علی خلافه۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۵۵۵)

حضرت لُوط علیہ السّلام کا قوم سے یہ کہنا کہ یہ میرے مہمان ہیں سو تم مجھے رُسوا نہ کرو۔ الخ) ان کے اس جاننے سے پہلے کا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جیساکہ سُورۂ ہُود میں آتا ہے اور بہرحال یہاں تو اس کا ذکر پہلے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور اس پر قوم کے آنے کا اور ان سے جھگڑنے کا ذکر واوٗ عطف کے ساتھ بعد کو ذکر کیا ہے لیکن حرف واوٗ ترتیب کو نہیں چاہتا، خصوصًا جبکہ کوئی دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرے۔

موصُوفؒ بھی یہی کہنا چاہتے ہیں کہ اس واقعہ سے جو بظاہر متبادر ہوتا ہے کہ حضرت لُوط علیہ الصّلوٰۃ وَالسّلام پہلے ہی مرحلہ میں فرشتوں کو پہچان گئے تھے، ایسا نہیں ہے اور نہ حرف وَاوٗ جو عطف کے لئے آتا ہے، ترتیب کو چاہتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ علم و دانش سے متعلق ہے اور اہلِ بدعت اس سے محرُوم ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اُن کی مقبُول اور پیاری تفسیر صاوی شریف کا حوالہ بھی عرض

کردیں تاکہ بات بالکل آشکارا ہو جائے چنانچہ صاوی میں اسی مقام پر لکھا ہے :-

الواو لا تقتضی ترتیباً ولا تعقیباً فان هذا المجئ قبل اعلام الملائکة بانهم رسل الله فالقصة هنا علیٰ خلاف الترتیب الواقعی بخلافها فی سورة هود (صاوی علیٰ هامش جلالین صـ۲۱۴)

کہ حرف واؤ ترتیب اور تعقیب کو نہیں چاہتا کیونکہ قوم کا حضرت لُوط علیہ السّلام کے پاس آنا فرشتوں کے یہ بتانے سے پہلے کا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ پس یہ قصّہ یہاں واقعی ترتیب کے خلاف ہے بخلاف اس قصّہ کے جو سُورۂ ہُود میں ہے (کیونکہ وہاں بالترتیب ہے)۔

حضرت یعقوبؑ علیہ السّلام کا واقعہ

تبرید النواظر میں حضرت یعقوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا واقعہ بھی باحوالہ نقل کیا گیا ہے۔ جس سے اُن کے حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کی نفی ثابت ہے۔ اصل واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے اور مذکورہ کتاب میں اس کو دیکھ لیا جائے۔ صوفی صاحب نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا اور لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے :-

نمبر ا۔ حضرت یعقوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اپنے بیٹوں کی اس سازش کا جو انہوں نے حضرت یُوسف علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کنوئیں میں ڈالنے کی کی، پہلے ہی علم تھا۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹے! اپنا خواب بھائیوں سے نہ کہنا۔ وہ تیرے خلاف تدبیر کریں گے (ملخصًا صـ۲۹)

الجواب :- حضرت یعقوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نبی، معمّر اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے اپنے بیٹوں کے ابتدائی حالات کو دیکھتے ہوئے پدری شفقت کے تحت یہ فرمایا کہ بھائیوں سے یہ خواب نہ بیان کرنا فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا کہ یہ تیرے خلاف کوئی تدبیر کریں گے۔ یہاں کَیْدًا نکرہ ہے اور معین اور مشخص طور پر کنوئیں میں ڈالنے کی بیٹوں نے جو سازش کی تھی، وہ آپ کے علم میں نہ تھی اور اسی لئے فرمایا : بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا کہ تمھارے نفوس نے کوئی شرارت کی ہے (مگر علی التعیین معلوم نہیں کہ کیا ہے؟)

فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ سو صبر ہی اچھا ہے۔ الغرض ظن اور تخمینہ سے جس بُری تدبیر کا خطرہ تھا وہ مبہم تھی اور جس سازش کا قطعی علم نہ تھا وہ متعین تھی۔

نمبر۲۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صبر و رضا کے اعلیٰ ترین مقام پر ہوتے ہیں اور فصبر جمیل فرما کر صبر سے کام لیا اور کنوئیں سے اُن کو نہ نکالا۔ جیسا کہ حضرت حسین رضؓ کے بارے میں کثرت سے شہادت کی خبریں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیں لیکن نہ بے صبری کی اور نہ امام حسین رضؓ کو کربلا جانے سے منع کیا۔ ایسا ہی حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا (محصلہ[۲۹])

الجواب :۔ بے شک حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صبر و رضا کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں لیکن بشری تقاضا کے تحت ان میں خویش و اقارب اور اولاد سے محبت بھی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور پریشانی لاحق ہوئی۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فراموش نہیں کیا بلکہ اُن کے فراق اور غم میں رو رو کر اُن کی آنکھیں بھی متاثر ہوئیں اور اُن کی یاد اور تذکرہ کی وجہ سے اُن کے اہل خانہ کو بھی یہ کہنا پڑا کہ آپ ہر وقت یوسف ؑ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور خواب کی تعبیر کے پیش نظر کلیۃً مایوس بھی نہ تھے اور اسی لئے فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو لے آئے گا۔ اور نیز آخر میں فرماتے ہیں کہ اے بیٹو جاؤ اور یوسف کو اور اُس کے بھائی کو تلاش کرو اور اسی خواب کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتے تھے اور فرماتے ہیں اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ٥ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یہ تمام اُمور اپنے مقام پر درست اور صحیح ہیں لیکن ان سے علی التعیین قطعیت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا کنوئیں میں ہونا، پھر غلام بنا کر فروخت کر دینا، پھر مصر میں بکنا، پھر قید ہونا پھر وزیر بننا وغیرہ وغیرہ بے شمار اُمور ایسے ہیں جو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں نہیں تھے۔ اگر واقعی حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے سبب حال سے کلی طور پر آگاہی ہوتی تو جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی تدبیر کے موافق اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا تھا اور بھائیوں نے جب یہ سارا واقعہ باپ (والد محترم) سے جا کر بیان کیا تو انھوں نے فرمایا۔ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا۔ بلکہ بنالی ہے تمھارے جی نے ایک بات (تمھارے نفس نے تمھیں کچھ حیلہ بنا دیا۔ ترجمہ احمد رضا خان صاحب) حالانکہ اس واقعہ میں ان کے بیٹوں کا کوئی قصور اور جرم نہ تھا اور نہ انھوں نے کوئی بہانہ بنایا تھا مگر وہ برابر ان کو مجرم گردانتے تھے۔ بتایئے جانتے ہوئے ایسا کیوں ہوا؟ باقی حضرت امام حسین رض کی شہادت کا واقعہ اگر بکثرت اور صحیح خبروں سے ثابت ہے تو اس سے یہی ثابت ہوگا کہ قبل از وقت منجانب اللہ تعالیٰ قضاءِ مبرم کی جو ایک خبر دی گئی وہ صحیح نکلی مگر اس واقعہ پر قیاس کر کے نصوص قطعیہ کی بلا جواز اور بلا وجہ تاویل بلکہ تحریف کرنا، جس کے درپے صوفی صاحب ہیں، کون سی دینی خدمت ہے یا یہ کون سی دیانت ہے؟

نمبر۳۔ تبرید النواظر میں لکھا تھا کہ پیغمبر کے مومن بیٹوں کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ ہمارے باپ جو خدا تعالیٰ کے نبی ہیں، وہ حاضر و ناظر ہیں۔ اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا تو اس قسم کی سازش وہ ہرگز نہ کرتے۔ صوفی صاحب اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔

"خانصاحب آپ کے اس استدلال سے تو یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے مومن بلکہ ولی یا انبیاء بیٹوں کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ خدا حاضر و ناظر ہے، ورنہ یہ سازش نہ کرتے۔ پھر آگے امداد ثلاثہ صـ۳۳۹ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ مجمع سے الگ ہو کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور عاشق صادق کی طرح ایک نے دوسرے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر تسکینِ قلب حاصل کی (ملخصا) کیوں خان صاحب جی! تمھارے طائفہ کے نزدیک خدا حاضر و ناظر ہے یا نہیں؟ ہرگز نہیں" الخ صـ۳۰۔

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ صوفی صاحب کو سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ خالق کا مخلوق پر قیاس کرنا یا بالعکس بڑی نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونا مفروغ عنہ بات ہے اور وہ مخلوق کی نظر سے اوجھل ہے بخلاف مخلوق کے کہ وہ نظر کے سامنے ہوتی ہے جیسے

اس واقعہ میں جب حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بیٹوں کے سامنے تھے تو بیٹوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قتل اور کنوئیں میں ڈالنے کے مشورہ اور سازش کی جرأت اور ہمت نہیں ہوئی اور جب سامنے نہ تھے تو اسی وقت انھوں نے یہ سازش کی اور پھر والدِ محترم کی غیر حاضری ہی میں اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ لہٰذا مخلوق کو خالق پر اور محسوس کو غیر محسوس ذات پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہونے کے علاوہ بے دینی بھی ہے۔ باقی ازواج ثلاثہ کے واقعہ کو جس بدنما شکل میں صوفی صاحب اور ان کی جماعت مختلف کتابوں اور رسالوں میں عاشق و معشوق کے الفاظ سے بیان کرکے دلِ ماؤف کی بھڑاس نکالتی ہے تو یہ صرف اُن کے خبثِ باطن کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ واقعہ دونوں بوڑھوں اور معمر بزرگوں کا بھرے مجمع میں متحابین کو ایک دوسرے کے ساتھ محض الحب فی اللہ کے تحت محبت تھی اور ایک دوسرے سے ظرافت و خوش طبعی فرماکر ایک دوسرے سے انتہائی عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور مجمع میں چونکہ موافق و مخالف، طیب النفس اور خبیث النفس، ذہین و غبی، معاملہ فہم اور بے پر کی اڑانے والے، سبھی لوگ ہوتے ہیں، اس لئے مولانا نے کہا۔ میاں کیا کر رہے ہو، لوگ کیا کہیں گے؛ نہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو وہ بزرگ حاضر و ناظر نہ سمجھتے تھے۔ عوام کی کج فہمی سے بچنے کے لئے بخاری شریف (ج ۲ ص ۱۰۰۹) کی وہ طویل حدیث ملاحظہ کریں جس میں حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف نے حضرت عمر رضؓ کو بجائے منیٰ کے مدینہ طیبہ کے مخصوص حلقہ میں ایک خاص بیان دینے کی تلقین فرمائی تھی اور حضرت عمر رضؓ نے ایسا ہی کیا تھا۔ لہٰذا حضرت مولانا کا یہ کہنا بے جا نہیں تھا۔

نمبر ۲۔ تفسیر معالم التنزیل برحاشیۂ خازن ج ۳ ص ۲۲۴ کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضؓ اور متعدد حضرات تابعین رحمہم اللہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے جال میں پھنسانا چاہا تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت مثالی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی اور اپنا ہاتھ اُن کے سینے پر مارا۔ بس شہوت انگلیوں کے ذریعہ خارج ہوگئی۔ پھر اس کی تائید میں اپنی صاوی شریف کا حوالہ پیش کیا ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ اس

واقعہ سے یعقوب علیہ السلام کا علم بھی ثابت ہو جاتا ہے اور مسئلہ حاضر و ناظر بھی۔ (محصلہ ص۱۳۱)

الجواب :- یہ ہے صوفی صاحب کا مبلغ علم جو اُن کی نادانی کا رونا رو رہا ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ صورت مثالیہ عالم مثال کی ایک شئے ہے جو اصل کے مشابہ ہوتی ہے لیکن اس کی نقل و حرکت اور کہیں حاضر ہونے سے اصل کی نقل و حرکت اور حاضر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اصل کو علم تک بھی نہ ہو کہ ہماری مثالی صورت کیا کر رہی ہے۔ اس کو یوں سمجھیے کہ جیسے زندہ انسان کو کوئی خواب میں دیکھے اور اس سے گفتگو یا بحث و تکرار یا اظہار حب و بغض کرے۔ اگر اصل اور زندہ انسان سے پوچھا جائے تو وہ کہے گا کہ مجھے علم ہی نہیں کہ تم نے کس سے بات کی اور کس کس سے ملے۔ خواب میں بھی ایک مثالی شکل و صورت ہی سے ملاقات ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رح ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وہمچنیں ارباب حاجات از اعزۂ احیاء و اموات در مخاوف و مہالک مدد طلب مینمایند و می بینند کہ صور آں اعزہ حاضر شدہ و دفع بلیہ نمودہ است گاہ ہست کہ آں اعزہ را از دفع آں بلیہ اطلاع بود و گاہ نبود۔
(مکتوبات دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۵ ص ۲۵)

اسی طرح ارباب حاجات زندوں اور مُردوں کے عزیزوں میں سے خوف اور ہلاکت کی جگہوں میں مدد طلب کرتے ہیں اور وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی صورتیں حاضر ہو کر ان کی تکالیف کو رفع کرتی ہیں کبھی یوں ہوتا ہے کہ ان کو تکلیف کے رفع ہو جانے کی اطلاع ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

حضرت مجدد الف ثانی رح کی اس عبارت سے صراحۃً یہ معلوم ہوا کہ جن حضرات کی صور مثالیہ ہوتی ہیں ان کو بعض اوقات اطلاع تک نہیں ہوتی کہ ہماری صورت مثالیہ کیا خدمت انجام دے آئی ہے۔ لہٰذا ان صور مثالیہ اور لطائف غیبیہ کا مسئلہ حاضر و ناظر اور علم غیب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ :-

و اولیائے کہ صاحب علم و کشف اند جائز است کہ بر بعضے از خوارق خود اطلاع پیدا نہ

وہ حضرات اولیاء کرام رح جو صاحب علم و کشف ہیں، جائز ہے کہ ان کو اپنے بعض خوارق (کرامات)

کنند بلکہ صُور مثالیہ ایشاں را در امکنۂ متعددہ ظاہر سازند و در مسافات بعیدہ کارہائے عجیبہ و غریبہ از آں صُور بظہور آرند کہ صاحب آں صُور را از انہا اصلاً اطلاع نیست۔ (مکتوبات دفتر اوّل حصہ سوم مکتوب ۲۱۶ صہ ۱۲۱)

پر اطلاع نہ ہو بلکہ اُن کی مثالی صُورتیں متعدد جگہوں میں ظاہر ہو کر اور مسافت بعیدہ طے کر کے عجیب و غریب کام سرانجام دے دیں حتّیٰ کہ ان مثالی صورت والوں کو ان کاموں کی مُطلق بالکل کوئی اطلاع ہی نہ ہو۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم و مدلول کے اعتبار سے بالکل روشن اور واضح ہے۔ کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رح لکھتے ہیں کہ :-

دیدن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بعد از موت بمثال است چنانچہ در نوم مرئی شود در یقظہ نیز می نماید و آں شخص شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ۔ وحی است ہماں متمثل می گردد در یک آں متصور بصُور متعددہ عوام را در منام می نمایند و خواص را در یقظہ۔ (مدارج النبوۃ ج ... یہ عبارت انوار ساطعہ صہ ۱۸۴ اور براہین قاطعہ صہ ۲۰۲ میں بھی نقل کی گئی ہے)۔

آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا وفات کے بعد دیکھنا مثال ہی کے ساتھ ہے جس طرح یہ مثالی صورت نیند میں دیکھی جاسکتی ہے اسی طرح بیداری میں بھی دیکھی جاسکتی ہے اور جو ذات مقدسہ مدینہ طیبہ میں قبر مبارک کے اندر آرام فرما اور زندہ ہے وہی ذات مثالی صورت میں ایک آن میں متعدد صورتوں میں متمثل ہو کر عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں دکھائی دی جاسکتی ہیں۔

براہین قاطعہ صہ ۲۰۵ میں مدارج النبوۃ اور اسی مضمون کی دیگر عبارات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ پس دیکھو حقیقت انکشاف کی یہ ہے کہ ارباب قلوب صافی کے مخیلہ میں تمثیل ہوتا ہے اور خود آپ بجائے خود ہیں اور تشریف آوری اور حضور کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ ان وقائع سے مؤلف تشریف آوری ثابت کرتا ہے اور ناواقفیت حقیقت کشف سے ہے۔ اھ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح لکھتے ہیں کہ :-

والثالث ان یحول اللہ تعالیٰ بینہم

کہ تیسری (چیز) جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

وبين المعاصي باحداث لطيفة غيبية كظهور صورة يعقوب عليه الصلوٰة والسلام عاضًا على اصبعه في قصة يوسف عليه السلام (تفهيمات الٰهيه ج ۱ ص ۱۴۷)

کو معاصی سے روکتی ہے) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں اور ان کی لغزشوں میں لطیفہ غیبیہ (یعنی مثالی صورت) پیدا کرکے رکاوٹ پیدا کرے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت اپنی انگلی کو کاٹتی ہوئی حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ظاہر ہوئی تھی۔

الغرض صورِ مثالیہ ہوں یا لطائف غیبیہ ہوں، ان کا متنازعہ فیہا مسئلہ حاضر و ناظر سے کوئی ربط نہیں ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح (المتوفی ۱۳۴۶ھ) نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے کہ اس بات کو خوب یاد کر لینا ضروری ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب (یعنی برزخ۔ صفدر) میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمالِ اُمت آپ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت حق تعالیٰ چاہے، دُنیا کے احوال کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں۔ مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالسِ ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صوت و ندا اور عرض و حالات دُنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں، بدون اعلام حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ کہ سب اشیاء کا علم حق تعالیٰ نے ان کو دیا ہے، اس کو بھی قبول نہیں کرتے بلکہ جس قدر دیا جاتا ہے اس قدر جانتے ہیں اور بس۔ اھ (البراہین القاطعہ ص ۱۹۹ طبع ۲)

وثانیًا اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اس موقع پر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچ گئے تھے تو ایک جگہ میں حاضر ہونے یا ایک واقعہ کے جاننے سے مسئلہ علم غیب اور حاضر و ناظر کیسے ثابت ہو گیا؟ خدا تعالیٰ کے بندو! اپنے دعویٰ اور دلیل کی مطابقت بھی سمجھا کرو۔

نمبر ۵۔ اور خان صاحب کو کچھ بھی شعور ہو تو سوچیں کہ اگر یعقوب علیہ السلام کا صبر کے ساتھ گھر بیٹھے رہنا عدمِ علم کی دلیل ہے تو کیا یوسف علیہ السلام کو بھی اپنے والد کا پتہ نہ تھا

اور ان کی محبت کا احساس نہ تھا۔ وہی آپ اطلاع بھیج دیتے۔ مگر بات وُہی ہے کہ طرفین ہی حکمِ الٰہی کے پابند تھے۔ (ص ۱۳۱)۔

الجواب :- صوفی صاحب ہوش میں آکر بات کریں۔ بات بیٹے اور باپ کے پتہ کی نہیں ہو رہی اور نہ اس میں نزاع ہے کہ حضرت یُوسف علیہ السلام کو باپ کا پتہ تھا یا نہیں؟ نفی اُس علم کی ہو رہی ہے جو علمِ غیب کہلاتا ہے اور حاضر و ناظر کی نفی کی بات ہو رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ تو معلوم تھا کہ میرے والد ہیں اور فلاں جگہ ہیں لیکن اُن کے اور دیگر اہلِ خانہ کے اور اہلِ قریہ کے تفصیلی حالات کا علم اور اُن کے پاس حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت کِس قطعی اور صریح دلیل سے ثابت ہے؟ باقی ان کے اپنے والدِ محترم کو خبر نہ دینے کی بے شمار حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ ہم کیا اور ان حکمتوں کا احصاء کیا؟ مشہور ہے کہ کیا پِدّی اور کیا پِدّی کا شوربا۔ مگر ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت یُوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کی زیادتیوں کا بارہا تجربہ کر چکے تھے۔ اگر پھر وہاں جاتے تو پھر اُن ہی بھائیوں کے ہاتھ لگتے اور نظر بظاہر وُہ پہلے سے بھی زیادہ اُن کے کِسی مصیبت میں مُبتلا ہونے کا ذریعہ بنتے۔ اِسلئے قبل از وقت اطلاع نہ بھیجی کہ نہ وہاں خبر پہنچے اور نہ اُن سے دُکھ اور رنج پہنچے اور حضرت یُوسف علیہ السلام کے دوبارہ مبتلائے مصیبت ہونے سے اُن کے والدِ ماجد حضرت یعقوب علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو مزید در مزید رنج ہو۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

تبریدالنواظر میں قرآنِ کریم اور صحیح حدیث کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علمِ غیب اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی کا ذکر تھا۔ اس کے بارے میں صوفی صاحب لکھتے ہیں :-

"سیدنا مُوسیٰ علیہ السلام اور حضرت خِضر علیہ السلام کی مُلاقات کے واقعہ سے صِرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ بعض علم، جو کہ مُوسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا، وہ حضرت خِضر علیہ السلام کو نہ تھا۔ جو خضر علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا وہ مُلاقات سے قبل مُوسیٰ علیہ السلام کو نہ تھا اور

ملاقات سے وہ بھی آپ پر ظاہر ہو گیا۔ (سب ظاہر نہیں ہُوا بلکہ صرف وُہی تین واقعے ظاہر ہوئے جو قرآن کریم اور حدیث شریف میں آتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وددنا انّ موسٰی صبر حتّٰی یقصّ علینا من امرھما (بخاری ج ۲ ص ۶۹۱) ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ بلا شبہ اگر حضرت مُوسیٰ علیہ السلام صبر سے کام لیتے تو ہم پر اُن کے اور حضرت خضر علیہ السلام کے اور قصے بھی بیان کئے جاتے اور حالات منکشف ہوتے۔ صفدر) اور ملاقات صرف موسیٰ علیہ السلام کو یہ جتلانے کے لئے تھی کہ فوق کل ذی علم علیم (جب نبی سب علمِ ماکان و مایکون سے متصف ہوتے ہیں تو ایک دوسرے پر مزیت کا کیا معنیٰ ؟ صفدر) اس واقعہ سے ہمارے عقیدہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ ہمارا یہ ہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وہ اُمورِ غیبیہ، جن کا علم اُن کے لئے ضروری ہوتا ہے، اُن کا علم عطا فرماتا ہے اور کسی کے لئے غیر ضروری معلومات مہیا کرنا حکیم و علیم کی شان نہیں (شاباش یہی ہم کہنا چاہتے ہیں، اپنی بات پر قائم رہنا۔ صفدر) لیکن ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ طائفہ وہابیہ نجدیہ ترازو لے کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علم تولنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں" الخ (ص ۳۲، ص ۳۳)

الجواب :- ہمارا بھی اس پر صاد ہے اور گزارش صرف اتنی ہے کہ اہلِ حق جب قرآن و حدیث میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نفی کی دلیلیں پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے بغیر ہیر پھیر کرنے اور تحریف کرنے کے ان پر ایمان لانے اور انھیں تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور بقول آپ کے یہ ماننا اُن کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ کسی کے لئے غیر ضروری معلومات مہیا کرنا حکیم اور علیم کی شان نہیں اور اس کے خلاف میں معاذ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی بھی توہین لازم آتی ہے اور مخلوق کے لئے خالق کی صفت بھی ماننا پڑتی ہے اور نصوص قطعیہ و صریحہ کا انکار بھی لازم آتا ہے۔ باقی جس ترازو سے آپ نے حضرت مُوسیٰ اور حضرت خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کا علم تولا ہے اہلِ حق کے پاس بھی وُہی ترازو ہے۔ رُوس و امریکہ یا چین و جاپان سے فراہم نہیں کیا گیا۔ سچ ہے ؎

صداقت لا نہیں سکتی ہے تم بِمصلحت کوشی
جو کچھ کہنا ہو بے باکانہ کہیئے برملا کہیئے

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ

تبریدالنواظر میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بھی قرآنِ کریم سے نقل کیا گیا تھا کہ مُلک سبا کی خبر ہُدہُد کو ہوگئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ ہو سکی (مفصلہ اصل واقعہ کتاب میں دیکھ لیں) اِس پر صوفی صاحب بڑے سیخ پا ہوئے ہیں اور مست ملنگوں کی طرح عجیب وغریب باتیں ان سے سرزد ہوئی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

نمبر ا۔ خان صاحب نے قرآن مجید کی تفہیم میں جو عوام کو دھوکا دیا ہے اس معاملہ میں تو خانصاحب کی خبر ہم خود (دیل سے نہیں بلکہ بے مقصد دھماکہ سے۔ صفدر) لے لیں گے لیکن اتنا تو خانصاحب ہی سے پُوچھنا ہے کہ خان جی آپ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِؐ کلمہ پڑھتے ہیں یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ھُدھُد رَسُوْلُ اللّٰہِ کا کلمہ پڑھتے ہیں جو کہ ہُدہُد کو اپنا پیشوا تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ ہُدہُد کے قول کی بنیاد تو کوتاہ فہمی پر تھی نہ کہ طنز پر۔ وگرنہ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم میں طعن کرنا تو صریح منافقت ہے جسے آجکل عرفِ عام میں وہابیت کہتے ہیں۔ کیا آپ ثابت کریں گے کہ کسی ایمان دار نے بھی انبیاء علیہم السلام کے قول، فعل، علم میں طعن کیا ہو۔ ہرگز نہیں۔ انتہیٰ بلفظہٖ (ص۳۴)

الجواب :۔ صوفی صاحب طیش میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات سکون و آرام سے اور باہوش ہو کر کریں۔ کلمہ تو ہمارا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہی ہے اور ھُدھُد رسول اللہ نہیں ہے لیکن ہُدہُد کے قول کو ہم اس لئے نقل کرتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس محکم کتاب میں ہے جو محمد رسول اللہ پر نازل ہوئی ہے اور ہُدہُد کے اس قول کی اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ نے تائید فرمائی ہے، تردید نہیں فرمائی۔ اُمید ہے کہ بات آپ میں آگئی ہوگی اور اگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے بعض اُمور سے لاعلم

نسبت طعن ہے تو آپ خود بھی اس صریح منافقت میں برابر کے شریک ہیں۔ ابھی گزر چکا ہے کہ جو بعض علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھا وہ حضرت خضر علیہ السلام کو نہ تھا اور نیز غیر ضروری معلومات مہیا کرنا حکیم وعلیم کی شان بھی نہیں۔ کیا بقول آپ کے یہ طعن کی مد میں شامل نہیں ہے؟ اور کچھ مزید حوالے آپ کے آرہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور حضرات سلف صالحینؒ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کرتے رہے ہیں اور خصوصاً حضرات فقہاء احناف رحؒ، تو کیا وہ آپ کے نزدیک صریح منافقت کا شکار رہیں؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ:۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک حبشی بندہ کو نبی بنا کر بھیجا تھا اور وہ ان نبیوں میں سے ہیں جن کا قصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں بتایا گیا (کنز العمال صفحہ ۲۲۲ و درمنثور ج ۷ صفحہ ۲۲۴) فرمائیے حضرت علی رضؓ کس گروہ میں شامل ہیں؟ ذرا سوچ اور سمجھ کر بتانا ؎

ٹوٹ جائے نہ تیغ اے قاتل
سخت جاں ہوں ذرا سمجھ کر کھینچ

نمبر ۲۔ پھر مقلد اور غیر مقلد وہابیوں ...... کے امام و پیشوا علامہ بغویؒ کی معالم التنزیل بر حاشیہ خازن ج ۷ صفحہ ۳۸ کے حوالہ سے سدی سے روایت نقل کی ہے کہ منافقوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں طعن کیا اور استہزاء کی تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا، کیا حال ہے ان قوموں کا جو میرے علم میں طعن کرتے ہیں۔ نہیں پوچھو گے تم کوئی چیز اب سے قیامت تک ہونے والی مگر میں تمہیں اس کی خبر دوں گا (محصلہ صفحہ ۳۴)

الجواب: صوفی صاحب نے اپنے بڑوں کی پیروی کرتے ہوئے روایت تو خوب پیش کی ہے مگر ان کو سود مند نہیں کیونکہ سدی فن روایت میں ہیچ ہے۔ امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ ان کی روایت میں ضعف ہوتا ہے۔ امام جوزجانی رحؒ فرماتے ہیں "ہو کذاب شتام" کہ وہ بہت بڑا جھوٹا اور تبرائی تھا۔ امام ابو زرعہ رحؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ امام ابو حاتمؒ

فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی تو جاسکتی ہے مگر اس سے احتجاج درست نہیں عقیلیؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ ساجی رح کا بیان ہے صدوق فیہ نظر۔ امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی روایت سے احتجاج درست نہیں (تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۳۶۴) اس روایت کی مزید بحث ازالۃ الریب میں دیکھئے۔ ان بے جان اور ضعیف روایتوں سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ ان سے عقیدہ ثابت ہو اور وہ بھی نصوصِ قرآنیہ قطعیہ اور احادیث صحیحہ وصریحہ کے خلاف۔

نمبر ۳۔ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ۔ (یعنی حضرت سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو انھوں نے کہا مجھے کیا ہوچکا ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا یا ہے وہ غیر حاضر) کا معنیٰ بگاڑتے ہوئے اور اس میں تحریف کرتے ہوئے اور اپنی پسند کے اختراعی معنی پر فٹ کرتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں ——"خان صاحب ما اور ام کی حقیقت سے ہی ناواقف ہیں ورنہ دھوکہ نہ کھاتے اور اگر واقف ہیں تو دانستہ طور پر عوام کو دھوکہ دیا ہے مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ میں ما استفہامیہ ہے اور استفہام کی قسموں میں سے ایک قسم استفہام اختباری بھی ہے (استفہام خود استخبار اور اختبار کے لئے ہوتا ہے پھر یہ تقسیم الشئ الی نفسہٖ کیسے صحیح ہے؟ صفدر) اور ام کان من الغائبین میں ام شک کے مترادف نہیں بلکہ بل کے مفہوم میں ہے۔ اور ام منقطعہ ہے یعنی اپنے سے ماقبل اور مابعد میں تعلق کو منقطع کرتا ہے تو معنی مالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین کا یہ ہوا کہ آپ نے فرمایا کہ ہُدہُد کو میرے نہ دیکھنے کی کوئی دوسری وجہ ہے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ صفدر) اور خود ہی فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ غائب ہی ہے۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں اکثر موجود ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے پارے کے آخر میں فرمایا ہے: ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ اس آیت مبارک (صوفی صاحب کو صفت اور موصوف کی مطابقت کا بھی علم نہیں۔ صفدر) میں بھی ہمزہ (ء) استفہام اختباری کا ہے اور ام بل کے

معنوں میں ہے اور اضراب انتقالی ہے۔ معنی آیت کا یہ ہے کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو نہیں بلکہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے الخ بلفظہٖ (تنویر الخواطر ص۳۵، ص۳۶)۔

الجواب : صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حرف استفہام اصل میں صرف دو۲ ہیں ایک ہمزہ اور دُوسرا ھل۔ لیکن ھل استفہام میں ضعیف ہے۔ اور ہمزہ باب استفہام میں اصل اور قوی ہے اور حرف ما بھی استفہام کے معنی میں مستعمل ہے مگر اس کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ قوی کو چھوڑ کر ضعیف کے معنی میں ہو اس لئے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ ما بمعنی أ (ہمزہ) کے ہے اور خود انھوں نے ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہِ کی مثال دے کر ما کو بمعنی ہمزہ کے تسلیم کیا ہے۔ اور نحوی قاعدہ یہ ہے کہ ہمزہ استفہام کا معادل اَمْ متصلہ ہے جو دو۲ امُور میں سے ایک کی تعیین کی طلب کے لئے آتا ہے اور ام منقطعہ بل کا معادل ہوتا ہے جو بل کی طرح اضراب عن السوال الاول کے لئے آتا ہے (دیکھئے شرح الجامی ص۳۷۷ ومتن متین ص۲۷ وغیرہ) آپ کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ آپ قرآن کریم کے معانی میں تحریف کے درپے ہیں اور علم نحو کے ضوابط سے بھی انحراف کر رہے ہیں اور خواہ مخواہ ام کو منقطعہ بنا کر اور بل کے معنی میں لے کر اور استفہام کی اختیاری قسم اختراع کر کے معنیٰ بگاڑ رہے ہیں؟ اور ایسا آپ کو کرنے کون دیتا ہے؟ اور نحوی قاعدہ کے مطابق ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہُ میں ہمزہ استفہام کا صراحت سے مذکور ہے جو اَمْ متصلہ کا معادل ہوتا ہے اس کو بل کے معنیٰ میں لے کر مطلب لینا نفس کی پیروی بھی ہے اور علم نحو سے بغاوت بھی ہے۔ علامہ ابوالبقاء رحمہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

وام ھٰھنا متصلہ ای ایکما علم وھو استفھام بمعنی الانکار (ھامش جلالین ص۲۰)	ام یہاں متصلہ ہے یعنی کون سا تم میں سے زیادہ جانتا ہے اور یہ استفہام انکار کے معنی میں ہے۔

صوفی صاحب مَا اور اَمْ کی حقیقت سے ناواقفی کا طعنہ ہمیں دے رہے ہیں اور خیر سے خود جہل مرکب کا شکار ہیں۔

نمبر ۴۔ صوفی صاحب نے قطعی حکم سے راہِ فرار کے لئے بڑے پینترے بدلے ہیں مثلاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہُدہُد کے غائب ہونے میں شک نہیں بلکہ یقینی علم تھا (کس دلیل سے ؟ مگر یہ نہ پوچھیئے۔ صفدر) اور یہ کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے نزدیک ہُدہُد کا جرم ہی متحقق نہ تھا تو سزا سُنانا کیسا ؟ (سزا کا حکم سُنانا تحقیق غیوبت کے بعد تھا۔ تفسیر جلالین ص ۳۱۸ میں ہے فلما تحققها قال لاُعَذِّبَنَّهٗ الخ صفدر) اور یہ کہ اگر ہُدہُد کی غیوبت متحقق نہ تھی تو آپ نے یہ کیسے فرما دیا او لیأتینی بسلطٰن مبین (اس کا جواب ابھی گزر چکا ہے۔ صفدر) اور آگے لکھتے ہیں۔ لہٰذا خاں صاحب کی خوں خوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ (ص ۳۶)۔

معلوم نہیں کہ صوفی صاحب کے نزدیک یہ خوں خوں کس بُلبُل یا قمری وغیرہ کا نام ہے اور اس ساری مُہمل اور بے جان عبارت سے اُن کا مُدعا کیسے ثابت ہو گیا ؟

نمبر ۵۔ تبرید النواظر میں لکھا تھا کہ اگر واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہوتا تو وہ ہرگز یہ نہ فرماتے : قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ابھی ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے ؟ اس کے جواب میں صوفی صاحب یہ گوہر افشانی کرتے ہیں کہ " خانصاحب ذرا یہ فرمائیں کہ مشاہدہ فی الخارج کیا علم کے منافی ہے۔ ہرگز نہیں وگرنہ تو اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات کا کیا جواب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ہم اکثر حصہ کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں) عنقریب تمہارا رَب تمہارے دشمنوں کو ہلاک کریگا اور تم کو زمین میں خلافت دے گا فینظر کیف تعملون پھر دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ یعلم ما بین ایدیکم وما خلفکم کی شان نہیں رکھتا اور اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو واقعی علم نہ تھا تو سننظر نہ فرماتے بلکہ سنعلم فرماتے۔ کیا انبیاء علیہم السلام بھی تمہاری طرح حق پوشی سے کام لیا کرتے تھے ؟" الخ بلفظہٖ (ص ۳۶، ص ۳۷)۔

الجواب : صوفی صاحب نے اپنے لئے جو یہ چور دروازہ تلاش کیا ہے بحمد اللہ تعالیٰ اس سے بھی نکل کر وہ کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ اولاً اس لئے کہ واقعی مشاہدہ فی الخارج رعلم کے منافی

نہیں لیکن پہلے علم کا ثبوت قطعی دلیل سے ہونا چاہیئے اور پھر اس کا خارج بتانا اور تلاش کرنا چاہیئے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تفصیلی اور محیط ایک قطعی اُمر ہے اس لئے اس کے حق میں علم ظہور اور مشاہدہ فی الخارج علم کے منافی نہیں اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مخلوق چونکہ عالم الغیب نہیں اس لئے ان کے حق میں مشاہدہ فی الخارج ہی حصولِ علم کا ذریعہ ہوگا۔ خالق اور مخلوق کے علم کو ایک ہی سطح پر لا کھڑا کرنا خالص کفر اور الحاد ہے وثانیاً حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہُدہُد کے سچ اور جھوٹ کے پرکھنے کے لئے معیار وہ خط قرار دیا جو لکھ کر اس کے ذریعے ملکۂ سبا کی طرف روانہ کیا اور اس کے جواب کے منتظر رہے۔ اور چونکہ خط کو دیکھنا چونکہ آنکھ اور نظر سے تعلق رکھتا ہے اس لئے سننظر فرمایا اور سنعلم نہ فرمایا۔ الحمدللہ تعالیٰ کہ نہ تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کبھی حق پوشی کی اور نہ ہمارے جیسے سُنن پسند اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے شیدائی حق پوشی کرنے پر آمادہ ہیں اور نہ یہ بُری بات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مانتے ہیں۔ یہ حق پوشی اور تحریف آپ جیسے اہلِ بدعت کے حصّہ میں آئی ہے جس کو متاعِ عزیز سمجھ کر آپ لوگوں نے سنگینوں کی نوکوں سے سنبھال رکھا ہے۔ ؎

غلط نگر ہے تری چشمِ نیم باز اب تک
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک

لطیفہ صوفی صاحب اُس ضعیف اور کمزور پرندہ کی طرح جو مضبوط پنجرہ میں قابو آگیا ہو، بڑے پھڑپھڑائے ہیں۔ کہیں سے چونچ نکالی ہے اور کہیں سے دُم مگر نکل نہیں سکے اور آخر کھلے لفظوں یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ "لیکن باوجود اس کے پھر بھی ہم حضرت سلیمان علیہ السلام کو عالمِ کُل نہیں مانتے (یعنی بقول خود اُن کو توہین کے ترازو میں تولتے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ۔ صفدر) بلکہ ہمارا ایمان اس بات پر ضرور ہے کہ آپ کے منصب کے لائق اللہ تعالیٰ نے اُن کو علم ضرور عطا فرمایا تھا" (الخ صـ۴۷) یہی کچھ تو اہل السُنّت اور اہلِ حق

کہتے ہیں پھر آپ لوگوں کا ان سے چین بجبین ہونے کا کیا معنیٰ! اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ "باقی رہا ہُدہُد کا قول احطت بمالم تحط بہ یہ ظاہر کے اعتبار سے تھا کیونکہ ہُدہُد جانتا تھا (گویا بقول آپ کے ہُدہُد رسُول اللہ تھا معاذ اللہ تعالیٰ) کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے مُلک سبا تک سفر نہیں فرمایا اس لئے ملک سبا کی آپ کو اطلاع نہیں" الخ (ص۳۷)۔
صوفی صاحب اسی کا نام ہے ؏

مانئے جس کو نہ سمجھے لیجئے پہنچے وہاں

لیکن یہ عُقدہ حل نہیں ہوا کہ جب حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر تھے تو مُلک سبا تک سفر نہ کرنے اور اطلاع نہ ہونے کا کیا مطلب؟ کیونکہ سفر اور اطلاع کی تو اس شخص کو ضرورت پیش آیا کرتی ہے جو حاضر و ناظر نہ ہو۔ اہلِ حق کا یہی مسلک ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد جب کسی دُوسرے فرد کے لئے علم ثابت کرتا ہے یا اس سے نفی کرتا ہے تو اس سے علم حقیقی، مافی الصُدور اور مافی الضمیر کا اثبات یا نفی مُراد نہیں ہوتی بلکہ علم ظاہری ہی کا اثبات یا نفی مُراد ہوا کرتی ہے کیونکہ علم حقیقی کا تعلق صرف علیم بذات الصدور کے ساتھ ہے۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا فیصلہ

تبرید النواظر میں بخاری شریف اور مُسلم شریف کے حوالہ سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصّلوٰۃ والسلام کے مختلف دو فیصلوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ایک بچے کے سِلسلہ میں انھوں نے صادر فرمائے۔ اصل واقعہ کتاب میں ملاحظہ کرلیں۔ اِس کے بارے میں صُوفی صاحب نے ص۳۸ اور ص۳۹ میں لفظی شعبدہ بازی سے چکر کاٹ کاٹ کر گلو خلاصی چاہی ہے مگر بُری طرح ناکام رہے ہیں۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ خانصاحب لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السّلام نے بڑی کی بات کو سچا سمجھ لیا۔ حالانکہ عربی عبارت میں کوئی جملہ ایسا نہیں جو اس بات پر دلالت کرتا ہو؟ (لطف کی بات یہ ہے کہ خود صوفی صاحب ص۳۸ میں بخاری ج۱ ص۴۸۷ کے حوالہ سے روایت میں یہ جملہ بھی نقل کرتے ہیں فقضاکمتا الیٰ داوٗد فقضیٰ بہ للکبریٰ۔

اور معنی یہ کرتے ہیں۔ پھر انھوں نے داؤد علیہ السلام سے فیصلہ چاہا۔ آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ سوال یہ ہے کہ بڑی کو حضرت داؤد علیہ السلام نے سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ دیا یا جھوٹا سمجھ کر؟ صفدر) اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ قاضی کو ذاتی معلومات کی بنا پر فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے جس نے ثبوت استحقاق بہم پہنچادیا آپ نے اسی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔" (بالکل ٹھیک ہے۔ قاضی اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر فیصلہ نہیں کر سکتا لیکن اس کی اصل علت اور وجہ سے متوفی صاحب کیوں اغماض کر گئے ہیں؟ اس کی علت یہ ہے کہ قاضی چونکہ علم غیب اور حاضر و ناظر کی صفت سے متصف نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے علم میں جو معلومات ظاہری طور پر آتے ہیں ہو سکتا ہے کہ حقیقۃً مقدمہ کی نوعیت اس کے خلاف ہو اور مدعی اور مدعا علیہ کے دلائل اور ثبوت وغیرہ قاضی کے ذاتی معلومات کے برعکس ہوں اور یہاں تو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذاتی علم کا بھی کسی قطعی دلیل سے ثبوت نہیں۔ اگر ان کو علم ہوتا تو بڑی کے حق میں کبھی فیصلہ نہ کرتے بلکہ حقیقت کی سراغرسانی کے لئے کوئی اور سبیل نکالتے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اختیار فرمائی۔ فتح الباری وغیرہ میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑی کے حق میں فیصلہ کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ بچہ اس کی شکل و شباہت پر تھا۔ اور ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ اس کے ہاتھ اور اس کے قبضہ میں تھا۔ ان قرائن و شواہد اور اس کے تجربہ کاری پر مبنی بیان سے اس کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ صفدر)۔ اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ "خالصاحب کا یہ کہنا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھوٹی کی حالتِ اضطراب دیکھ کر جان لیا کہ فیصلہ حقیقت کے خلاف ہے، یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ وہ خود آپ کے پاس مقدمہ لے گئیں تھیں۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو یقین ہو گیا تھا کہ فیصلہ حقیقت کے خلاف ہے تو انھوں نے بغیر حکمتِ عملی کے کیوں نہ چھوٹی کا لڑکا دلوا دیا؟ دلوا بھی کیسے سکتے تھے خالصاحب کی طرح جاہل تو نہ تھے۔ آپ قانون قضاء کے واقف تھے کہ جب ان دونوں میں سے کوئی

ایک حقیقت کا خود اقرار نہ کرے، فیصلہ ناممکن ہے۔ اِسی لئے آپ نے چھری لانے کا حکم دے کر بڑی کی زبانِ حال سے اور چھوٹی کی زبانِ قال سے حقیقت کا اقرار کروا لیا: الخ (ص۳۸ و ص۳۹)۔

الجواب: صُوفی صاحب کی اس عبارت میں اکثر باتیں جہالت اور حقیقت ناشناسی پر مبنی ہیں اوّلاً یہ کہ وہ دونوں بیبیاں حضرت داؤد علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے پاس مقدمہ تو لے گئی تھیں کیونکہ حدیث میں فتحاکمتا الیٰ داؤد کے الفاظ بالکل صاف ہیں لیکن حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس وہ مقدمہ نہیں لے گئیں بلکہ حضرت داؤد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عدالت سے نکلیں اور حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے مُلاقات ہوئی تو انھوں نے اُن کو قصّہ سُنایا۔ کیونکہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں فخرجتا علیٰ سلیمان بن داؤد فاخبرتاہ الخ وثانیاً تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان کے پاس فیصلہ لے گئیں تب بھی ہمارے مدعیٰ پر کوئی زد نہیں پڑتی اس لئے کہ بڑی کو باوجود اُس کا بچہ نہ ہونے کے اس کو عدالت کی طرف سے مِل گیا۔ اُس کے تو وارے نیارے تھے اور وہ ہشاش بشاش اور فرحاں وخنداں ہو گی بخلاف چھوٹی کے کہ اس کا لعل ہاتھوں سے عدالت کے رُو سے جاتا رہا تو اس کا چہرہ یقیناً مغموم واُداس ہوگا اور اس پر اضطرابی حالت طاری ہو گی اور حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کو بھانپ لیا ہوگا۔ اِس میں کون سی بات جھُوٹ کی ہے کہ آپ خواہ مخواہ جھُوٹ کا الزام ہم پر عائد کر کے اپنے دلِ ماؤف کی بھڑاس نکال رہے ہیں۔ وثالثاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ان بیبیوں کی خبر اور قرائن وشواہد سے یہ معلوم ہو گیا کہ سابق فیصلہ دُرست نہیں مگر آئندہ حقیقتِ حال تک رسائی حاصل کرنے کے لئے حکمتِ عملی کی ضرُورت ہے سو انھوں نے وہ حکمتِ عملی اختیار کی اور وہ مفید ثابت ہُوئی۔ سابق فیصلہ کے درست ہونے کی نفی سے آئندہ کے فیصلہ کے لئے حکمتِ عملی سے کیا تضاد وتصادم ہے؟ اور آپ کا قانون قضا سے واقف ہونا اس کی تائید ہے۔

صوفی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ اپنے ذاتی علم پر فیصلہ کرنے کا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے

بھی نہیں رکھا بلکہ یہاں بھی بندوں کے اقوال و اعمال اور نامۂ اعمال اور فرشتوں کا تقرر فرما دیا ہے " (محصلہ ص۳۹) ۔

الجواب: ہاں عموماً اور اکثر ایسا ہی ہوگا کہ مخلوق سے سوال کے بعد ہی ان کے حق میں حق تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا مگر کچھ ایسے سعادت مند اور نیک بخت بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بلاحساب بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ خود گناہوں کا اقرار کروائیں گے اور پھر ان پر پردہ ڈال دیں گے ۔ اللہ تعالیٰ چونکہ علیم بذات الصدور ہیں اس لئے اس کے حق میں اقوال و اعمال اور نامۂ اعمال وغیرہ پر مدار رکھنا یقیناً بے شمار حکمتوں پر مبنی ہے جن میں سے ایک یہ ہو سکتی ہے کہ بندوں پر اتمام حجت قائم ہو جائے اور ان کو ناانصافی کا ظاہری طور پر بھی وہم نہ ہو سکے اور وَكَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا کا مصداق پورا ہو بخلاف مخلوق کے کہ وہ علیم بذات الصدور تو ہے نہیں اس لئے اس کو ظاہری طور پر دلائل و براہین اور قرائن و شواہد کی اشد ضرورت ہے ۔ لہٰذا مخلوق کو خالق پر قیاس کرنا یا بالعکس بالکل باطل ہے جو سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں ہے ۔

فریق مخالف کے اعلحضرت کا حوالہ

تبریدالنواظر میں اعلحضرت کی ملفوظات حصہ دوم ص۱۰۹ کے حوالہ سے سید احمد سلجماسی رح کا ایک واقعہ نقل کیا گیا تھا ۔ اصل واقعہ کتاب میں دیکھیں ۔ آخر میں اعلحضرت کے یہ الفاظ تھے :" سو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے " انہی تعمیمی الفاظ پر ہم نے گرفت کی تھی ۔ اس کے جواب میں صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ :" اعلیٰ حضرت نے یہ واقعہ بعینہٖ نہیں نقل فرمایا بلکہ روایت بالمعنیٰ ہے اور اصل واقعہ کتاب الابریز ص۲۱ میں ہے " پھر عربی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے (ص۳۹، ص۴۰) مگر کتاب الابریز کے اس صفحہ میں یہ تعمیمی الفاظ موجود نہیں ہیں اور ص۱۷۵ میں کتاب الابریز ص۱۶ کے حوالہ سے سید احمد سلجماسیؒ کے حوالہ سے دو

عبارتیں نقل کر کے ترجمہ یوں کیا ہے کہ میں تجھ سے دن رات کبھی جدا نہیں ہوتا۔ اور فرماتے ہیں۔ یعنی ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے خواب میں خود کو اور آپ کی ذات کو ایک کپڑے میں دیکھا ہے۔ فرمایا۔ یہ خواب سچا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت (عبدالعزیز دباغ ؒ) دن اور رات میں کسی وقت مجھ سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کیا رشید احمد کا بھرے مجمع میں اپنے معشوق کے ساتھ لیٹنے (ارواح ثلاثہ صـ۲۳۹) اور خواب میں اسی معشوق کے ساتھ اغلام بازی کرنے سے (تذکرۃ الرشید ج ۲ صـ۲۹۹) بھرے مجمع میں عورت کی شرمگاہ کی ہیئت کذائیہ بیان کرنے سے (تذکرۃ الرشید ج ۲ صـ۱۰۱) یہ واقعہ زیادہ شرمناک ہے؟ اھ (صـ۴۱، صـ۴۲)۔

الجواب: اہلِ حق اور اہلِ بدعت کا فرق ہی اصولی طور پر یہ ہے کہ اہلِ حق اپنے عقائد کی بنیاد قرآن وسُنّت اور اجماعِ اُمت کے قطعی ادلہ پر رکھتے ہیں اور اہلِ بدعت غیر مجتہد اور غیر معصوم بزرگوں کے مُبہم اقوال اور محتمل عبارات پر رکھتے ہیں اور دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر اس عبارت کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو نصوص قطعیہ اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے صریح فتوؤں سے متصادم ہونے کی وجہ سے یہ بالکل مردود ہے۔ اور اگر کوئی مناسب تاویل کر لی جائے تو بات جدا ہے۔ مثلاً یہ کہ دونوں بزرگ رضاء الٰہی اور محبت خداوندی کے ایک ہی کپڑے میں ملبوس ہیں اور محبت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا نہیں اور دن ہو یا رات، محبت کی کشش ایک کو دوسرے سے وابستہ ہی رکھتی ہے ورنہ خواب پر اور اس کے اشاروں پر عقیدہ کی بنیاد ہرگز نہیں رکھی جا سکتی اور یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے۔ باقی ارواحِ ثلاثہ کے حوالہ کی اختصاراً وضاحت ہم کر چکے ہیں۔ رہے تذکرۃ الرشید کے حوالے تو صوفی صاحب کو وہ بھی مفید نہیں۔ اوّل تو اس لئے کہ وہ خواب کا واقعہ ہے اور خواب ایک حقیقت طلب چیز ہوتی ہے۔ اس کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک باطنی حقیقت ہوتی ہے جس کو تعبیر کہتے ہیں۔ بسا اوقات ظاہر کچھ ہوتا ہے اور اس کی تہ میں کچھ ہوتا ہے۔ علماء تعبیر

نے تواطت کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ :-

وان رأى انہ ینکح شابا معروفا فان الفاعل یفعل بالمفعول خیراً (تعطیر الانام فی تعبیر المنام ج ۲ ص ۲۱۰ طبع مصر)

اگر کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس نے کسی معروف جوان سے نکاح کیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ فاعل مفعول سے بھلائی کا معاملہ کرے گا۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ حضرت گنگوہی رح اور حضرت نانوتوی رح کے ایک دوسرے کے ساتھ تو صرف بھلائی ہی کے نہیں بلکہ بے شمار بھلائیوں کے معاملات ہوتے رہے ہیں لہٰذا خواب کے معاملہ کو سامنے لاکر اعتراض کرنا صوفی صاحب کی نِری نادانی ہے بخلاف اُس واقعہ کے جس پر ہم نے تنقید کی ہے کہ وہ عین بیداری کا اور بیوی خاوند کی مجامعت کا معاملہ ہے اور بقول اُن کے اُن کے مُرشد اس واقعہ کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں جو صرف شرمناک ہی نہیں بلکہ انتہائی شرمناک ہے۔ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تذکرۃ الرشید کی اصل عبارت بھی عرض کر دیں جس کی تعبیر حضرت گنگوہی رح نے خود فرمائی ہے تاکہ صوفی صاحب اور اُن کے ہمنوا دوستوں کا دجل واضح ہو جائے

"ایک بار ارشاد فرمایا مَیں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے سو جس طرح زن و شوہر میں ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے۔ انھوں نے حضرت (حاجی امداد اللہ صاحب رح) کی تعریف کر کے ہمیں ان کا مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے انھیں مرید کرا دیا۔ حکیم محمد صدیق صاحب کاندھلوی رح نے کہا اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ آپ نے فرمایا: ہاں آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں"۔ انتہیٰ (ملفقطہ تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۸۹)

۔ اس عبارت میں "سو جس طرح زن و شوہر میں" الخ سے حضرت گنگوہی رح خود اس خواب کی تعبیر بیان فرماتے ہیں اور آخر میں حکیم محمد صدیق صاحب رح کے ظریفانہ استدلال کا تائیدی جواب بھی دیتے ہیں کہ مَیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں اور تاریخ گواہ

ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد ان کے بچوں کی جسمانی، رُوحانی اور علمی تربیت سالہا سال تک حضرت گنگوہیؒ نے کی ہے۔ رہا دُوسرا واقعہ کہ بھرے مجمع میں عورت کی شرمگاہ کی ہیئت کنائیہ بیان کرنا، تو بظاہر یہ آدابِ مجلس کے خلاف ہے۔ لیکن بعض مجبُوریاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ متکلم جب تک اپنی مُراد حسی اور مثالی صُورت میں بیان نہ کرے تو اس کی حقیقت اچھی طرح واضح نہیں ہوتی۔ آخر صوفی صاحب کو بخاری اور مُسلم وغیرہ کی یہ روایت تو معلوم ہی ہوگی کہ حضرت تیمیہؓ بنت وھب کو جب حضرت رفاعہ القُرظیؓ نے طلاق دے دی اور عدت کے بعد انھوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زُبیر سے نکاح کیا اور ان سے مزاج نہ ملنے کی شکایت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کی۔ اور حضرات صحابہ کرام رضؓ کی مجلس میں آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنے خاوند کی نامردی کا ذکر اور اس کے آلۂ تناسل کا نقشہ ہُدبۃ الثوب (اپنے کپڑے کے پھُندنے) سے کھینچ کر بتایا (بخاری جلد ۲ ص۷۹۲ و مُسلم ج ۱ ص ۴۶۳) فرمایئے صوفی صاحب! ہُدبۃ الثوب سے کس چیز کی ہیئت کنائیہ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے؟ اور مجلس کس کی تھی؟ کیا حضرت گنگوہیؒ کا درجہ اُس صحابیہؓ سے زیادہ ہے؟ یا اُن کی مجلس اس پاک مجلس سے زیادہ پاکیزہ تھی؟ اگر بزعم شما ایسی ہی غلطی کا ارتکاب انھوں نے کیا ہے تو کون سا پہاڑ ٹُوٹ پڑا ہے؟

صوفی صاحب کو شاید بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۵ اور مُسلم ج ۱ ص ۳۹۲ کی وہ روایت بھی یاد ہوگی جس میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مجمع میں اپنے ہاتھ کے ساتھ مردانہ آلۂ تناسل کا نقشہ کھینچ کر حاضرین کو صورت سمجھائی تھی۔ (فنأتی عرفة تقطر مذاکیرنا المنی قال یقول جابر رضؓ بیدہٖ کانی انظر الی قولہ بیدہٖ یحرکھا الحدیث واللفظ لمسلم) بتلایئے صوفی صاحب اس نقشہ نمائی کی وجہ سے حضرت جابر رضؓ کو کیا کہا جائے؟ یا حضرت امام بخاریؒ اور امام مُسلمؒ پر کیا فتویٰ صادر کیا جائے جنھوں نے اس نازک مسئلہ کو صحیحین میں جگہ دی ہے؟ اور کیا صوفی صاحب! آپ نے ہُدبۃ الثوب اور اس نقشہ کے بارے میں بھی کبھی لب کُشائی کی ہے؟

ع کچھ علاج اِن کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں ؟

کراماً کاتبینؔ کی حاضری

تبرید النواظر میں یہ لکھا تھا کہ فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت کا یہ کہنا کہ سوکسی وقت شیخ مرید سے جُدا نہیں ہر آن ساتھ ہے، شرعاً غلط ہے۔ کیونکہ کراماً کاتبین بھی جن کی ڈیوٹی ہی اعمال و اقوال لکھنے کی ہے، وہ دو حالتوں میں الگ اور جُدا ہو جاتے ہیں۔ جماع کے وقت اور قضائے حاجت کے وقت جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے (محصلہ) اس پر گرفت کرتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ فرشتے علیحدہ ہو کر اُسی جگہ یا کمرے میں رہتے ہیں یا باہر نکل جاتے ہیں؟ اور کیا ایسے موقع پر مرد و عورت کی نقل و حرکت تحریر میں نہیں لاتے۔ نیز السراج المنیر کا حوالہ تو دے دیا لیکن اس کے حاشیہ میں یہ عبارت نظر انداز کر دی (ترجمہ ان ہی کا ہے) فرشتے انسان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں لیکن قریب ہی رہتے ہیں تاکہ جو کچھ اس سے سرزد ہو اس کا ملاحظہ کرتے رہیں تاکہ اس کو لکھ سکیں۔ اگر فرشتوں کا ایسے وقت میں موجود رہنا اور ملاحظہ کرنا بے حیائی نہیں تو ولی کامل کی معیت روحانی کیوں کر بے حیائی ہو گئی (محصلہ صد۲۴)

الجواب: ان فرشتوں کا اس موقع پر کارروائی دیکھنے اور لکھنے کے لئے حاضر رہنا اس لئے بے حیائی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مقرر اور مامور ہوتے ہیں اور اپنی ڈیوٹی بجا لاتے ہیں اور نصوص قطعیہ سے ان کا ساتھ رہنا ثابت ہے مگر بایں ہمہ وہ ان دو حالتوں میں بقدر وسعت علیحدہ ہو جاتے ہیں اور دور ہی سے دیکھتے سنتے رہتے ہیں ہم ان کے دیکھنے سننے کے منکر نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جن کی ڈیوٹی ہے وہ تو ایسے وقت حتی المقدور الگ ہو جائیں مگر بقول اعلیٰ حضرت ولی ہر آن ساتھ چمٹا رہے، یہ کون سا دین ہے؟ اور ولیوں کے ہر آن ساتھ رہنے پر کون سی نص قطعی موجود ہے اور وہ مکلف و پابند شرع ہو کر کیوں ایسی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں؟ اور یہ سوال ابھی تک بدستور باقی ہے۔ اس کا کوئی جواب نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہمیں کسی معقول جواب کی توقع ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گناہگاروں کے حق میں مشاہدہ

صوفی صاحب نے اس کے بعد بحوالہ معالم التنزیل برحاشیہ خازن ص۱۲۳ سے حضرت علی رضؓ سے موقوفاً یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کو دیکھا تو آپ نے ایک آدمی کو زنا کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کے حق میں بددعا کی۔ وہ ہلاک ہوگیا۔ پھر دوسرا دیکھا اس پر بددعا کی وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ پھر اسی طرح تیسرا دیکھا۔ کیوں جی خانصاحب! اللہ تعالیٰ اور ابراہیم علیہ السلام سے بھی زیادہ شرم آپ کے حصے میں کہاں سے آگئی۔ انا خیر منہ کہنے والے سے کوئی رشتہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسی کرم نوازیاں اسی کی شان ہے (ص۴۲ و ص۴۳)۔

الجواب: نصوص قطعیہ اور صریحہ کے مقابلہ میں بے سند روایات اور موقوفات کی کوئی حیثیت نہیں۔ معالم التنزیل علی الخازن ج۲ ص۱۴۸ میں یہ روایت یوں نقل کی ہے:۔ وروی عن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورفعہ بعضھم عن علی رض الخ لیکن نہ تو حضرت سلمانؓ کی موقوف روایت کی کوئی سند بیان کی گئی ہے اور نہ حضرت علی رضؓ کی مرفوع روایت کی۔ اور تفسیر خازن ج۲ ص۱۴۹ میں ہے وروی عن سلمانؓ ورفعہ بعضھم عن علی رضؓ الخ اس میں بھی کسی کی کوئی سند اور روایت کا کچھ ذکر نہیں ہے اور ایسی بے سروپا روایات سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس طرزِ استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ انا خیر منہ کہنے والے سے صوفی صاحب کا کوئی قریبی اور خاص الخاص رشتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صریح ارشادات کے مقابلہ میں اپنے بابے کے قیاس سے کام لیتے ہیں اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایسا ہوا ہے تو آسمانوں اور زمین کے عجائبات کے دکھانے کے ضمن میں غیر اختیاری طور پر کسی پر نظر پڑجانا اور بات ہے اور زوجین کی مجامعت کے وقت قصداً و ارادۃً قریب والے پلنگ پر حاضر رہ کر نظارہ دیکھتے رہنا اور ہر آن ساتھ چمٹے رہنا جدا بات ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس روایت میں البصر رجلاً علیٰ فاحشۃ کے لفظ

ہیں اور لفظ فاحشہ زنا پر اطلاق ہوتا ہے، اور غیر زنا پر بھی جیسے ومن یأت منکن بفاحشۃ الآیۃ

استقرارِ نطفہ کا حوالہ صوفی صاحب نے اس کے بعد استقرارِ نطفہ والے حوالے پر بہت لے دے کی ہے جس کی وضاحت تبرید النواظر طبع نہم میں بقدر ضرورت کردی گئی ہے۔

وعظ صوفی صاحب نے ص۴۴ وص۴۵ میں الجواہر والدرر برحاشیۂ کتاب الابریز ص۱۷۱ اور فتاویٰ حدیثیہ ص۲۴۸ اور الیواقیت والجواہر ج ۲ ص۳۹ سے کچھ عبارتیں نقل کرکے ہمیں یہ وعظ کیا ہے کہ صوفیاء کرام اور کاملین سے عقیدت رکھنی چاہیئے اور ان پر اعتماد کرنا چاہیئے اور ان کے اقوال کو جنتر منتر اور مردود نہیں سمجھنا چاہیئے ورنہ خاتمہ خراب ہو جائے گا۔ (محصلہ) بحمد اللہ تعالیٰ ہم پہلے ہی بزرگانِ دین کے اور اُن کے اقوال اور اُن کی دینی خدمات کے صدقِ دل سے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کے وعظ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن معاف رکھنا ہم قرآنِ کریم اور احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے مقابلہ میں ان کی باتوں کو ترجیح نہیں دیتے۔ ان کی مناسب تاویل ہوئی تو کر دیتے ہیں ورنہ ان کے قول کو ترک کر دیتے ہیں اور ان کے خلاف نازیبا لب کشائی نہیں کرتے اور قرآن کریم اور حدیث شریف اور اقوال حضرات مجتہدینؒ کو حجت گردانتے ہیں اس لئے ص۴۶ میں جو بعض صوفیاء کرامؒ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ مردِ کامل کو اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر مطلع کرتا ہے یہاں تک کہ کوئی پیڑ نہیں اُگتا اور کوئی پتہ نہیں ہریاتا مگر اس کی نظر کے سامنے (بلفظہ ص۴۶) تو ہمارے نزدیک اس قول کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس صریح ارشاد کے خلاف ہے:۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ

اور اُسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا اور وہی جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں گرتا کوئی دانہ زمین کے

مُّبِيْنٍ ۝ (پ ۷۔ الانعام ۔ ۷) | اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سُوکھی چیز مگر وہ سب کتاب میں (یعنی لوحِ محفوظ جو اللہ تعالیٰ کے علم سے کنایہ ہے) میں ہے۔

ہمارے عقیدہ کی بنیاد اس قطعی ارشاد پر ہے۔ آپ جانیں اور صُوفیاءِ کرام رح کی رطب و یابس باتیں اور کہانیاں۔ علم عقائد کی مشہور کتاب مقاصد میں امام کے لئے ذیل کی شرائط کو خرافات سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

واما اشتراط المعجزة والعلم بالمغیبات واللغات والحِرَف والصناعات وطبایع الاغذیة والادویة وعجائب البر والبحر والسماء والارض فمن الخرافات | بہرحال امام کے لئے معجزہ اور علم غیوب اور لغات اور پیشوں اور صنعتوں اور غذاؤں اور دواؤں کے خواص اور خشکی اور سمندر کے عجائبات اور اسی طرح آسمان اور زمین کے عجائبات کے علم کی شرط لگانا خرافات میں سے ہے۔

اور علامہ مسعود بن عمر تفتازانی رح (المتوفی ۷۹۲ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

قد اشترط الغلاة من الروافض ان یکون الامام صاحب معجزة عالمًا بالغیوب وبجمیع اللغات وبجمیع الحرف والصناعات وبطبایع الاغذیة والادویة وبعجائب البر والبحر والسماء والارض وھذہ خرافات مفضیة الی نفی الامام ورفض الشریعة والاحکام (شرح مقاصد ج ۲ ص۲۸۰ طبع مصر) | رافضیوں میں سے غالیوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ امام صاحب معجزہ ہو اور غیوب کا جاننے والا ہو اور اسی طرح تمام لغات اور تمام پیشوں اور صنعتوں اور غذاؤں اور دواؤں کے خواص اور بر و بحر اور آسمانوں اور زمین کے عجائبات کو جاننے والا ہو اور یہ شرطیں نری خرافات ہیں جو اس امر کی طرف مفضی ہیں کہ سرے سے کوئی امام ہو ہی نہیں اور اس شرط سے شریعت اور احکام کا ترک لازم آتا ہے۔

احکامِ شریعت سے ناواقف نیم صوفیوں نے حضرات اولیاء کرام رح کے لئے بھی علمِ غیب

وغیرہ کی شرط لگائی ہے اور ان کا یہ عقیدہ اور نظریہ غالی رافضیوں سے ماخوذ ہے اور اسی کو صوفی صاحب اور ان کے شریعت سے بے بہرہ بعض حواریوں نے پلّے باندھ لیا ہے کیونکہ بریلویت درحقیقت رفض اور شیعیت ہی کا چربہ ہے۔

اس کے بعد صوفی صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی فیوض الحرمین ص۹۱ سے عبارت نقل کر کے ترجمہ یوں کیا ہے۔ عارف مقام حق تک کھنچ کر بارگاہِ قرب میں ہوتا ہے پس اس پر ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ (اصل عبارت کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے، عبارت جو انھوں نے نقل کی ہے، یہ ہے۔ علماء خود غور فرمالیں: فاض علیّ من جنابه القدس صلے اللہ علیه وسلم کیفیة ترقی العبد من حیزه الی القدس فتجلّی له کل شئ) اب ہم خانصاحب سے پوچھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب تو آپ کے گھر کے منتری ہیں۔ ان کے ضرب سے کھوپڑی بچانے کی کوئی صورت ہے؟ (ص۴۶)

الجواب:۔ ہماری کھوپڑی کی فکر نہ کریں۔ ہمیں ہمارے گھر کے منتری حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ڈھال دی ہے کہ جب تم پر خدا تعالےٰ اور اس کے رسول کا کوئی سرکش باغی اور دشمن کل شئ کی تلوار لے کر حملہ کرے تو یہ ڈھال استعمال کرنا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

وان استدل بقوله علیه الصلوٰة والسلامؐ فتجلّی له کل شئ قلنا هو بمنزلة قوله تعالیٰ فی التوراة تفصیلا لکل شئ والاصل فی العمومات التخصیص بما یناسب المقام (تفہیمات الٰہیة ج۱ ص۲۵)

اگر کوئی شخص (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے علم غیب کلی کے سلسلہ میں) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کرے کہ آپ کے لئے ہر چیز روشن ہو گئی تو ہم کہیں گے کہ آپ کا یہ ارشاد تورات کے بارے میں اللہ تعالےٰ کے تفصیلا لکل شئ کی طرح ہے اور اصل عمومات میں یہ ہے کہ مقام کے مناسب ان میں تخصیص کی جائے

صوفی صاحب کچھ سمجھ آئی آپ کو۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تو فتجلّی له کل شئ

کے الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہر ہر چیز کا روشن ہونا تسلیم نہیں کرتے تو حضرات صوفیاء کرام رح کے لئے وہ کب اس سے تعمیم تسلیم کر سکتے ہیں اور اس کی دلیل وہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ تورات کے بارے میں بھی قرآن کریم میں کل شئ کا جملہ موجود ہے لیکن اس سے تعمیم مُراد نہیں کیونکہ اگر اس میں ہر ہر چیز کی تفصیل ہو تو پھر قرآن کریم اور آپ کی شریعت کی جو منجانب اللہ تعالیٰ آپ کو ملی ہے، تورات پر کیا فوقیت ہے؟ اور حضرت شاہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ پھر ضرور جاننا چاہیئے کہ بے شک حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے واجب تعالیٰ جل مجدہٗ کی صفات کی نفی کرنا واجب ہے مثلاً (العلم بالغیب والقدرۃ علیٰ خلق العالم الیٰ غیر ذٰلک ولیس فی ذٰلک نقص) علمِ غیب اور جہان کے پیدا کرنے کی قدرت وغیرہ اور اس میں کوئی تنقیص نہیں ہے اھ (تفہیماتِ الٰہیہ ص ۲۴ ج ۱)

اکتسابی معلومات

صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ " اور سیدنا زکریا علیہ السلام کے واقعہ سے جو استدلال کیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اکتسابی معلومات پر وھبی معلومات کو ہمیشہ ترجیح دیتے ہیں اور پسند فرماتے ہیں لہٰذا آپ کا دلیل طلب کرنا اولیاء اکرام کے مشاہدہ کا منتفی نہیں " (ص ۴۶)

الجواب :۔ معلوم نہیں کہ اس مہمل عبارت سے تبرید النواظر میں حضرت زکریا علیہ السلام کے اس واقعہ کا جواب کیونکر ہوا جو قرآنِ کریم سے نقل کیا گیا ہے اور پھر آخری جملہ کا اول سے کیا ربط ہے؟ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اکتسابی میں بھی علم کا ترتب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور وھبی میں بھی فرق یہ ہوتا ہے کہ وھبی میں مباشرت اسباب کا سلسلہ نہیں ہوتا اور اکتسابی میں ہوتا ہے۔ علامہ تفتازانی رح علامہ نور الدین احمد بن محمود البخاری رح کی کتاب بدایۃ الکلام کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں :۔

والاکتسابی وھو ما یحدثہ اللہ تعالیٰ فیہ بواسطۃ کسب العبد وھو مباشرۃ اسبابہ اھ (شرح العقائد ص ۱۸)	اور اکتسابی وہ ہے جو اللہ تعالےٰ بندہ میں کسبِ عبد کے واسطہ سے پیدا فرماتا ہے اور کسبِ عبد سے مُراد علم کے اسباب کو استعمال میں لانا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مباشرتِ اسباب کے بعد کسی چیز کی اطلاع اور خبر عطا فرمادے تو اس کے بعد اس میں ان کو وھبی علم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس تحصیل حاصل سے بھلا فائدہ بھی کیا ہے؟ اور یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ یہاں کس دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُس خبر کا وھبی علم پہلے عطا ہو گیا تھا جس کے لئے انھوں نے اللہ تعالیٰ سے بعد کو علامت طلب فرمائی، اور ان کو وہ علامت دے دی گئی جس کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے تاکہ اس وھبی کو اکتسابی پر ترجیح دی جائے یہ نِری دفع الوقتی ہے، اس کا نام ہرگز جواب نہیں ہے۔

ران کا پردہ

صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ "خانصاحب نے مرد کی ران کے عورت ہونے اور اس کی طرف نظر کی ممانعت پر بے کار زور لگایا ہے۔ بھلا ران کے عورت ہونے اور اس کی طرف نظر کرنے کی ممانعت میں کسی کو اختلاف ہے؟ لیکن اس سے کاملین کے مشاہدہ کا انتفاء کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمارا دیکھنا اور قسم کا ہے اور اُن کا دیکھنا اور ہے۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح فرماتے ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب نے استفسار کیا کہ رؤیت حق کی اس عالم میں ممکن ہے یا نہیں؟ فرمایا ممکن ہے۔ بمعنیٔ آیۃ لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار کے یہ ہیں کہ اس بصارت ظاہری سے رؤیت حق تعالیٰ ممکن نہیں ہے، اور جب نظر بصیرت (باطنیہ) حاصل ہو جاتی ہے بصارت (ظاہری) پر غالب آتی ہے۔ پس عارف حقیقت میں نظر بصیرت سے دیکھتا ہے اور اگر یہ سمجھے کہ آنکھوں سے دیکھتا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ دلیل اس بات کی کہ اس نظر سے نہیں دیکھا، یہ ہے کہ اگر آنکھ بند کرلے رؤیت بدستور رہے۔ دُوسرے یہ کہ دیدِ آنکھوں کی عارضی محتاج نورِ آفتاب کی ہے بخلاف اُس دید کے کہ محتاج نورِ بصیرت ہے بدوُن پرتو اس نور کے غیر ممکن و محال ہے۔ پھر مولانا نے استفسار فرمایا کہ خطاب لن ترانی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیوں کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ اس میں نفی رؤیت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور یہ درست ہے کہ عارف دیکھتا ہے۔ اپنی آنکھ سے نہیں

دیکھتا بلکہ دیدۂ حق سے دیکھتا ہے۔ الخ (شمائم امدادیہ ص۴۷ و ص۴۸)

صوفی صاحب نے یہ حوالہ ص۴ میں دیا ہے جس میں انتہائی بد دیانتی اور کمال دجل کا ثبوت دیا ہے وہ اس طرح کہ شمائم امدادیہ کی اس عبارت میں سے اوّل اور آخر کا خط کشیدہ حصہ شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر لیا ہے جس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ بصیرت کے ساتھ دیکھنے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے ہے نہ کہ مردوں کی رانوں سے، جس کی دلیل میں یہ عبارت پیش کی گئی ہے۔ اور اس دجل و تلبیس پر بھی نہ تو ان کو شرم آتی ہے اور نہ آئندہ آنے کی توقع ہے سچ ہے

ع بے حیا باش وھرچہ خواھی کُن

آپ کا علمی اور اخلاقی فرض ہے کہ صحیح احادیث کے توڑ کے لئے صحیح احادیث پیش کریں، جن سے کاملین کے لئے لوگوں کی رانیں دیکھنے کی صریح الفاظ میں اجازت ملتی ہو ورنہ صاف تسلیم کرلیں کہ سرتاج اولیاء حضرت علی رض سمیت تمام حضرات اولیاء کرام رح کو لوگوں کی رانیں دیکھنا جائز نہیں اور وہ ان کو دیکھنے کے ہرگز مجاز نہیں ہیں۔ وہ تو گویا یوں گویا ہیں ع

جو ہم کو دکھاتا ہے خدا دیکھ رہے ہیں

ادراکِ غیبات

صوفی صاحب نے اسی صفحہ (ص۴) میں شمائم امدادیہ ص۱۱ کی یہ عبارت نقل کی ہے: " فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ علمِ غیب انبیاء اور اولیاء کو نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اہلِ حق جس طرف نظر کرتے ہیں، دریافت و ادراک غیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ و حضرت عائشہ رض (کے معاملات) سے خبر نہ تھی، اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے (حاشیہ میں لکھا ہے کہ عارف بلا اذن توجہ نہیں فرماتا۔ صفدر) حضرت حاجی صاحب کے قولِ اوّل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بصیرت کو احکامِ بصارت کی زد میں لانا جہالت ہے۔ (بات صرف رؤیت باری تعالیٰ کو بصیرت سے دیکھنے کی ہے ران دیکھنے کی نہیں ہے۔ صفدر) اور دُوسرے قول نے ہمارے ان جوابات کی تائید کردی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں دیے ہیں" (ص۴)

الجواب:- اس عبارت میں حضرت حاجی صاحبؒ کا مطلب علمِ غیب نہیں، جو قطعی اور کلی ہوتا ہے بلکہ وہ اُمورِ غیبیہ اور اخبارِ غیب ہیں جو نظر، دریافت ادراک اور توجہ سے حاصل ہوتی ہیں جن کو غیبات سے انھوں نے تعبیر کیا ہے اور یہ کشف و الہام کی مد میں ہیں جو ظنی ہے، علمِ یقینی نہیں ہے۔ ہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی اور الہام سے جو خبریں حاصل ہوتی ہیں وہ قطعی اور یقینی ہوتی ہیں۔ وہ ظن کی مد میں نہیں ہیں اور خود حضرت حاجی صاحبؒ نے اس عبارت میں تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ رضؓ کے معاملات کی اس لئے خبر نہ تھی کہ آپ کی اس طرف توجہ نہ تھی جب توجہ فرمائی تو بعض امور معلوم ہو گئے (مگر تفصیلی اور قطعی علم وحی کے بعد حاصل ہوا جیسا کہ قرآنِ کریم اور صحیح احادیث سے ثابت ہے) حاجی امداد اللہ صاحبؒ خود ارقام فرماتے ہیں کہ "ندا غیر اگر حاضر و علمِ غیب جان کر کرے گا تو شرک ہوگا اور جو بے اس کے شوق میں کہا ہے تو معذور ہے گناہ گار نہیں اور جو بدون عقیدہ شرکیہ کے یہ سمجھ کر کہے کہ شاید ان کو حق تعالےٰ خبر کر دیوے تو خلافِ محل نص میں خطا و گناہ ہے مگر شرک نہیں" الخ ہفت مسئلہ (بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ صا۱۰ طبع جید برقی پریس۔ دہلی)۔

حضرت ملا علی ن القاری رحؒ فرماتے ہیں کہ:-

وما ذکرہ بعض الاولیاء من باب الکرامۃ باخبار بعض الجزئیات من مضمون کلیات الآیۃ فلعلہ بطریق المکاشفۃ او الالہام او المنام التی ھی ظنیات لا تسمی علوما یقینیات۔ (مرقات ج ۱ ص۶۶)	بعض اولیاء کرام رحؒ نے بطور کرامت آیت (ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ) کے کلیات کے مضمون سے جو بعض جزئیات کی خبر دی ہے تو شاید کہ وہ کشف یا الہام یا خواب کے ذریعہ سے ہو اور یہ سب امور ظنی ہیں، اُن کو یقینی علوم کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

اس عبارت میں حضرت ملا علی ن القاری رحؒ نے کرامت کے طور پر بعض حضرات اولیاء کرامؒ

کی بعض غیبی خبروں کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن ساتھ ہی تصریح فرمادی ہے کہ ان کو یہ خبریں کشف یا الہام یا خواب کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں اور یہ سب اُمور ظنی ہیں لہٰذا ان سے مسئلہ علمِ غیب پر کوئی زد نہیں پڑتی اور جہاں حضرت ملا علی ن القاری رح کی جن عبارتوں میں اخبارِ غیبیہ کے علاوہ جو قطعی ہوتی ہیں، حضرات اولیاء کرام رح کی طرف غیب کی نسبت کی گئی ہے تو ان سے ایسے ہی کشفی اُمور مُراد ہیں۔ جو صرف بعض ہیں اور ظنی ہیں اور یہی مُراد ہے حضرت ملا علی ن القاری رح کی کتاب نزہۃ الخاطر کی عبارت کی جس کو صوفی صاحب نے ص۲۱ میں اپنی تائید کے لئے پیش کیا ہے۔ جب کسی مصنف کی اپنی مفصل عبارات موجود ہوں تو ان کی مجمل اور مبہم عبارات سے نصوص قطعیہ کے خلاف استدلال کرنا اور عقائد ثابت کرنا صوفی صاحب اور اُن کی جماعت ہی کو زیب دیتا ہے، اہلِ حق و اربابِ علم و بصیرت ان سے ہرگز متأثر نہیں ہوتے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی جن اُمور میں آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی، اپنے قیاس و اجتہاد اور ظن سے کام لیا کرتے تھے اور بسا اوقات آپ کا وہ ظن خلافِ واقع بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ :-

اِنّی فیما لم یوح الیّ کاحدکم۔ (طب وابن شاھین فی السنۃ عن معاذ رض (ح) الجامع الصغیر ج۱ ص۱۰۴)

بے شک مَیں ان اُمور میں جن میں میری طرف وحی نہیں ہوتی تمھاری ہی طرح ہُوں۔

علامہ عزیزی رح فرماتے ہیں کہ :-

اِنّی فیما لم یوح ای لم یوحہ اللہ اِلیّ کاحدکم فقد یتخلف ما اظن وقوعہ الخ اور آخر میں فرماتے ہیں قال الشیخ حدیث صحیح (السراج المنیر ج۲ ص۵۵)

یعنی میں ان اُمور میں جن میں اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی نہیں کی ہوتی، تمھاری ہی طرح ہُوں سو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مَیں جس چیز کے وقوع کا ظن کرتا ہوں وہ ٹھیک نہیں نکلتا۔ شیخ رح فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

بابِ سوم

تبرید النواظر میں شاہد وشہید کے لفظ سے حاضر وناظر کے مسئلہ کی باحوالہ مدلل تردید کی گئی ہے جس کا کوئی معقول جواب صوفی صاحب نہیں دے سکے اور عوام کو مغالطہ اور فریب دینے کیلئے چند ہوائی اور لایعنی شوشے ضرور چھوڑے ہیں۔ جو شخص ٹھنڈے دل کے ساتھ تبرید النواظر کے دلائل پڑھے گا تو وہ یقیناً محسوس کرے گا کہ اس کے رد میں تنویر الخواطر میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ نری دفع الوقتی ہے۔ انھوں نے جو باتیں کی ہیں ان میں سے قدرے قابلِ توجہ باتیں درج ذیل ہیں۔ قارئین کرام کی ضیافت کے لئے عرض کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے پر قیاس

کیا اللہ تعالیٰ ہر اچھی اور بری جگہوں میں حاضر وناظر نہیں؟ اور کیا اللہ تعالےٰ ہر چیز کو جس میں فلمی معلومات بھی شامل ہیں، نہیں جانتا؟ اور کیا سینماؤں، شراب خانوں، ناچ گھروں اور چکلوں وغیرہ میں فرشتے حاضر نہیں ہوتے؟ اور کیا ہمارا اور ان حضرات کا حاضر وناظر ہونا اور عالم ہونا ایک ہی معنیٰ میں ہے؟ جب اللہ تعالیٰ کی عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ اور بکلِّ شیءٍ علیم اور بری جگہوں میں حاضر ہونے اور بری چیزوں کے جاننے کی وجہ سے توہین وتحقیر نہیں ہوتی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کیوں ہوتی ہے؟ خانصاحب ان چیزوں کا جو جواب اللہ تعالےٰ کے بارے میں دیں گے وہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کافی ووافی ہوگا (محصلہ صـــــ)

الجواب:- صوفی صاحب ان تمام قطعی اور واضح دلیلوں کو شیر مادر یا گیارھویں شریف کا لذیذ حلوہ سمجھ کر دفعۃً ہڑپ کر گئے ہیں جو تبرید النواظر میں اس مسئلہ پر بیان کی گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قانون کا مکلف نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بری مجلسوں میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ہے اور فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی الآیۃ

وغیرھا نصوص قطعیہ اس پر صراحت سے دال ہیں جن میں سے کسی کا صحیح جواب اُن سے نہیں بن سکا اور فرشتے صرف وُہی موجود ہوتے ہیں جن کی وہاں ڈیوٹی ہوتی ہے۔ دُوسرے فرشتے اور خصوصًا رحمت کے فرشتے ایسی جگہوں میں ہرگز نہیں جاتے۔ وہ تو جہاں کُتے ہوں، تصویریں ہوں یا جُنبی ہوں، وہاں بھی نہیں جاتے۔ اس لئے اس بڑے جاہلانہ اور سطحی مغالطہ سے خالق ومخلوق کے علم وحضور کو ہرگز ایک قرار نہیں دیا جا سکتا چونکہ تبرید النواظر میں اس پر مبسوط بحث موجود ہے اس کو اصل کتاب میں دیکھ لیں اسلئے ہم اس میں مزید تطویل نہیں کرتے بعقلمند خود صحیح وغلط کی پرکھ کر سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اوّلین وآخرین کا علم حاصل ہے

امام شعرانیؒ

الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۹ میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اوّلین اور آخرین کا علم عطا کیا گیا ہے اس لحاظ سے آپ کا علم ہر منقول ومعقول اور مفہوم وموہوب کو شامل ہے (محصلہ منتہٰی مقالہ)

الجواب:- اس سے بھی استدلال باطل ہے اوّلًا اس لئے کہ یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے اور محض صوفیوں کی عبارتوں سے یہ حل نہیں ہو سکتا۔ یہاں نصوص قطعیہ، احادیث متواترہ اور اجماع قطعی کی ضرورت ہے وثانیًا اس عبارت میں کون سا لفظ آپ کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے پر دال ہے جس کا اثبات آپ اس غیر متعلق عبارت سے کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اوّلین وآخرین کے وہ تمام علوم عطا فرمائے ہیں جو آپ کی شان کے لائق تھے اور جو علم منقول اور معقول اور مفہوم وموہوب آپ کو مرحمت ہوا کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا اس میں کس کو اختلاف ہے؛ لیکن اس سے کُلی غیب ثابت کرنا نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے اور اثبات حاضر وناظر اس سے بالکل غیر متعلق ہے۔

آپؐ کا علم ماکان ومایکون تدریجی تھا

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو ماکان ومایکون کا علم تدریجًا ملتا رہا۔ جب

قرآنِ کریم کا نزول تمام ہوا آپ کے علوم بھی تمام ہو گئے۔ (محصلہ صد۱۵)

الجواب :- اپنے پیشرو مجددوں کی طرح صوفی صاحب کا یہ بھی ایک نرا مجددانہ مغالطہ ہے تبرید النواظر میں باحوالہ اس کی بحث ہے (مزید بحث ازالۃ الریب میں ملاحظہ کریں) کہ قرآنِ کریم کی سب سے آخری نازل ہونے والی سورت التوبہ ہے جس میں دیگر کئی واقعات کی طرح یہ ارشاد بھی ہے وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ کہ اہلِ مدینہ میں سے کچھ لوگ منافقت پر اڑے ہوئے ہیں تو اُن کو نہیں جانتا ہم اُن کو جانتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے بعد وہ کون سی آیتِ کریمہ نازل ہوئی یا خبر متواتر موجود ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ان منافقین کا علم آپ کو حاصل ہو گیا تھا۔ سندی کی روایت کا حشر آپ دیکھ چکے ہیں۔ اور اگر صحیح حدیث بھی ہو مگر خبرِ واحد ہو تب بھی نصوص کے مقابلہ میں اسکا پیش کرنا آپ کے گرو کے فرمان کے مطابق ہرزہ بافی ہوگا۔ اگر اس کے بعد کوئی آیت اس کی نفی کی بتلا دیں تو پھر تدریجاً تدریجاً کا مطلب ایک حد تک صحیح ہوگا ورنہ یہ دلیل قطعی باطل اور سراسر مردود ہے۔

آپ ہر زمانہ اور ہر مکان میں موجود ہیں

ہمارا حاضر و ناظر کے بارے میں عقیدہ ہے کہ کوئی زمانہ اور کوئی مکان ایسا نہیں جو آپ سے خالی ہو اور اس عقیدہ پر علامہ حلبیؒ المتوفی ۱۰۴۴ھ نے ایک مستقل رسالہ تعریف اہل الاسلام لکھا ہے اور اس میں فرماتے ہیں والایمان بان محمد صلی اللہ علیہ وسلم لا یخلو منہ مکان ولا زمان اور اس رسالہ کو علامہ نبہانیؒ نے اپنی کتاب جواہر البحار ج ۲ صد۱۱۱ میں نقل کیا ہے اور ہم حسبِ ضرورت اس رسالہ سے اقتباسات پیش کرتے رہیں گے (محصلہ صد۱۵)

الجواب :- گزارش ہے کہ علامہ حلبیؒ کسی نص اور متواتر حدیث کا نام نہیں ہے اور نہ اُن سے رسالہ نقل کرنے کے بعد علامہ نبہانیؒ کا نام نص قطعی اور متواتر حدیث بن گیا ہے۔ یہ دونوں صوفی قسم کے عالم تھے مجتہد بھی نہیں تھے اس لئے ان کی عبارتوں سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا علاوہ بریں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت عامہ ہے اور

قیامت تک آپ ہی کی نبوت اور رسالت کے احکام جاری ہیں۔ اور کوئی مکان اور زمانہ ایسا تصور نہیں کیا جاسکتا جس میں مخلوق آپ کے دین کی مکلف اور پابند نہ ہو اور اس کا قرینہ وہ عبارت ہے جو شیخ اکبرؒ کے حوالہ سے خود صوفی صاحب نے صلا و صلا میں نقل کی ہے اور جس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ "سوائے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کے کسی رسول کی رسالت عام نہ تھی پس حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آپ کی بعثت کے زمانے تک اور قیامت تک آپ ہی کی بادشاہی ہے اور آپ کے (تمام حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر امامت میں) تقدم اور آخرت میں سرداری پر آپ کی حدیث صحیح میں نص موجود ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت اور تمام انبیاء کی روحانیت موجود ہے۔ اور انبیاء کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح طاہرہ کی طرف سے مدد آتی تھی" (فتوحات مکیہ باب ۱۰ صلا) کون مسلمان اس کا منکر ہے کہ دنیا میں توحید و رسالت اور اخلاق حسنہ اور اچھے اعمال کا جتنا بھی اور جس قدر بھی ذخیرہ موجود ہے وہ حضرات انبیاء کرام اور خصوصاً حضرت محمد علی جمیعہم الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت ہی کا پرتو اور اثر ہے اور ان کی روحانیت قیامت تک باقی رہے گی۔

حاضر و ناظر ہونے کی دو صورتیں ہیں

دراصل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل آپ اپنے مقام پر ہیں اور تمام اشیاء آپ کے سامنے موجود ہیں۔ آپ سب کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ یہ صورت قبل از ظہور اور بعد از ظہور سب کو شامل ہے۔ دوم آپ اپنے جسم اطہر کے ساتھ ہر جگہ موجود ہوں، یہ صورت خاص ہے اور آپ کی مشیت پر موقوف ہے۔ جب چاہیں دو چار دس بلکہ ہزار دو ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ مقامات پر بیک وقت بذات خود تشریف لے جائیں اور آپ کا مقام خاص بھی آپ سے خالی نہ ہو۔

صورت اوّل کی توضیح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ محققین کہتے ہیں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اور پھر بھی ہر

جگہ موجود ہے اور آپ کے بارے میں بھی جِئْنَابِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا آیا ہے۔ اور آپ سب کی گواہی دیں گے لہٰذا حاضر و ناظر ہوئے۔ قرآنِ پاک اور احادیثِ پاک ہمیں یہی بتلاتی ہیں کہ شاہد و شہید کے معنی حاضر ہی کے آتے ہیں اور گواہ پر شاہد کا اطلاق بھی اسی وجہ سے ہے کہ وہ موقع پر موجود ہوتا ہے۔ اور شہادۃ بالتسامع بعض معاملات میں جائز و مقبول اور اکثر میں مردود ہے جیسا کہ کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ اس صورت اوّل کی تائید میں علماءِ محققین اور اولیاءِ کاملین کے اقوال نقل کرنے سے قبل ہم خان صاحب کے کان کھول دینا چاہتے ہیں کہ آپ کی یہ لن ترانی ہرگز مسموع نہیں کہ اس باب میں مفسرین اور اولیاء کرام اور محدثین کی ذاتی رائے نہ سنی جائیگی کیا یہ لوگ قرآن و حدیث سے ناواقف تھے یا عربی زبان نہ جانتے تھے؟ اگر یہی بات ہے تو آپ جیسی لومڑی کا اس جنگل میں کون سا حصّہ ہے؟ کیا خان صاحب کہیں نسوار شریف کے نشہ میں تو نہیں رہتے؟ (محصلہ ص۵۲، ص۵۳)۔

الجواب:۔ قارئین کرام! اتبرید النواظر میں اس کی مبسوط اور مدلل بحث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی سمیع، بصیر، علیم، حفیظ اور رؤف وغیرہ کی صفت آئی ہے اور مخلوق کے لئے بھی۔ مگر الگ الگ معنی میں جس معنی میں خدا تعالیٰ سمیع و بصیر ہے وہ اور ہے اور جس معنی میں انسان سمیع و بصیر ہے وہ اور ہے۔ ؎

گر فرق مراتب نکنی زندیقی

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے شہید کے اور معنی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اور معنی ہیں۔ اگر آپ کے حق میں اس کا معنی حاضر و ناظر ہوتا تو نصوصِ قطعیہ اس کا رد نہ کرتیں اور حضرات فقہاء کرام کا محتاط گروہ اور طبقہ اس شخص کی تکفیر نہ کرتا جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجلسِ نکاح میں حاضر مانتا اور گواہ تسلیم کرتا ہے۔ مگر کیا کیا جائے اہلِ بدعت کی گاڑی ہی بغیر اس کے نہیں چلتی جب تک کہ خالق و مخلوق کو گڈمڈ نہ کیا جائے اور خالق کی صفات مختصہ کو مخلوق میں تسلیم نہ کیا جائے (معاذ اللہ تعالیٰ) اور اگر یہی معنوں میں گواہ ہونے کی

وجہ سے آپ کو حاضر و ناظر تسلیم کیا جاتا ہے تو تبرید النواظر میں سیر حاصل بحث اس پر موجود ہے کہ اس امت کو بھی حاضر و ناظر تسلیم کرو۔ کیونکہ نص قرآنی کے مطابق یہ تمام امت پہلی امتوں پر گواہ ہوگی اور ان کے لئے بھی شہداء کا لفظ موجود ہے پھر آپ علیہ السلام کی کیا خصوصیت رہی؟ آپ لوگوں کو یہ دعویٰ کرنا چاہیئے کہ ساری امت ہر مکان اور ہر زمانہ میں حاضر و ناظر ہے۔ صوفی صاحب بتلائیے کہ کیا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کے الفاظ قرآن کریم میں موجود نہیں ہیں؟ اور کیا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ کے الفاظ حدیث میں مذکور نہیں ہیں؟ اور آپ خود لکھتے ہیں کہ قرآن اور احادیث ہمیں بتلاتی ہیں کہ شاہد اور شہید کے معنی حاضر و ناظر ہی کے آتے ہیں۔ کیا یہ امت سب حاضر و ناظر ہے؟ للہ کچھ تو فرمائیے کہ بات کیا ہے مالکم لا تنطقون اور آپ نے تبرید النواظر میں پیش کردہ دیگر دلائل کا اور لشہادتنا احق من شہادتہما کا جواب کیوں نہیں دیا؟ جس میں موقع پر غیر حاضر ورثاء میت نے گواہی دی اور قرآن کریم میں اس پر لفظ شہادت اطلاق ہوا کیا یہ قرآن کریم کا حکم اور الفاظ نہیں ہیں؟

الشہادۃ بالتسامع باقی الشہادۃ بالتسامع کا فی الجملہ ثبوت ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ ہر مقام پر شاہد کے لئے حاضر اور موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہم نے تبرید النواظر میں یہ کہا اور اب بھی صاف لفظوں میں اصولی بات کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفسیر کے مقابلہ میں حضرات مفسرین کرامؒ وغیرہم کی ذاتی رائے ہرگز مسموع نہیں وہ خود قابل تاویل ہے جہاں ان کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفسیر سے متصادم نہ ہو وہاں علی الراس والعین ہمیں ان کی بات اور تفسیر ماننے بغیر کیا چارہ ہے؟ وہ حضرات عربی دان بھی ہیں اور خادم دین بھی لیکن یہ آپ کا انتہائی دجل ہے کہ ہماری پوری پوری عبارات کا حوالہ نہیں دیتے اور عوام کو بلاوجہ متنفر کرنے کے لئے ایک طرفہ کارروائی کرتے ہیں اگر علمی جنگل میں بقول آپ کے میرے

جیسی لومڑی کا کوئی حصہ نہیں تو یقین جانیئے کہ حوالوں میں کتر و بیونت کرنے والے آپ جیسے جنگلی چوہے کا بھی کوئی مقام نہیں ہے۔ راقم بحمد اللہ نسوار کا سرے سے عادی ہی نہیں ہے لیکن آپ کی ملنگانہ بے ربط اور بے سروپا باتوں سے ضرور شبہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے اعلیٰ حضرت کی طرح حقہ شریف کے دلدادہ ہیں اور سوٹا لگا کر کچھ کا کچھ کہہ اور لکھ مارتے ہیں جو اس کا مصداق ہوتا ہے کہ ؂

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

تفسیر بالرائے حرام ہے مگر کسی معتبر اور مستند مفسر نے اپنی رائے سے تفسیر نہیں کی۔ جہاں جن حضرات کو آپ اپنا ہمنوا سمجھتے ہیں وہ آپ کے ساتھ ہرگز نہیں ہیں۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ ہاں اجتہادی لغزش جدا بات ہے لیکن ایسی زلت سے عدالت بھی ساقط نہیں ہوتی چہ جائیکہ دوزخ ان کا ٹھکانا ہو۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) علماء کرام رحکا یہ مقولہ شاید آپ نے سنا ہوگا ان زلة العلمية لاتسقط بها العدالة باقی صاوی وغیرہ غیر مستند مفسرین کا معاملہ جدا ہے۔ صوفی صاحب نے صہ اور صہ میں شیخ اکبرؒ کی ایک تو وہ عبارت پیش کی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور ایک اور پیش کرتے ہیں جس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ قطب واحد پس وہ روح ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور وہ مددگار ہے تمام انبیاء اور رسولوں اور قطبوں کی ابتداء انسانیت سے لے کر یوم قیامت تک۔ (فتوحات ۱۴ ب صہ ۱۹۴)

الجواب :۔ نہ معلوم اس عبارت سے مسئلہ حاضر و ناظر کا کیا ربط اور تعلق ہے آپ کا مولوی محمد عمر صاحب کی طرح خواہ مخواہ کچھ لکھ دینا یا کہہ دینا نہ تو دلیل و برہان بن سکتا ہے اور نہ اعتراض۔ ان متصوفانہ عبارات میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک تمام حضرات انبیاء کرام و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اقطاب کے لئے منبع اور مرکز کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی منبع فیض سے ہر ایک کو اور ہر طرف روحانی فیض پہنچا اور سبھی آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کے پابند تھے۔ اس

میں کیا شک اور شبہ ہے ؟ ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

آپ کا نام شہید تھا

صوفی صاحب نے صفحہ ۵۵ میں شیخ عبدالکریم جیلی رح کی کتاب الکمالات الالٰہیۃ فی الصفات المحمدیہ کا حوالہ نقل کیا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ "آپ کا نام شہید بھی ہے۔ پس نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام متصف تھے صفت شہید کے ساتھ اور دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا شہید کا قول ارسلناك علیھم شھیدًا ہے۔ پس آپ شہید مطلق ہیں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لئے۔"

الجواب :- اس عبارت میں شہید کا لفظ ہے اور تبرید النواظر میں بخاری شریف وغیرہ کی صحیح حدیث کی روشنی میں اس کا جو معنیٰ کیا گیا ہے وہی مراد ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ اپنی امت کی شہادت پر صفائی دیں گے اور آپ کی شہادت اور آپ کی اُمت کی شہادت پر پہلی اُمتوں کی قسمت کا فیصلہ ہوگا۔ اس لفظ شہید کا متنازع فیہا حاضر و ناظر کے مسئلہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ چونکہ ان عبارات سے مسئلہ حاضر و ناظر ثابت نہیں ہوتا۔ اسلئے خود صوفی صاحب نے دبی زبان سے اس کا اقرار کیا ہے اور یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ "صوفیاء اکرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی عبارات چونکہ عوام کے فہم سے بالاتر ہیں اس لئے ہم ان ہی چند حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ تو (مسئلہ سے بالکل غیر متعلق۔ صفدر) بے شمار عبارات نقل کی جا سکتی ہیں جن سے مسئلہ بالکل واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے" (صفحہ ۵۶) جناب! ایسا ہی جیسے ان سابق عبارات سے ثابت ہوا ہے۔ بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ع

بس کن استاد جی معلوم شد بافندگی

حضرت مُلّا علی ن القاری رح نے شہید کا معنیٰ حاضر و ناظر کیا ہے

صوفی صاحب صفحہ ۵۶ میں لکھتے ہیں کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث آتی ہے جو کذٰلك جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء

علے الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا سے متعلق ہے۔امام الاحناف مجددِ وقت علی بن سلطان قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں (ہم ان کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں صفحہ) اس حدیث میں تنبیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۸۵) نیز فرماتے ہیں۔"بعید نہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت نوح علیہ السلام کے لئے بھی گواہی دیں گے کیونکہ وہ مقامِ مدد ہے۔" (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۸۵) (ملخصًا)

الجواب:- بلاشک پہلی عبارت ان کی واضح اور مطابقی دلیل بن سکتی تھی کیونکہ اس میں آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی بھی تصریح ہے اور حاضر وناظر کے الفاظ بھی بالکل صاف موجود ہیں اور حضرت ملا علی ن القاری رح صرف صوفی ہی نہیں بلکہ مستند اور قابلِ حجت حنفی عالم بھی ہیں۔مگر اس کو کیا کیا جائے کہ یہاں بھی صوفی صاحب نے اپنے استاد کی طرح انتہائی دجل اور تلبیس کا ثبوت دیا ہے مگر باایں ہمہ ان کو شرم بھی نہیں آئی۔افسوس ہوتا ہے ایسی بددیانتی پر۔لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

حاشیہ کی پوری عبارت ملاحظہ کرنے سے پہلے اس حدیث شریف کا ترجمہ سن لیں جس کی شرح میں حضرت ملا علی ن القاری رح نے یہ الفاظ لکھے ہیں "حضرت ابوسعید لخدری رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا۔سو ان کو کہا جائے گا کیا تو نے تبلیغ کی تھی؟ وہ فرمائیں گے ہاں اے میرے رب۔میں نے تبلیغ کی تھی۔ان کی امت سے سوال کیا جائے گا۔کیا نھوں نے تمھیں تبلیغ کی تھی؟ ان کی منکر امت کہے گی کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو کہا جائے گا اے نوح تیرے گواہ کون ہیں؟ وہ فرمائیں گے۔میرے گواہ حضرت مد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہے۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فیجاء بکم فتشھدون انہ بلغ سو تمھیں (عدالت میں) لایا جائے گا پس م گواہی دو گے۔پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی؛ وکذلک جعلناکم

امۃ وسطا لتکونوا شہداء علے الناس ویکون الرسول علیکم شہیدًا (رواہ البخاری ج ۲ ص ۱۰۹۲، مشکوٰۃ ص ۴۸۵) اس حدیث میں فیجاء بکم الخ کی شرح میں ملا علی ن القاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

وفیہ تنبیہ نبیہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر فی ذٰلک العرض الاکبر فیؤتی بالرسل واولھم نوح علیہ السلام ویؤتی بشھودھم وھم ھٰذہ الامۃ انتھٰی (حاشیۃ مشکوٰۃ ص ۴۸۵)

اس حدیث میں بڑی شان والی تنبیہ ہے (صوفی صاحب نبیہ کا معنی ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے چھوڑ گئے ہیں۔ صفدر) کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بڑی پیشی میں حاضر و ناظر ہوں گے سو پیغمبروں کو لایا جائے گا اور ان میں اوّل حضرت نوح علیہ السلام ہوں گے اور ان کے گواہوں کو بھی لایا جائے گا اور ان کے گواہ یہ اُمت ہے۔

صوفی صاحب کا کمال اور دیانت ملاحظہ کریں کہ حاضر و ناظر تک کا مفید مطلب جملہ تو نقل کر دیا ہے اور آگے جس عبارت سے حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے اس کو گیارھویں شریف کا میٹھا دودھ سمجھ کر پی گئے ہیں اور خود اپنی کتاب کے ص ۲۶ میں لکھتے ہیں کہ "یہ بات ہم اپنے تجربہ کی بنا پر کہتے ہیں کہ کوئی وہابی دانش مند اور دیانت دار نہیں ہوتا۔ دروغ گوئی اور قطع برید ان کا جزوِ ایمان ہے" (بلفظہ) فرمایئے صوفی صاحب! کیا یہ تجربہ اور ریسرچ آپ پر فٹ نہیں بیٹھتا؟ اس عبارت کا مطلب تو بالکل واضح ہے کہ قیامت کے دن میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر بھی ہوں گے اور عدالت میں جو کارروائی ہوگی، اس کے ناظر بھی ہوں گے۔ میدانِ محشر میں حاضر و ناظر ہونے کا اس دنیا میں حاضر و ناظر کے اس مسئلہ سے کیا تعلق ہے، جس میں نزاع و اختلاف ہے؟ باقی حضرت ملا علی ن القاری رہ کا دوسرا حوالہ تو اسی پہلے کا تتمہ ہے۔ صوفی صاحب نے محض کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے بھرتی کا اضافہ کیا ہے کہ لوگ داد دیں کہ صوفی صاحب نے

اتنے حوالے پیش کر دیئے ہیں ۔

حقیقتِ محمدیہ | متوفی صاحب حضرت شیخ عبدالحق رح کی اشعۃ اللمعات ج۱ صفحہ ۴۳۰ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ السلام علیک ایھا النبی کا خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام موجودات کے تمام ذروں اور تمام افراد میں سرایت کئے ہوئے ہے (صفحہ ۵۶) ۔

الجواب :۔ متوفی صاحب علمِ تصوف کی حقیقتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ والسلام) کی اصطلاح ہی سے واقف نہیں ہیں ۔ اس کا مسئلہ حاضر وناظر سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ۔ حضرت مولانا شاہ ابو سعید فاروقی مجددی رح (المتوفی ۱۲۵۰ھ) اپنی کتاب ہدایۃ الطالبین میں لکھتے ہیں (جس کا ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی حیدر آباد نے کیا ہے) جاننا چاہیئے کہ وہ صوفیہ جو توحیدِ وجودی کا احوال رکھتے ہیں اور وحدت وجود کے قائل ہیں ۔ اس وجود کے پانچ مراتب متعین کرتے ہیں ۔ ان کو حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں ۔ پہلا مرتبہ جو محض احدیت پر متعین ہوا ہے ۔ اسے وحدت کا پہلا تعین کہتے ہیں اور اس مرتبہ یا مقام پر پہلے تعین کا اثبات کرتے ہیں جو علمی اور اجمالی تعین ہے ۔ اس مرتبے کو تعینِ اول اور حقیقۃ الحقائق اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مرتبہ لاہوت بھی کہتے ہیں " اھ (ترجمہ ہدایۃ الطالبین صفحہ)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رح حقیقتِ کعبہ ، حقیقتِ صلوٰۃ اور حقیقتِ قرآن بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں : دوم بعد کمالات ثلاثہ دائرہ محبت است چوں بداں مرکز رسیدہ می شود آں مرکز دائرہ ظاہر می شود کہ محیط آں صرف محبت است کہ مبداء تعین موسیٰ کلیم اللہ است علیہ السلام آنرا ولایت موسوی می گویند و مرکز آں محبوبیت است چوں بداں مرکز رسیدہ می شود آں مرکز ہم دائرہ ظاہر می شود کہ محیط آں محبوبیت متمزجہ است کہ آں را حقیقت محمدی و ولایت محمدی گویند و آں مربی و مبداء تعین جسدی سرورِ انبیاء است صلی اللہ علیہ وسلم باعتبار نام پاک او محمد و مرکز آں محبوبیت صرف است کہ آں را حقیقت و

ولایت احمدی گویند و مبداء تعین رُوحی آنسرور است باعتبار نام پاک او احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اھ (کلمات طیبات ص۱۱۱ مکتوبات قاضی صاحبؒ)

اور صراطِ مستقیم ص۲۹۹ میں ہے۔ "تیسری وہ محبیت جو محبوبیت تک پہنچ جائے۔ یہ بے شک خلّت سے بہت بلند ہے اور جس طرح کہ ابھی آئے گا حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشاء ہے چونکہ اس جگہ مراتبِ ولایت کا بیان ہو رہا ہے اور ولایت کا مدار اور دوام حضور پر ہے اور یہ بات محبّیت میں خلّت سے زیادہ ہے۔ الغرض مسئلۂ حاضر و ناظر اور علمِ غیب سے حقیقت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔"

جامع البرکات

صوفی صاحب جامع البرکات کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔ "یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اُمت کے احوال و افعال پر مطلع ہیں اور اپنے مقربان اور خواص کے مدد فرمانے والے اور فیض پہنچانے والے ہیں اور حاضر و ناظر ہیں" (ص۵۷)۔

الجواب:۔ حضرت شیخ صاحبؒ کی اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ برزخ میں آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر اُمت کے بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس لئے آپ ان پر مطلع ہو جاتے ہیں اور برزخ ہی میں حاضر اور وہاں ہی اعمال کو دیکھتے ہیں۔ اور اپنے مقربین اور خواص کے لئے دُعا وغیرہ سے مدد کرتے اور فیض بھی پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ خود صوفی صاحب نے ص۵۵ میں علامہ سیوطی رح کی انباہ الاذکیاء فی حیات الانبیاء ص۸ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:۔ "عالمِ برزخ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جملہ اشغال میں سے یہ امور بھی ہیں۔ اُمت کے اعمال میں نظر، ان کے گناہوں کی بخشش کی دُعا اور ان سے مصیبت دُور کرنے کے لئے دُعا کرنا اور روئے زمین میں (احیاناً بشرطیکہ یہ کسی صحیح دلیل سے ثابت ہو۔ صفدر) برکت دینے کے لئے آجانا اور اپنی اُمت کے اولیاء کے جنازوں میں شرکت کرنا۔ (صوفی

صاحب لکھتے ہیں کہ کیا یہ غیر حاضر و ناظر کے کام ہیں ؟" ص۵۸ ۔ اس عبارت کے پیش نظر آپ تو صرف اپنی اُمت کے اولیاء کے جنازوں میں شرکت کرتے ہیں۔ اس سے عمومی حاضر و ناظر کیسے ثابت ہؤا ؟ اور بقیہ اُمور تو برزخ میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ صفدر) حضرت شیخ عبدالحق صاحب ؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ انی لاراکم ورآء ظهری کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ "تو جان کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آگے اور پیچھے دیکھنا خرق عادت کے طور پر تھا، وحی یا الہام کے ذریعہ اور کبھی کبھی ہوتا تھا، دائمی نہ تھا اور اس کی مؤید وہ حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اُونٹنی گم ہوگئی اور پتہ نہ چل سکا کہ کہاں ہے تو منافقوں نے کہا کہ محمد (صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ میں آسمان کی خبر جانتا ہوں لیکن وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ اُن کی اُونٹنی کہاں ہے ؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بخدا میں نہیں جانتا مگر صرف وُہی کچھ جو اللہ تعالیٰ مجھے بتاتا ہے۔ ابھی میرے رب نے مجھے بتایا ہے کہ اُونٹنی فلاں اور فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی ٹہنی اور شاخ میں پھنسی ہُوئی ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا کہ میں بشر ہُوں اور حق تعالےٰ کے بتلائے بغیر نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے؟" (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۳۲۹ ۔ ان کا یہ مفصل حوالہ پہلے گزر چکا ہے) اور حدیث ما المسئول عنها باعلم من السائل کی تشریح میں لکھتے ہیں یعنی نیستم من داناتر ازتو بداں یعنی من وتو ہر دو برابریم در ناد انستن آں بلکہ ہر سائل و مسئول ہمیں حال دارد کہ آں راجز خداوند تعالیٰ کسے نداند و وے تعالیٰ ہیچکس را از ملائکہ و رسل براں اطلاع نداده۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۳۴)۔

تفسیر عزیزی

متوفی صاحب لکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب ؒ تفسیر عزیزی میں ویکون الرسول علیکم شهیدا کے تحت لکھتے ہیں۔ تمہارے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تم پر گواہ ہیں اس واسطے کہ آنحضرت بالواسطہ نورِ نبوت ہر دیندار

کے رُتبہ دین پر مطلع ہیں کہ وہ آپ کے دین میں کس درجہ پر ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کس حجاب نے اسے ترقی سے روکا ہوا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گناہوں، درجاتِ ایمان، اچھے اور بُرے اعمال، اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں لہٰذا آپ کی گواہی دُنیا میں شرع کے حکم سے اُمّت کے حق میں مقبول اور واجب العمل ہے۔ (ص۵۷)

الجواب:۔ جیسے مومن کسی وقت فراستِ ایمانی اور بصیرتِ رُوحانی سے کشف کے طور پر (جو ظنی ہوتا ہے) بعض اُمور کا ادراک کر لیتا ہے، اس سے بڑھ کر آنحضرت صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نورِ نبوت اور بصیرتِ پیغمبری کے واسطہ سے نیک و بد اور اعمالِ حسنہ اور سیئہ کا ادراک فرما لیتے تھے، اسی طرح مومن و منافق کا ادراک بھی فرما لیتے تھے لیکن یہ تجربہ، فراست اور قرائن و شواہد کے ساتھ ہوتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ سو آپ ان کو ان کی علامات سے پہچان لیں گے اور نیز فرمایا، وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ آپ ان کو بات کے ڈھب اور طرزِ کلام سے پہچان لیں گے۔ اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ قطعی اور یقینی طور پر ہر ایک کا ایمان و کفر اور اخلاص و ریاء وغیرہ آپ جانتے تھے، یہ علمِ غیب ہے اور اللہ تعالٰے کے بغیر اس کو کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب عقائدِ باطلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔ "اماموں اور ولیوں کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر جاننا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے لوازمِ اُلوہیت جیسے علمِ غیب اور ہر ایک کی فریاد کو ہر جگہ سے سُننا (جب وہ حاضر و ناظر ہوئے تو ہر جگہ ہی سے سُنیں گے۔ صفدر) اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کرنا" (تفسیر عزیزی پارہ اول ص۵۲) اور نیز تحریر فرماتے ہیں:۔ "سب سے پہلے جس مبارک ذات پر قرآنِ کریم نازل ہوا تھا یعنی آنحضرت صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی مقدس ہستی، وہ دیگر اقوام کے معانی اور لغات بلکہ ہر فرقہ کے مخارجِ حروف اور لہجہ کلام کو ہرگز نہ جانتی تھی" (فتاوی عزیزی ج۱ ص۱۳۲)۔

ان تصریحات کی موجودگی میں کوئی شخص ان کی قدرے مجمل عبارتوں سے علمِ غیب کُلی اور

ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرتا ہے اور فکرِ آخرت سے بے نیاز ہو کر لوگوں کو دھوکا دیتا ہے تو اس کا ہمارے پاس کیا علاج ہے؟ بلکہ وہ جس چیز کو اپنا علاج سمجھے گا وہی اس کی بیماری کے اضافہ کا ذریعہ ہوگی کیونکہ :۔ ؎

دوا ترقی کی میں نے دیکھی بصد ادب ہے یہی گزارش
مرض ترقی کرے گا اس سے مریض اچھا نہ ہو سکے گا!

علاوہ ازیں یہ شناخت علمِ غیب کی وجہ سے نہیں بلکہ عرض بعض اعمال کی وجہ سے ہے چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں :۔ " زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود الیٰ ان قال و ازیں است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلانے امروز چنیں میکند و فلانے چناں تا روزِ قیامت شہادت تواند کرد " الخ (تفسیر عزیزی سورۂ بقر ص۵۱۸ طبع مجتبائی دہلی) اس تفصیلی عبارت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دین دار لوگوں کے بعض حالات پر علمِ غیب کی وجہ سے نہیں بلکہ عرض بعض اعمال کی وجہ سے اطلاع دی جاتی ہے اور ایسی اطلاع دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی دی جاتی ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے اور یہ عرض اعمال بھی صرف اجمالی ہے تفصیلی نہیں۔ کیونکہ تفصیلی عرض سے علمِ غیب لازم آتا ہے اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں چنانچہ وہ عقائدِ باطلہ میں افراط و تفریط کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

" یا رتبہ ائمہ و اولیاء برابر رتبہ انبیاء و مرسلین گرداند و انبیاء و مرسلین را لوازم الوہیت از علمِ غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کند و ملائکہ و ارواح انبیاء و اولیاء را در پردۂ صور و تماثیل و قبور و تعزیہ ہا معبود سازد و رزق و فرزند و خدمت و منصب از ایشاں بالاستقلال درخواست کند و شفاعت و عرض ایشاں را در جناب او تعالیٰ واجب القبول گو مکروہ آنجناب باشد بداند " الخ (تفسیر عزیزی سورۂ بقر ص۴۴)

خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھیں۔ اگر حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے نزدیک

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کلی غیب حاصل ہے یا آپ ہر ایک کی فریاد ہر جگہ سنتے ہیں (یعنی حاضر و ناظر ہیں) تو پھر وہ ان امور کو عقائدِ باطلہ میں کیوں شمار کرتے ہیں؟ نیز حضرت شاہ صاحبؒ تلاوت قرآن کریم اور ذکر اور کثرت سے نوافل پڑھنے والے کی حدیث کنت سمعہ الذی یسمع بہ الحدیث کی روشنی میں اللہ تعالیٰ سے تقرب کی نسبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- "لیکن ایں تقرب خاص بذات او تعالیٰ است اگر کسے خواہد کہ بایں طریق تقرب بیکے از مخلوقات تقرب پیدا کند ممکن و مطرد نیست و سببش آنست کہ دریں نوع متقرب الیہ را دو چیز میباید اول احاطۂ علمی باذکار قلبیہ و لسانیۂ ذاکرین با وصف تخالف امکنہ و ازمنہ و مدارک والسنہ تا ذکر قلبی و لسانی ہر ذاکر را معلوم کند دوم قوت نزدیک شدن در مدرکۂ او در آمدن آں را پر کردن و حکم صفت او پیدا کردن کہ در عرف شرع آں را دنو و تدلی و نزول و قرب خوانند و ایں ہر دو صفت خاصۂ ذات پاک او تعالیٰ است ہیچ مخلوق را حاصل نیست آری بعضی کفرہ در حق بعضی از معبودان خود و بعضی پیر پرستان از زمرۂ مسلمین در حق پیران خود امر اول (احاطۂ علمی۔ صفدر) را ثابت میکنند و در وقت احتیاج بہمیں اعتقاد باآنہا استعانت می نمایند اما مطرد نمی باشد و در حقیقت در اشتباہ واقع شدہ اند الیٰ ان قال و دیگر مخلوقات ہر چند روحانیات باشند اول علم محیط ندارند کہ بر ذکر ہر ذاکر مطلع شوند۔ دوم استیلائے دائمی بر روح ذاکر نمی توانند کرد کہ یشغلہم شان من شان و او تعالیٰ لایشغلہ شان عن شان" الخ۔ (تفسیر عزیزی پارۂ تبارک سورۂ مزمل ص۱۸۱۔ طبع محمدی لاہور)۔ اس سے معلوم ہوا کہ احاطۂ علمی بجز پروردگار کے کسی کو بھی نہیں ہے اور نہ ہر ذاکر کے ذکر پر بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو اطلاع ہو سکتی ہے۔

کتاب الابریز کا حوالہ

مؤلف صاحب نے ص۵۸، ص۵۸ میں کتاب الابریز ص۲۴۷ کا حوالہ دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک تمام ارواح کی بادشاہ اور اسے تمام جہانوں کی چیزوں پر اطلاع ہے کیونکہ وہ علم و نظر کے اعتبار سے عظیم تر اور قوی روح ہے۔ (محصلہ)

الجواب :- اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت عامہ ہے اور تمام جہانوں کی خیرخواہی اور بھلائی کا جذبہ بھی آپ میں علیٰ وجہ الاتم موجود ہے اس لئے تمام جہانوں کے لئے جن کاموں کی ضرورت ہے جن سے وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر سکتے ہیں یا جن امور سے اجتناب کر کے وہ عذاب اور سزا سے بچ سکتے ہیں اصولی طور پر آپ کی نظر ان تمام کاموں پر ہے۔ غرضیکہ آپ نے ان کی تبلیغ اور خلق خدا کی خیرخواہی پر کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کیونکہ بفضلہ تعالیٰ آپ سردارِ دوجہاں ہیں اور زمین پر آپ ہی کی شریعت نافذ ہے اور آپ ہی کی سب پر بادشاہی ہے۔

شہید بمعنی عالم بعلم مشاہدہ

صوفی صاحب نے ص۵۸ میں امام سیوطیؒ اور صاوی شریف ج ۲ ص۸۱ کے حوالہ سے شہید کا معنی عالم بہ علم مشاہدہ۔ اور شہید اُسے کہتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو نقل کیا ہے۔

الجواب :- بلاشبہ اللہ تعالےٰ کے حق میں شہید کا یہی معنی ہے لیکن مخلوق کے لئے یہ معنی نہیں ہو سکتا۔ کما مرّ مرارًا اور خود صوفی صاحب کو مسلّم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور عام انسانوں کے بارے میں ایک ہی لفظ استعمال ہو تو اس کا ترجمہ ہر ایک کی شان کے مطابق کرنا چاہیئے اور یہ قاعدہ بھی درست ہے الخ (تنویر الخواطر ص۱۵۰)۔

آپ ؐ کاملین سے پوشیدہ نہیں ہوتے

صوفی صاحب نے ص۵۹ میں امام شعرانیؒ کی ..... بہجۃ النفوس والاسماع اور مشارق الانوار ص۶۳ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ بعض اکابرین اولیاء کرامؒ کے بعض مخصوص کمالات ہیں۔ ان کمالات مخصوصہ میں سے ایک شدید ترین وہ قرب بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ پس نہیں پوشیدہ ہوتے رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اُن سے۔ بعض نے کچھ حدیثیں بھی بیان کر کے ان کی تصحیح کی ہے۔ بعض حفاظ (حدیث) نے ظاہر نقل کے اعتبار سے ان کو ضعیف کہا ہے۔ ان بزرگوں میں سیدی علی الخواصؒ، افضل الدین، علامہ سیوطیؒ، شیخ نورالدین شونیؒ اور

شیخ محمد صوفی رہ ہیں (محصلہ)

الجواب :۔ حضرات صوفیاء کرام رہ کے نزدیک تصور شیخ کا ایک مسئلہ ہے اور وہ ہر وقت اپنی نگاہ میں اپنے شیخ کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس کے جواز اور عدم جواز میں خاصا جھگڑا ہے اور عوام و خواص اور اہل و غیر اہل کا فرق بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ شیخ المشائخ ہیں اس لئے آپ سے قرب و محبت حاصل کرنے کی خاطر اگر یہ حضرات ہر وقت دن اور رات کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تصور کے طور پر پیش نظر رکھتے ہوں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ لیکن اس سے حاضر و ناظر کے مسئلہ کا کیا تعلق ہے؟ آپ خیر سے صوفی تو ہیں مگر افسوس صد افسوس کہ حضرات صوفیاء کرام کی واضح اصطلاحات سے بھی کورے ہیں۔ سچ ہے :

ع نہ ہر کہ موئے بہ افروخت دلبری داند

علامہ قسطلانی رہ کا حوالہ

صوفی صاحب نے ص۵۹ میں علامہ قسطلانی رہ کی عبارت نقل کر کے یوں ترجمہ کیا ہے :۔ "آپ کے اپنی اُمت کو مشاہدہ کرنے اور ان کے احوال، نیتیں، عزائم، ارادے جاننے کے اعتبار سے آپ کی موت اور حیات میں کوئی فرق نہیں یہ سب کچھ آپ پر بلا خفا روشن ہے" (مختصر مواہب لدنیہ ص۳۸۱)

الجواب :۔ اوّلاً یہ عبارت علامہ قسطلانی رہ کی دیگر صریح عبارات سے متعارض ہے مثلاً یہ کہ امام داؤدی رہ نے یہ فرمایا تھا کہ حدیث میں من حدثک ان محمدًا یعلم الغیب کا جملہ محفوظ نہیں کیونکہ اس کا تو کوئی شخص بھی مدعی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تھا۔ اس کا رد کرتے ہوئے علامہ قسطلانی رہ فرماتے ہیں کہ :۔

بان بعض من لم یرسخ فی الایمان کان یظن ذلک حتی یری ان صحة النبوة تستلزم اطلاع النبی علی جمیع المغیبات فتح مغازی

بے شک بعض ایسے لوگ جن کا ایمان راسخ نہیں (مثلاً منافق اور صوفی اللہ دتہ صاحب اور ان کی پارٹی۔ صفدر) وہ یہ خیال کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کا

ابن اسحاق الیٰ قولہ فاعلم صلی اللہ علیہ وسلم انہ لا یعلم الغیب الا ما علمہ اللہ تعالیٰ (ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۲۹۶)

یہ نظریہ ہے کہ نبوت کی صحت اس بات کو مستلزم ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام مغیبات پر اطلاع ہو چنانچہ ابن اسحاق رح مغازی میں واقعہ نقل کرتے ہیں (اس کے بعد اونٹنی کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں) پس آپ نے صاف طور پر بتا دیا کہ آپ غیب نہیں جانتے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا ہے۔

یہ اور اس قسم کی دیگر عبارات صاف طور پر اس کی نفی کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا۔ وثانیاً علامہ قسطلانی رح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری کے شرعی اور اخلاقی آداب بتلاتے ہوئے یہ بتاتے اور یہ سبق دیتے ہیں کہ وہاں حاضری دینے والا صد ادب و احترام اور نہایت تعظیم و تکریم کو ملحوظ رکھے اور یہ سمجھے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہاری آمد و خلوص اور حاضری کا مشاہدہ فرما رہے ہیں کیونکہ اس ادب و تعظیم کے سلسلہ میں آپ کی حیات اور وفات میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں کہ:-

ویلازم الادب والخشوع والتواضع غاض البصر فی مقام الھیبۃ کما کان یفعل بین یدیہ فی حیاتہ اذھو حی ویستحضر علمہ بوقوفہ بین یدیہ وسماعہ بسلامہ کما ھو فی حال حیاتہ اذ لا فرق بین موتہ وحیاتہ فی مشاھدتہ لامتہ ومعرفتہ باحوالھم ونیاتھم وعزائمھم وخواطرھم	وہ ادب عاجزی اور تواضع کو لازم پکڑے اور بس ہیبت کے مقام پر اپنی آنکھ بند کرلے جیسا کہ آپ کے سامنے آپ کی زندگی میں ایسا کرتا تھا۔ کیونکہ آپ زندہ ہیں اور اس بات کو پیش نظر رکھے کہ آپ اپنے سامنے اس کے کھڑے ہونے کو جانتے اور اس کے سلام کو سنتے ہیں جیسا کہ آپ کی زندگی کی حالت میں تھا کیونکہ آپ کی وفات و حیات کا

وذلك عنده جلي ظاهر لاخفاء به باطلاع
الله تعالى له على ذلك فان قلت
هذه الصفات المذكورة من معرفته
الى هنا مختصة بالله تعالى فالجواب
ان من انتقل الى عالم البرزخ من
المؤمنين الكاملين يعلم
احوال الاحياء غالبا باعلام الله تعالى
لهم كما في حديث تعرض الاعمال كل يوم
الخميس والاثنين على الله تعالى وتعرض
على الانبياء والآباء والامهات يوم الجمعة
فيفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم
بياضا واشراقا فاتقوا الله ولا تؤذوا
موتاكم رواه الترمذي الحكيم وقد
وقع كثير من ذلك كما هو مسطور في
مظنة ذلك من الكتب وقد روى
ابن المبارك عبد الله بذكره تستنزل الرحمة
عن سعيد بن المسيب قال ليس من يوم
الا وتعرض على النبي صلى الله عليه وسلم
اعمال امته غدوة وعشية فيعرفهم
بسيماهم واعمالهم فلذلك يشهد
عليهم يوم القيامة ويمثل بصور الزائر

اپنی اُمّت کے مشاہدہ کرنے اور ان کے احوال
ونیات وعزائم اور خطرات وغیرہ کے جاننے میں
کوئی فرق نہیں ہے اور یہ آپ کے ہاں روشن اور
ظاہر ہے اس میں کوئی خفاء نہیں کیونکہ اللہ تعالٰے
آپ کو اس پر مطلع کرتے ہیں۔ پس اگر تو کہے کہ یہ
صفات جن کا تذکرہ لفظ معرفتہ سے یہاں تک ہوا
اللہ تعالٰے کے ساتھ خاص ہیں (تو آپ کو کیسے حاصل
ہو گئیں؟) تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کامل مؤمنین
میں سے عالمِ برزخ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو وہ
غالباً زندوں کے احوال جانتا ہے اللہ تعالٰے کے انکو
بتانے کی وجہ سے جیساکہ حدیث میں آتا ہے کہ جمعرات
اور پیر کو اعمال اللہ تعالٰے کے سامنے پیش کئے جاتے
ہیں اور اسی طرح جمعہ کے دن حضرات انبیاء کرام
علیہم الصلوٰۃ والسلام اور باپ دادوں اور ماؤں پر
پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کی نیکیوں سے خوش
ہوتے ہیں اور ان کے چہرے مزید سفید ہو جاتے
اور چمکتے ہیں پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے مُردوں
کو (گناہ کرکے) اذیت مت دو۔ اس کو حکیم
ترمذی رح نے روایت کیا ہے اور اس قسم کے
امور بکثرت وقوع میں آچکے ہیں جیساکہ کتابوں میں
ان کے مظان میں یہ مسطور ہیں اور حضرت عبداللہ

وجهه عليه الصلوٰة والسلام في ذهنه ويحضر الزائر قلبه جلال رتبته وعلو منزلته وعظيم حرمته وان اكابر الصحب ما كانوا يخاطبونه الا كاخي السرار بكسر السين وراثين بينهما الف تعظيماً لما عظم الله من شانه اهـ (المواهب اللدنية مع شرح الزرقاني ج ۸ ص ۳۰۵)

بن المبارکؒ نے جن کے ذکر سے رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت کیا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں صبح اور پچھلے پہر آپؐ کی اُمت کے اعمال آپؐ پر نہ پیش کیے جاتے ہوں۔ پس آپؐ ان کو ان کی نشانیوں اور اعمال سے پہچانتے ہیں۔ اسی لئے قیامت کے دن ان پر شہادت دیں گے اور زیارت کنندہ آپؐ کے چہرہ اقدس کی صورت اپنے ذہن میں تصور کرے، اور اپنے دل میں آپؐ کے رتبہ کی جلالت اور علو منزلت اور بڑی عزت کو ملحوظ رکھے اور بے شک بڑے بڑے حضرات صحابہ کرام رضؓ آپؐ سے خطاب نہیں کرتے تھے مگر جیسا کہ سرگوشی کرنے والا اور یہ سب کچھ آپؐ کی تعظیم کی خاطر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بڑی شان عطا فرمائی ہے۔

یہ ساری عبارت بمع اس کی شرح کے ملاحظہ فرمائیں کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والے کو آداب بتلائے ہیں اور اس کی بھی تصریح ہے کہ زندوں کے حالات غالباً مُردوں کو پہنچتے ہیں لیکن عرض اعمال کی حدیث کے پیشِ نظر بایں طور کہ مُردے حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور ان کو علمِ غیب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اہلِ بدعت کا باطل دعویٰ ہے۔ اور اسی ادب و احترام اور تعظیم کا تذکرہ دیگر علماءِ ملت نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ علامہ السید عبداللہ بن السید الشریف السمہودی رحؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) امام غزالیؒ سے نقل کرتے ہیں

قال في الاحياء واعلم انه صلى الله عليه وسلم

امام غزالی رحؒ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ (اے

حالم بحضورك وقيامك و زيارتك وانه يبلغه سلامك وصلاتك فمثل صورته الكريمة فى خيالك واخطر عظيم رتبته فى قلبك اھ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۳۷)	زیارت کرنے والے) تو جان لے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیرے حاضر ہونے اور تیرے کھڑے ہونے اور تیری زیارت کو جانتے ہیں اور تیرا صلوٰۃ وسلام ان کو پہنچتا ہے سو آپ کی صورتِ کریمہ کو اپنے خیال میں رکھو اور اپنے دل میں آپ کے بلند مرتبہ کا تصور قائم کرو۔

یہ عبارت اپنے مدلول کے لحاظ سے بڑی روشن اور بالکل صاف اور بے غبار ہے۔

علامہ رحمۃ اللہ السندی الحنفی رح اپنی کتاب لباب المناسک میں اور حضرت ملا علی بن القاریؒ اس کی شرح المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط میں لکھتے ہیں کہ:۔

متمثلا صورته الكريمة فى خيالك بفتح الخاء اى فى تخيلات بالك لتحسين حالك مستشعرًا بانه عليه الصلوٰة والسلام عالم بحضورك وقيامك وسلامك اى بل بجميع افعالك واحوالك وارتحالك ومقامك وكانه حاضر جالس بازائك الخ (المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط ص ۳۳۵)	تم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورتِ کریمہ کو اپنے حال کے درست کرنے کے لئے اپنے خیال میں رکھو یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ تمہارے حاضر ہونے کھڑے ہونے اور سلام کہنے کو جانتے ہیں بلکہ یوں سمجھو کہ آپ تمہارے تمام افعال و احوال اور کوچ و مقام کو جانتے ہیں اور گویا کہ آپ حاضر اور تمہارے سامنے جلوہ گر ہیں۔

بلاشبہ ہر مسلمان پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و احترام لازم اور فرض ہے اور روضۂ اقدس پر حاضری کے موقع پر ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

جھوٹی تعلّی

صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ اعلان۔ طائفہ وہابیہ نجدیہ اگر اولیاء عارفین اور علماء وارثین سے حضور نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غیر حاضر و ناظر پر

ایک بھی حوالہ ثابت کر دیں تو ایک حوالہ کا ایک صد روپے انعام دیا جائے گا۔ (تنقید متین)

الجواب :۔ صوفی صاحب ہوش میں آکر بات کیجئے۔ انعام بازی اور چیلنج بازی سے ممکن ہے کہ آپ کے ناخواندہ کچھ حواری تو خوش ہو کر بغلیں بجانے لگیں لیکن اہل حق اور اہل علم کے سامنے تو ایسی ڈھینگیں مت ماریں۔ آپ کبوتر کی طرح آنکھیں کیوں بند کرتے ہیں؟ اولیاء عارفین اور علماء وارثین نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صرف حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہی نہیں کی بلکہ اس کو کفر بھی کہا ہے اور ذمہ دار حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے حوالے تبرید النواظر میں درج ہیں جن کے جوابات سے آپ بالکل قاصر اور یقیناً عاجز رہے ہیں جیسا کہ آگے بھی آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ صوفی صاحب۔ آپ تو اس کے مدعی ہیں کہ شاہد اور شہید کے معنی ہی حاضر کے آتے ہیں اور گواہ پر شاہد کا اطلاق بھی اسی وجہ سے ہے۔ آپ کا جی خوش کرنے کے لئے صرف ایک ابتدائی کتاب کا حوالہ ہی ہم آپ کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں تاکہ مزاج شریف درست ہو جائے اور دماغ مبارک سنٹر میں آجائے۔ ولی کامل عارف باللہ فقیہ وقت مفتی دوراں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں :۔

مسئلہ۔ "اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت کہ خدا و رسول خدا گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر گردد" (مالابد منہ صفحہ ۱۳۹)

فرمائیے صوفی صاحب۔ یہ ولی عارف اور وارث علم الاولین کیا فرما گئے ہیں؟ کچھ سمجھ آئی آپ کو؟ آپ نے یہ تصور کر لیا ہے کہ جیسے ان پڑھ حواریوں کے سامنے درس و تدریس میں آپ لافیں مارتے ہیں اور وہ آپ کا صوفیانہ چہرہ بشرہ دیکھ کر جھولی ڈالنے لگتے ہیں۔ شاید ایسی ہی لن ترانیاں دوسرے بھی تسلیم کریں گے؟ حاشا وکلا ؎

جس شخص نے حضور کے دیں کو کیا پسند
اس کے لئے حرام ہوا بادۂ عنب

صاوی کا ہوائی فائر

صوفی صاحب لکھتے ہیں :- قرآنِ کریم کی جن آیات یا بعض احادیث سے جو غیر حاضر و ناظر مفہوم ہوتا ہے اس کے بارے میں عارف صاوی فرماتے ہیں کہ یہ عدم موجودگی جسمانی عالم کے اعتبار سے ہے تاکہ مخالف پر حجت قائم کی جائے مگر باعتبار عالم روحانی پس آپ پر رسول کی رسالت اور جو کچھ اس کے ساتھ وقوع میں آیا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جسم شریف کے ظاہر ہونے تک آپ سب پر حاضر ہیں لیکن اہلِ عناد سے اس طریقہ پر خطاب نہیں کیا جاتا۔ (کیونکہ اہلِ عناد حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے اور یہی حال ہے طائفہ وہابیہ نجدیہ کا کہ ان کا انکار بھی عناد پر مبنی ہے) صلہ

الجواب :- قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ اور ذمہ دار حضرات فقہاء احناف کے صریح اور واضح فتووں کے مقابلہ میں بالکل جدید اور غیر معتبر مفسر صاوی کی کون مانتا ہے ؟ یہاں صاوی اور پیلی نیلی اور ہری کی کچھ نہیں چلتی۔ ایسے غیر مستند اقوال آپکو اور آپ کی جماعت کو مبارک ہوں اور معاف رکھنا حاضر و ناظر کے منکر وہابیہ نجدیہ ہی کا گروہ ہی نہیں بلکہ تمام حضرات فقہاءؒ و محدثینؒ اور جمہور اہل اسلام کا محتاط اور سنجیدہ گروہ ہے جن کا قول حق و انصاف پر مبنی ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ ہم ان ہی کے دامنِ حق سے وابستہ ہیں۔ آپ کا جس سے جی چاہے، ربط و تعلق جوڑیں۔ ہم تو اس کے قائل ہیں کہ ؎

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر ——— شریکِ زمرۂ لایحزنوں کر

بیداری میں آپ ﷺ کی رؤیت

صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ ابن حجر مکی رح فرماتے ہیں "کوئی مانع نہیں کہ ایک وقت لوگوں کی کثیر تعداد نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوں کیونکہ آپ ﷺ مانند سورج کے ہیں اور جبکہ ایک قطب سے کائنات کی کوئی جگہ خالی نہیں جیساکہ تاج بن عطاء اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے ؟ اور ابن حجرؒ کے نزدیک یہ رؤیت بیداری سے مراد ہے" صلہ

الجواب :- یہ حوالہ بھی صوفی صاحب کو مفید نہیں ہے کیونکہ کثیر تعداد میں لوگوں کا آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا یہ صُورِ مثالیہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواب ہو یا بیداری ہو، سب میں درست ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رہ کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ اس میں ضروری نہیں کہ جس کی مثال ہو اس صاحبِ مثال کو بھی اس زیارت وغیرہ کا علم ہو۔ اور حضرت مجدد صاحبؒ ہی تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

واین تشکل گاہ در عالمِ شہادت بُوَد و گاہ در عالمِ مثال چنانچہ در یک شب ہزار کس آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بصُورِ مختلفہ در خواب می بینند و استفادہ می نمایند این ہمہ تشکل صفات و لطائف اوست علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بصُورِ تہائے مثالی وہمچنیں مریداں از صُورِ مثالی پیران استفادہ می نمایند و حلِ مشکلات می فرمایند (دفتر دوم۔ حصہ ہفتم۔ مکتوب ۵۱ صہ۲۵)

یہ متشکل کبھی عالمِ شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالمِ مثال میں۔ چنانچہ ایک ہی رات میں ہزار آدمی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں مختلف صُورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔ یہ تشکل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات اور لطائف کا مثالی صُورتوں میں ہوتا ہے اور اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صُورتوں سے اِستفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کو حل فرماتے ہیں۔

الغرض علمِ تصوف کے رنگ میں یہ الگ مسئلہ ہے اور مسئلہ حاضر و ناظر جس میں حضرات فقہاء کرام رہ سے تکفیر موجود ہے، جُدا مسئلہ ہے اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ فریقِ مخالف اپنی کم فہمی اور بے بصیرتی کی وجہ سے دونوں کو ایک کر دے اور یُوں کہہ دے ؏

رکھ لیا ہے نام اس کا آسماں تحریر میں

فائدہ :۔ قارئین کرام ! فریقِ مخالف کو مسئلۂ حاضر و ناظر میں جو غلو ہے یا حضرات اولیاء کرام سے استمداد کے بارے میں جو اصرار ہے وہ حضرات عرفاء اور صُوفیاء کی ایسی ہی عبارات کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے کم فہمی سے اُنھوں نے اخذ کیا ہے جو حقیقت سے کوسوں دُور ہے حضرات

عرفاء کے نزدیک یہی صُور مثالیہ ہیں جو کبھی کسی صُورت میں نمودار ہوتی ہیں اور کبھی کسی رنگ میں اور ان میں انہام و تفہیم بھی ہوتی ہے اور بسا اوقات فیض رسانی اور مدد بھی ان سے ہو جاتی ہے لیکن اصل کو پتہ اور خبر تک نہیں ہوتی کہ میری مثل کہاں گئی تھی اور کیا کر آئی ہے؟ فریقِ مخالف نے اپنے جہل کی وجہ سے اس سے نزاعی مسئلہ حاضر و ناظر و استمداد از غیر اللہ کشید کر کے ایک باطل عقیدہ بنا ڈالا ہے اور ہزاروں سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان برباد کر ڈالے ہیں۔ نعوذ باللہ تعالٰے من مخالفۃ الحق وسوء الفہم۔

مَلکُ الموت کا حاضر و ناظر ہونا

صُوفی صاحب لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیہ وسلم کا خادم مَلکُ الموت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیوں نہیں؟ اس کے اثبات کیلئے انھوں نے ایک حدیث، ایک اثر اور ایک قول شرح الصدور ص۱۹ للسیوطی رہ سے نقل کیا ہے۔ (۱) شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ملک الموت بیٹھا ہوا ہے اور تمام دُنیا اس کے گھٹنوں کے سامنے ہے۔ (۲) حضرت ابن عباس رضہ سے پُوچھا گیا کہ دو جانیں، ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں ایک ہی وقت میں مرتی ہیں، مَلک الموت کس طرح قادر ہے اُن پر؟ فرمایا کہ ملک الموت کے لئے مشرق، مغرب، اندھیرے، ہوا اور سمندر ایسے ہی ہیں جیسے آدمی کے سامنے دسترخوان۔ اس میں سے جو کچھ چاہتا ہے، لیتا ہے۔ (۳) آنحضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ملک الموت ایک ہے اور مشرق و مغرب میں جنگ ہوتی ہے تو بے شمار موتیں واقع ہوتی ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے دُنیا سمیٹ کر ملک الموت کے لئے مانند طشتری کے کر دی ہے جو کہ ایک آدمی کے سامنے ہو۔ کیا اس میں کوئی چیز اس سے فوت ہوتی ہے ص۱۲۱-۱۲۲

الجواب :- اس سے صوفی صاحب کا استدلال باطل ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ حاضر و ناظر کا مسئلہ عقیدہ کا ہے اور اس میں قیاس سے کام نہیں چلتا، و ثانیاً یہ دلائل ایسے مسئلہ میں قابل حجت نہیں ہیں۔ اوّل تو اس لئے کہ شہر بن حوشب نہ تو نبی معصوم تھے نہ خلیفہ

دا شد اور نہ صحابی بلکہ حضرات محدثین کرام کے نزدیک ان کی شخصیت بھی خاصی نزاعی ہے۔ ایک گروہ ان کی توثیق کرتا ہے اور دوسرا وزنی دار الفاظ میں ان پر کلام کرتا ہے۔ محدث ابن عون فرماتے ہیں کہ محدثین نے ان پر طعن کیا ہے۔ حضرت موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ اس میں ضعف ہے۔ امام شعبہ فرماتے ہیں کہ اس نے سفر حج میں اپنے ایک رفیق سفر شامی سے خیانت کی تھی۔ امام حاکم ابو احمد فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک وہ قوی نہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں قوی نہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ وہ ساقط (گرا ہوا) ہے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ القطان، عباد بن منصور سے نقل کرتے ہیں کہ شہر ہمارے ساتھ سفر حج میں تھا اور اس نے ہمارا سامان چرا لیا تھا۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔ (ملتقطاً تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۷۰، ص ۳۷۲)

لہٰذا ایسے شخص کی بات سے کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ فروعی مسائل میں بعض حضرات نے شہر بن حوشب کی روایات سے استدلال کیا ہے، وہ اپنی جگہ پر بجا ہے مگر نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں اور عقائد کے باب میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اور دوم اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف بھی روایت موجود ہے۔ جو متعدد مفسرین کرام نے پیش کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو الفداء اسماعیل بن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

قال ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیر واحد لملک الموت اعوان من الملائکۃ یخرجون الروح من الجسد فیقبضها ملک الموت اذا انتهت الی الحلقوم (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۵)	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور بے شمار حضرات فرماتے ہیں کہ ملک الموت کے کئی مددگار فرشتے ہیں جو جسم سے روح نکالتے ہیں۔ جب روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اس کو لے لیتے ہیں

اس سے ثابت ہوا کہ تنہا ملک الموت ہی جان نہیں نکالتے بلکہ ان کے اور بھی کئی مددگار فرشتے ہیں۔ چونکہ ملک الموت انچارج ہیں اس لئے آخر میں وہ ان سے روح لے لیتے ہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رح (المتوفی ۶۷۱ھ) تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ والمراد اعوان ملک الموت قال ابن عباس وغیرہ (تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۷) مراد ملک الموت کے مددگار فرشتے ہیں حضرت ابن عباس رض نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

امام محمد بن جریر الطبری رح (المتوفی ۳۱۰ھ) اسی آیت کریمہ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

فان قال قائل اولیس الذی یقبض الارواح ملک الموت فکیف قیل تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا والرسل جملة وهو واحد اولیس قد قال قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ قیل جائز ان یکون اللہ اعان ملک الموت باعوان من عندہ فیتولون ذلک بامر ملک الموت فیکون التوفی مضافا وان کان ذلک من فعل اعوان ملک الموت الی ملک الموت اذا کان فعلهم ما فعلوا من ذلک بامرہ کما یضاف قتل من قتل اعوان السلطان وجلد من جلد وہ بامر السلطان الی السلطان وان لم یکن السلطان باشر بنفسه ولا ولیه بیدہ وقد تاول ذلک کذلک جماعة من اهل التاویل الخ (تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۲۱۶)

اگر کوئی قائل یہ کہے کہ کیا روحوں کو ملک الموت قبض نہیں کرتا تو پھر یہ کیسے کہہ دیا کہ ہمارے فرشتے اس کی جان نکالتے ہیں۔ حالانکہ رسل جمع کا صیغہ ہے اور ملک الموت ایک ہے اور کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تو کہہ دے کہ تمہاری جان ملک الموت نکالتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے اس کو جواب یہ دیا جائے گا کہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو اپنی طرف سے کئی مددگار فرشتے دیئے ہوں جو ملک الموت کے حکم سے اس کام کو سرانجام دیتے ہیں اور جان نکالنے کی نسبت ملک الموت کی طرف اس لئے ہے کہ اس کے حکم سے فرشتے جان نکالتے اور یہ کارروائی کرتے ہیں جیسا کہ بادشاہ کے حکم سے قتل کرنے والوں اور کوڑے لگانے والوں کے فعل کی نسبت بادشاہ کی طرف کی جاتی ہے۔ اگرچہ خود اپنے ہاتھ سے اس نے نہ قتل کیا ہوتا ہے نہ کوڑے لگائے ہوتے ہیں مگر چونکہ یہ کارروائی اس کے حکم

سے ہوتی ہے اِس لئے اس کی طرف نسبت درست ہے۔ اِسی طرح حضرات مفسرین کرام نے اس کی تفسیر کی ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

کان ابن عباس رض یقول لملك الموت اعوان من الملائکۃ اھ (ایضًا)

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ ملک الموت کے کئی مددگار فرشتے ہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

عن ابراھیم رح فی قولہ تعالٰی تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ قال اعوان ملك الموت (ج ۷ ص ۲۱۷)

حضرت ابراہیم رح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ اس کی جان ہمارے فرشتے نکالتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے یعنی یہ کارروائی ملک الموت کے اعوان کرتے ہیں۔

پھر آگے ان کی یہ تفسیر بھی نقل کی ہے کہ :-

قال الرسل توفی الانفس ویذھب بھا ملك الموت (ج ۷ ص ۲۱۷)

فرشتے جان نکالتے ہیں اور پھر ان ارواح کو ملک الموت لے جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رض، حضرت ابراہیم النخعی رح اور حضرات مفسرین کرام رح کی ایک خاصی اور بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ جان نکالنے والے فرشتے متعدد ہیں۔ ملک الموت ان کے افسر ہیں۔

اور علامہ ابو السعود بن محمد عمادی رح (المتوفی ۹۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا الآخرون المفوض الیھم ذلك وھم ملك الموت واعوانہ اھ (تفسیر ابو السعود ج ۲ ص ۱۰۱)

یعنی حفاظت کرنے والے فرشتوں کے علاوہ اور ہمارے فرشتے جن کے سپرد یہ کام ہوتا ہے، جو ملک الموت اور ان کے مددگار ہیں اسکی جان نکالتے ہیں

اور قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی رح (المتوفی ۶۸۵ھ) تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں ملک الموت و اعوانہٗ (تفسیر بیضاوی کلاں ص۱۱۱)

علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد النسفی رح (المتوفی ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا اى استوفت روحه وهم ملك الموت واعوانه اھ (تفسیر مدارک ج ۲ ص ۱۶)

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا کا یہ معنی ہے کہ ملک الموت اور ان کے مددگار فرشتے اس کی جان قبض کرتے ہیں۔

اور علامہ علاؤ الدین علی بن محمد الخازن رح (المتوفی ۷۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ:-

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا يعنى اعوان ملك الموت الموكلين بقبض ارواح البشر فان قلت قال الله تعالى فى آية اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وقال فى آية اخرى قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ وقال هنا تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا فكيف الجمع بين هذه الآيات؟ قلت وجه الجمع بين هذه الآيات ان المتوفى فى الحقيقة هو الله تعالى فاذا حضر اجل العبد امر الله ملك الموت بقبض روحه ولملك الموت اعوان من الملائكة يامرهم بنزع روح ذلك العبد من جسده فاذا وصلت الى الحلقوم تولى قبضها ملك الموت نفسه فحصل الجمع بين الآيات وقيل المراد من قوله تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا کا مطلب یہ ہے کہ ملک الموت کے مددگار فرشتے جن کے سپرد انسانوں کی جان نکالنے کی خدمت ہے، اس کی جان نکالتے ہیں۔ اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ ایک آیت کریمہ میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نفوس کی موت کے وقت ان کی جانیں نکالتا ہے اور دوسری آیت میں ہے تو کہہ دے کہ ملک الموت تمہاری جانیں نکالتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے اور یہاں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے فرشتے جان نکالتے ہیں تو ان آیات میں تطبیق کیا ہوگی؟ میں کہتا ہوں تطبیق یوں ہے کہ حقیقۃً جان اللہ تعالیٰ نکالتا ہے۔ جب بندے کی وفات کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملک الموت کو اس کی جان قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور ملک الموت کے بے شمار مددگار فرشتے ہیں جن کو ملک الموت اس بندے کی اس کے جسم سے روح نکالنے کا حکم دیتے ہیں۔ جب اس کی روح حلقوم تک

ملك الموت وحدهٗ وانما ذكر بلفظ الجمع تعظيماً له وقال مجاهد جعلت الارض لملك الموت مثل الطست يتناول من حيث شاء وجعلت له اعوان ينزعون الانفس ثم يقبضها منهم اھ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۴۲)

پہنچ جاتی ہے تو اس کو ملک الموت خود وصول کر لیتے ہیں تو اس طریق سے ان آیات میں تطبیق حاصل ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ توفتہ رسلنا میں لفظ رسلنا سے تنہا ملک الموت مراد ہیں اور جمع کا صیغہ یہاں تعظیم کے لئے ہے اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ زمین ملک الموت کے لئے ایسی ہے جیسے طشتری اور رکابی جہاں سے چاہیں لے لیں اور ان کے لئے مددگار بھی ہیں جو جانیں نکالتے ہیں پھر ملک الموت ان سے لے لیتے ہیں۔

ان آیات کی تطبیق حضرت امام فخر الدین الرازی رح (المتوفی ۶۰۶ھ) نے بھی (تفسیر کبیر ج ۱۳ ص ۲۸۵) اسی طرح دی ہے۔ جس کا حوالہ تبرید النواظر ص ۱۹۶ طبع نمم میں مذکور ہے۔ علامہ خازنؒ اس قول کو لفظ قیل کہہ کر ضعیف بتا گئے ہیں۔ جس میں یہ آتا ہے کہ جان قبض کرنے والا فرشتہ ایک ہی ہے اور رُسُلُنَا میں جمع کا صیغہ تعظیمی ہے۔ اور علامہ خازن رح نے حضرت مجاہد رح کا جو قول نقل کیا ہے وہ مفصل نقل کیا ہے۔ دوسرے بعض حضرات نے ان کا قول مبہم اور مجمل نقل کیا ہے۔ اس قول میں تصریح ہے کہ اگرچہ ملک الموت کے سامنے زمین ایک رکابی کی طرح ہوتی ہے اور وہ جہاں سے چاہیں کسی کی روح قبض کر لیں لیکن بایں ہمہ اس طشت اور رکابی کی صورت میں بھی ان کے مددگار فرشتے ہیں اور وہ جان نکالتے ہیں پھر ملک الموت ان سے لے لیتے ہیں۔ جن عبارات میں حضرت مجاہد رح کے قول میں مثل الطشت کے بعد وجعلت له اعوان ینزعون الانفس الخ کی عبارت نہیں ہے وہ مختصر اور مجمل ہیں اور خازنؒ کی یہ عبارت اس کی تشریح کرتی ہے لہذا اس کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اس لحاظ سے پہلی تفسیر اور یہ تفسیر دونوں آپس میں مآل کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔

علامہ السید محمود آلوسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا الآخرون المفوض اليهم ذٰلك وانتهى هناك حفظ الحفظة والمراد بالرسل على ما اخرجه ابن جرير وابو الشيخ عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهم اعوان ملك الموت ونحوه ما اخرجا عن قتادة ان ملك الموت له رسل يباشرون قبض الارواح ثم يدفعونها الى ملك الموت اھ (روح المعانی ج ۷ ص۱۷۶)	تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا کا معنیٰ یہ ہے کہ دوسرے فرشتے (نگران فرشتوں کے علاوہ) جن کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے، اس کی جان نکالتے ہیں اور اس وقت نگران فرشتوں کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی ہے۔ اور جان نکالنے والے فرشتوں سے مراد جیسا کہ ابن جریرؒ اور ابوالشیخؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی تخریج کی ہے۔ ملک الموت کے مددگار فرشتے ہیں اور اسی طرح انھوں نے قتادہ سے روایت کی تخریج کی ہے کہ ملکُ الموت کے مددگار فرشتے ہیں جو ارواح قبض کرتے ہیں پھر ان کو ملک الموت کے سپرد کر دیتے ہیں۔

شیعہ حضرات کے مفسر ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی جو چھٹی صدی کے مفسر ہیں، لکھتے ہیں:

تَوَفَّتْهُ ای تقبض روحه رسلنا يعنى اعوان ملك الموت عن ابن عباسؓ والحسن رح وقتادة قالوا وانما يقبضون الارواح بامره ولذلك اضاف التوفى اليه فى قوله قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ اھ (تفسیر مجمع البیان ج ۷ ص۸۵)	ہمارے فرشتے اس کی جان نکالتے ہیں، کی مراد یہ ہے کہ ملک الموت کے مددگار فرشتے اس کی روح کو قبض کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ وہ فرشتے ملک الموت کے حکم اور امر سے جان نکالتے ہیں اور اسی لئے جان نکالنے کی نسبت قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ میں ملک الموت کی طرف کی گئی۔

ان تمام تفاسیر سے روزِ روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ جان قبض کرنے والا فرشتہ صرف

ایک ہی نہیں بلکہ متعدد اور بے شمار ہیں - ہاں ان سب کے انچارج ملک الموت ہیں ؛ اور اللہ تعالٰی جب ملک الموت کو جان قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں تو ملک الموت اپنے ماتحت فرشتوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ جان نکالتے ہیں - پھر اگر ملک الموت اپنی جگہ پر ہوں اور اپنے ماتحت فرشتوں کو جان قبض کرنے کا حکم دیں تب بھی درست ہے - اور اگر ساری زمین ان کے سامنے طشت اور رکابی کی مانند ہو تب بھی ان کے اعوان و مددگار فرشتے ان کے حکم سے جان نکالتے ہیں جیساکہ خازن رح کے حوالہ سے حضرت مجاہد رح کا مفصل قول نقل کیا جا چکا ہے اور قرآن کریم کی قطعی الثبوت آیات بھی اسی کو چاہتی ہیں کہ جان نکالنے والے فرشتے متعدد ہوں مثلاً تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا الآیۃ اور اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ الآیۃ وغیرھما

اور حافظ ابن کثیر رح مسند احمد کے حوالہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جو تعدد پر دال ہے

ان المیت تحضرہ الملائکۃ فاذا کان الرجل الصالح قالوا اخرجی ایتھا النفس الطیبۃ الحدیث (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳۳)	بلاشبہ قریب المرگ کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں - سو اگر وہ شخص نیک ہوتا ہے تو فرشتے اس سے کہتے ہیں اے پاکیزہ رُوح تو نکل آ - الخ

لہٰذا مبتدعین کا یہ کہنا کہ جب ملک الموت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیوں نہیں ؟ بالکل غلط ہے - اس لئے کہ ملک الموت انچارج ہے اور ان کے ماتحت جان نکالنے والے فرشتے بے شمار ہیں ایک نہیں ، جیساکہ غلط سمجھ لیا گیا ہے - سوم اس لئے کہ جو روایت شرح الصدور کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اس کی سند یوں ہے ؛ داخرج ابن ابی حاتم عن زھیر بن محمد قال قیل یارسول اللہ الخ اور یہ روایت منقطع ہے - درمیان کے راویوں کا پتہ نہیں کہ کون اور کیسے تھے ؟ لہٰذا اس کی وجہ سے قرآن کریم کے ظاہر اور حضرت ابن عباس رضؓ وغیرہ مفسرین کرام رح کی تفسیر کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے ؟ ؎

محمل کا اعتبار نہ منزل پہ اختیار
پُر پیچ راستوں میں کسے راہنما کریں ؟

ابلیس لعین کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے پر قیاس

صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ یہی حال ابلیس لعین کا ہے کہ اپنی جگہ سے تمام روئے زمین کے انسانوں کو دیکھتا ہے اور ہر ایک کے حال کے مطابق وسوسہ ڈالتا ہے یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اس کے بعد صوفی صاحب نے ایک نجدی کے ساتھ مسئلۂ حاضر وناظر پر گفتگو کی اور اس کے مغلوب ہونے کی ایک رام کہانی بھی بیان کی ہے (محصلہ)

الجواب :- یہی شیطانی اور ابلیسی قیاس ہے جس کو مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری سے لے کر صوفی اللہ دتہ صاحب تک حاضر وناظر کے مسئلہ کے اثبات کے لئے لئے لئے پھرتے ہیں۔ ہم نے اس کی بقدر ضرورت بحث تبرید النواظر میں کر دی ہے لیکن صوفی صاحب نے یہاں اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ ابلیس لعین نے اپنا تخت پانی پر بچھا رکھا ہے اور اپنی ذریت اور شیطانوں کو مخلوق کے گمراہ کرنے کے لئے زمین کے اکناف واطراف میں بھیجتا ہے اور پھر ان کی واپسی کے بعد ان سے حالات سنتا، داد دیتا اور خوش ہوتا ہے۔ نہ ابلیس لعین ہر جگہ جاتا ہے اور نہ تمام مخلوق کو وہ خود گمراہ کرتا ہے۔ اور نہ سب انسانوں کو وہ دیکھتا ہے اور نہ اس کا ثبوت قرآن مجید سے ہے جیسا کہ صوفی صاحب کو دھوکا ہوا ہے یا عوام کو دھوکہ دینے کے درپے ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالٰے کے اس ارشاد سے اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ "بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمھیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انھیں نہیں دیکھتے" سے مغالطہ ہوا ہے تو بے جا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ ابلیس اور اس کی ذریت (جن) تمام انسانوں کو دیکھتے ہیں بلکہ یہ قضیہ مطلقہ ہے، دائمہ نہیں جس کا مطلب مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی یہ بیان کرتے ہیں کہ " اللہ تعالٰی نے جنوں کو ایسا ادراک دیا ہے کہ وہ انسانوں کو دیکھتے ہیں اور انسانوں کو ایسا ادراک نہیں ملا کہ وہ (عموماً۔ صفدر) جنوں کو دیکھ سکیں" (حاشیۂ قرآن کریم ص۲۲۲) اس لئے اپنے بابائے ابلیس کو ہر جگہ حاضر وناظر مان کر اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا قیاس کرنا نرا شیطانی

ابلیسی اور لعینی قیاس ہے۔ (عیاذاً باللہ تعالیٰ)

باب چہارم

تبرید النواظر میں متعدد صحیح احادیث سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی پر استدلال کیا گیا تھا، صوفی صاحب نے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں۔

نمبر ۱:۔ تبرید النواظر میں بخاری، مسلم اور صحیح ابو عوانہ کے حوالے سے حدیث نقل کی تھی کہ معراج سے واپسی کے بعد کفار قریش نے آپ سے بیت المقدس کی کچھ نشانیاں دریافت کیں جو آپ کو معلوم نہ تھیں، اس کے لئے آپ پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ کے سامنے کر دیا۔ کفار جو کچھ پوچھتے جاتے آپ بتلاتے جاتے۔ اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو پریشانی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس کے جواب میں صوفی صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے۔ (۱) خان صاحب نے حاضر و ناظر کی حقیقت نہیں سمجھی ایک ہے چشم بصیرت سے ہر چیز کا مشاہدہ کرنا۔ یہ توجہ پر موقوف ہے۔ جیسا کہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے اور یہاں بیت المقدس کی طرف توجہ تام کرنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو موقع ہی نہیں دیا۔ اور ایک ہے چشم ظاہر سے دیکھنا۔ (۲) جس روایت سے کفار قریش کے پوچھنے کی وجہ سے آپ کی پریشانی کا ذکر ہے اس میں امام مسلم متفرد ہیں۔ (۳) بخاری اور مسلم دونوں کی روایت میں ہے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں مقام حجر میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس ظاہر کر دیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی کی روایت میں ہے۔ حضرت عقیل کے مکان کے پاس مسجد لا کر رکھ دی گئی اور میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ پریشانی لاحق ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے مسجد سامنے لا کر رکھ دی۔ (۴) اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ مسجد کو اپنی جگہ رہنے دیتا اور درمیان کے حجاب دور کر کے آپ کو دکھلا دیتا

مگر آپ کے معجزات سب سے فائق ہیں اس لئے اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تختِ بلقیس آسکتا ہے تو آپ کے پاس مسجد کیوں نہیں آسکتی؟ (۵) کیا یہ جزوی واقعات نہیں جن پر خان صاحب نے عقیدہ کا سہارا بنایا ہے اور کیا یہی علمِ غیب ہے جس میں اللہ تعالیٰ متفرد ہے اور دوسرے کے لئے اثبات شرک ہے اور نیز پھبتی اڑانی کا جملہ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ (ملخصاً، صـ۶۴، صـ۶۵، صـ۶۶ محصلہ)

الجواب :- اسی ترتیب سے آپ جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) نظرِ بصیرت سے ہر وقت ہر چیز کو دیکھنا کسی قطعی اور صریح دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ کسی چیز کی طرف توجہ کر کے اسے حاصل کرنا ہی علمِ غیب اور حاضر و ناظر کی نفی کی دلیل ہے اور حضرت حاجی صاحبؒ کی عبارت کا مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (۲) جب مسلم اور ابو عوانہ کی حدیث صحیح ہے تو اس میں تفصیل اصولِ حدیث کے اعتبار سے یقیناً قابلِ قبول ہے اور حضرات محدثین کرام ؒ کا اس میں کوئی اختلاف نہیں پھر مسلم اور ابو عوانہ کی روایت کو کیوں رد کیا جائے؟ (۳) بخاری اور مسلم کی یہ روایت مجمل اور مختصر ہے اور اصولِ حدیث کا طے شدہ قاعدہ ہے کہ ثقات کی زیادت معتبر ہے اور مفسر روایت کو مبہم پر ترجیح ہوتی ہے (دیکھئے بخاری ج ۱ صـ۲۱) مگر آپ لوگوں کی گاڑی ہی مبہم، مجمل اور مختصر اور غیر صحیح روایات پر چلتی ہے اس لئے مفصل روایات سے آپ کو کد بھی ہے اور تکلیف بھی ہوتی ہے۔ مگر ہوتی رہے ہم کیا کریں؟ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہو گیا۔

واثنیت علی ربی وسألته ان یمثل لی بیت المقدس فرفع لی فجعلت انعت لھم آیاتہ وانا انظر الیہ (ابو عوانہ ج ۱ صـ۱۲۵)	اور میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے لگا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ بیت المقدس کو میرے سامنے ممثل کر کے پیش کیا جائے تو وہ میرے سامنے اٹھا کر لایا گیا میں ان سے اسکی نشانیاں بیان کرتا رہا اور میں اسکو دیکھ رہا تھا۔

مسلم اور ابو عوانہ کی ان تفصیلی روایات سے معلوم ہوا کہ تکذیب کفار کے فوراً بعد بیت المقدس کو آپ کے سامنے نہیں پیش کیا گیا بلکہ آپ پریشان ہو کر حجر اور حطیم میں بیٹھے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تب بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور حضرت عقیل کے مکان کے پاس مسجد اقصیٰ رکھ دی گئی حیرت ہے کہ یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد بھی صوفی صاحب یہ کہتے ہیں کہ آپ کو توجہ کا موقع ہی نہیں دیا یہ کتنے افسوس کی بات ہے۔ (۴) علی الرأس والعین لانے کی کوئی بھی وجہ یا حکمت ہو ہمیں انکار نہیں (۱۵) تبرید النواظر میں ہم نے تصریح کی ہے کہ صحیح احادیث قرآنی آیات کی تائید کے لئے پیش کی جا رہی ہیں بجز خدا تعالیٰ کا غیب جزئی کا تعین میں منحصر نہیں لیکن جب تک وہ کسی کو بتلائے نہیں، غیب کے ایک جزوی واقعہ کی خبر بھی کسی کو نہیں ہو سکتی لما کذبنی قریش کے لفظ حدیث میں موجود ہیں اور آپ نے خود ترجمہ کیا ہے۔ جب قریش نے مجھے جھٹلایا۔ کفار قریش کی اسی تکذیب کو ہم نے پھبتی اڑانے سے تعبیر کیا ہے اور لما کذبنی کا جملہ بخاری مسلم اور ابو عوانہ میں موجود ہے۔

نمبر (۲)۔ تبرید النواظر میں لکھا تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو حضرت عائشہ رضؓ کا ہار آپ کو کیوں نظر نہ آیا؟ اس پر بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایتیں ہم نے پیش کی تھیں۔ اس کا جواب صوفی صاحب نے جو دیا ہے وہ قابلِ دید ہے۔
(۱) خان صاحب عربی عبارت نقل کر دیتے تو عوام کی آنکھیں اندھی نہ ہوتیں۔ پھر انھوں نے بخاری ج۲ ص۶۶۳ کی پوری عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کے ابتدائی حصہ میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

انقطع عقد لی فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التماسہ واقام الناس معہ ولیسوا علی ماء ولیس معہم ماء الحدیث	کہ میرا ہار گم ہو گیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں وجہ قیام فرمایا اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے۔ نہ اس جگہ پانی تھا نہ لوگوں کے ہمراہ پانی تھا

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ کی حضرت عائشہ رضؓ کو تنبیہ اور تیمم کے حکم کا نازل ہونا پوری روایت نقل کی ہے (محصلہ ص۴۶) (۲) دوسری روایت بھی بخاری ج۲ ص۶۶۲ کے حوالہ سے نقل کی ہے

جس میں سقطت قلادۃ کے الفاظ ہیں اور اس کے آخر میں ہے وحضرت الصبح فالتمس الماء فلم یوجد فنزلت آیۃ التیمم اور اس کا معنی یوں کرتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور پانی تلاش کیا تو نہ پایا۔ پس آیت تیمم نازل ہوئی۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر رض کو اطلاع دی کہ حضرت عائشہ رض نے ایسے مکان پر لوگوں کو روک دیا ہے جہاں پانی نایاب ہے اور آپ سواری سے اُترتے ہی حضرت عائشہ رض کی گود میں آرام فرمانے لگے اور صبح سے پہلے اُٹھے ہی نہیں۔ ہار تلاش کرنا تھا تو حضرت عائشہ رض کے سامان کو اُلٹ پلٹ کیا جاتا تو کیا سارا میدان چھان مارا اور اونٹ نہ اٹھایا۔ خاک بر ایں عقل و دانش۔ (۳) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں جو ہار کی تلاش پر خفیف دلالت بھی کرتا ہو۔ خانصاحب اگر ہار کا تلاش کرنا احادیث سے ثابت کر دیں تو ایک صد روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا ورنہ انعام الہٰی لعنۃ اللہ علی الکاذبین تو موجود ہے ہی۔ (صـ ۶۸، صـ ۶۹ ملخصاً)

الجواب:- ہم نے بے حیا لوگ دُنیا میں بہت دیکھے ہیں لیکن ساری زندگی میں مولوی محمد عمر جیسا اور پھر صوفی اللہ دتہ صاحب جیسا اور کوئی نہیں دیکھا۔ جہاں کوئی پیچیدہ اور مشکل بات ہو یا کوئی شک اور شبہ والی بات ہو، اس کا انکار کرنا اور اپنے ناخواندہ حواریوں پر اپنے مناظر اسلام ہونے کا سکہ بٹھلانے کے لئے چیلنج بازی اور انعام بازی کا شوشہ چھوڑنا تو قدرے زیب بھی دیتا ہے مگر ایک کھلی اور واضح حقیقت کا انکار کرنا اور انعام بازی کرنا پرلے درجہ کی بے حیائی ہے، جو صوفی صاحب کے ورثہ میں آئی ہے۔ اب علی الترتیب جواب سُنیں۔ (۱) حدیث کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں ان میں تصریح ہے کہ حضرت عائشہ رض کا ہار گم گیا تھا اور یہ الفاظ بھی موجود ہیں فاقام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی التماسہ جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس ہار کی تلاش کے لئے ٹھہر گئے۔ صوفی صاحب نے اس کا ترجمہ نہیں کیا اور بدیں وجہ بچ کر گلو خلاصی چاہی ہے۔ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ التماس کے معنی ڈھونڈنا اور

تلاش کرنا ہوتا ہے۔ صراح ص۲۴۸ میں ہے:۔ التماس جُستن چیزے۔ اور خود صوفی صاحب نے دوسری حدیث کے ترجمہ میں اس کا معنیٰ کیا ہے " اور پانی تلاش کیا "۔ یہ ہار حضرت عائشہ رض کا اپنا نہ تھا بلکہ ان کی ہمشیرہ حضرت اسماء رض کا تھا۔ اور حضرت عائشہ رض نے ان سے مستعار لیا تھا۔ کسی روایت میں عِقد کا لفظ ہے اور کسی میں قلادۃ کا لفظ ہے۔ دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے:۔

عن عائشة رض انها استعارت من اسماءؓ قلادة فهلكت فارسل رسول الله صلى الله عليه وسلم ناسا من اصحابه فى طلبها الحديث (ج ۱ ص۱۶۰)

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ انھوں نے حضرت اسماءؓ سے ہار عاریۃً لیا تھا سو وہ ضائع ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رض میں سے کچھ لوگ اس ہار کی طلب کے لئے بھیجے۔

اس ہار کی تلاش و جستجو میں آپ نے حضرت اُسید بن الحضیر رض اور ان کے ساتھیوں کو بھیجا تھا انھوں نے تلاش کیا مگر ان کو نہ ملا۔ آخر میں حضرت اُسید رض کو اونٹ کے نیچے سے مل گیا (نووی شرح مسلم ج۱ ص۱۶۱) اس حدیث کے فوائد میں سے حضرت امام نووی رح ایک فائدہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

وفيه الاعتناء بحفظ حقوق المسلمين واموالهم وان قلت ولهذا اقام النبى صلى الله عليه وسلم على التماسه اھ (شرح مسلم ج ۱ ص۱۶۰)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے حقوق اور ان کے اموال کی حفاظت کا اہتمام کرنا چاہیئے، اگرچہ وہ تھوڑے ہی ہوں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس ہار کی تلاش کے لئے ٹھہرے رہے۔

صوفی صاحب کو انصاف سے کہنا چاہیئے (بشرطیکہ انصاف نام کی کوئی چیز ان کی پٹاری میں ہو) کیا بخاری اور مسلم میں ان صریح روایتوں میں جو حضرت سیدہ عائشہ رض سے مروی ہیں، اس کی تصریح نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس ہار کی تلاش کے لئے رُکے رہے۔ آپ نے خود تلاش کیا ہو جیسا کہ ظاہری الفاظ علی التماسہٖ اس کو چاہتے ہیں یا آقا اور سردار ہونے کے لحاظ سے آپ

نے لوگوں کو اس کی تلاش کا حکم دیا ہو۔ جیساکہ مسلم وغیرہ کی روایت اس پر دال ہے۔ مفاد اور مآل دونوں کا ایک ہی ہے کہ ہار تلاش کیا گیا مگر پہلے ملا نہیں۔ تبرید النواظر میں اتنا ہی حصّہ اس لئے عرض کیا تھا کہ ہمارا مقصود اس سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ساری روایت کی اس مقام پر ہمیں ضرورت نہ تھی اور تبرید میں ہم نے تصریح کر دی ہے کہ چونکہ عوام کا فائدہ ملحوظ ہے اس لئے ہم نے اکثر عربی عبارتیں درج نہیں کیں۔ (۲) بخاری شریف کی دوسری روایت ہمارے مدعیٰ کے ہرگز خلاف نہیں بلکہ مؤید ہے۔ ہار کا تلاش کرنا اپنی جگہ پر ہے اور نماز کا وقت آنے پر پانی تلاش کرنا اپنی جگہ پر ہے۔ ان کا آپس میں کیا تعارض ہے؟ بخاری شریف ج ۲ ص۶۶۳ کی روایت میں فالتمس الماء کے جملہ پر اعراب لگا ہوا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ پس پانی تلاش کیا گیا (ماضی مجہول کا صیغہ ہے) کس نے تلاش کیا؟ بخاری کے بین السطور ہے ای التمس الناس الماء ۱۲ قسطلانی یعنی لوگوں نے پانی تلاش کیا۔ لیکن صوفی صاحب نے بد دیانتی کرتے ہوئے اس کا معنیٰ یہ کیا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور پانی تلاش کیا تو نہ پایا۔ چلو ہم اس معنیٰ کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں تب بھی بفضلہ تعالیٰ فتح ہماری ہی ہے وہ اس طرح کہ جب آپ حاضر و ناظر ہیں اور آپ کو غیب کا علم بھی ہے اور تلاش بغیر توجہ اور التفات کے تو ہرگز نہیں ہو سکتی تو سوال یہ ہے کہ آپ نے پانی تلاش کیوں کیا؟ کیا آپ کے علم و نظر میں یہ بات نہ تھی کہ یہاں پانی ہے ہی نہیں۔ پھر تلاش کیوں کیا؟ صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ آپ اونٹ سے اترتے ہی گود میں آرام فرمانے لگے اور صبح سے پہلے نہ اٹھے، کیا اس پر دال ہے کہ اونٹ سے نیچے اترتے ہی اپنا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ نہ سامان اتارا اور نہ نماز وغیرہ طبعی ضروریات ادا کیں اور نہ انتظامی امور صادر فرمائے۔ صوفی صاحب! کچھ تو ہوش سے کام لیں۔

نمبر ۳: اس کا جواب ۔۱ میں گزر چکا ہے اب صوفی صاحب کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ انعام روانہ کر دیں۔ ہم سر دست مجلس عمل کی موجودگی، متحدہ محاذ کے قیام اور ملکی حالات کے پیش نظر بذریعہ عدالت انعام کے تقاضا کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس پر

بھی عمل کر دکھائیں گے ؎

ہم تو چلیں گے بادِ مخالف ہو جدھر کی ــــــ لیکن جو لوگ سُست عناصر ہیں کیا کریں؟

نمبر ۴:- تبرید النواظر میں یہ حدیث نقل کی گئی تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضؓ سے نکاح کیا اور دعوتِ ولیمہ پر لوگوں کو بُلایا، تو باقی لوگ چلے گئے اور چند نفوس (پہلے تین پھر دو) بیٹھے رہے۔ آپ نے اُن سے زبانی جانے کا نہ فرمایا۔ تدبیر یہ کی کہ خود اُٹھ کر چلے گئے کہ یہ بھی چلے جائیں۔ آپ چکر لگا کر تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ وہ نہیں گئے۔ حضرت انس رضؓ نے آکر خبر دی کہ وہ چلے گئے ہیں، تب آپ گھر تشریف لائے اور پھر پردہ کی آیت نازل ہوئی اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو ایسا کیوں کرتے؟ اصل عبارت کتاب میں دیکھیں۔ محصلہ)۔

متوفی صاحب نے اس کا جو جواب دیا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے:- (۱) حضرت انس رضؓ کی پانچ روائتیں ہیں جن سے خان صاحب کا کِذب و دجل واضح ہو جاتا ہے۔ پھر آگے چار روائتیں بخاری شریف سے اور ایک مُسلم شریف کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ پھر حضورؐ اندر آنے کے لئے لَوٹے لیکن لوگ بیٹھے تھے (واپس ہو گئے) اس کے بعد وہ اُٹھ گئے۔ انس رضؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے جا کر اُن کے چلے جانے کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی۔ دُوسری روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باہر جانا اور واپس آنا شروع کیا۔ تیسری میں ہے حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نہیں جانتا کہ ان لوگوں کے چلے جانے کی خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مَیں نے دی یا کِسی اور نے۔ چوتھی میں ہے۔ (آپ) جب واپس آئے تو دو شخصوں کو گفتگو کرتے دیکھ کر واپس ہو گئے۔ جب اُن دونوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ کو لَوٹتے دیکھا تو خود بھی جلدی سے اُٹھ گئے۔ مَیں نہیں جانتا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُن کے جانے کی مَیں نے اطلاع دی یا کِسی اور نے۔ پانچویں میں ہے کہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گمان کیا کہ لوگ چلے گئے ہوں گے۔ آپ واپس لوٹ آئے مَیں ساتھ لوٹ آیا۔ لوگ ابھی بیٹھے ہی تھے حضور پھر واپس ہو گئے مَیں دُوسری دفعہ واپس ہو گیا یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیدہ عائشہ رضؓ کے حجرے تک گئے پھر واپس آگئے ۔میں بھی واپس آگیا تو لوگ جا چکے تھے ۔
(محصلہ) خان صاحب نے مسلم شریف کی حدیث کے الفاظ ثم ظن انھم قد خرجوا سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدم علم پر دلیل پکڑی ہے یہ سراسر نادانی ہے ۔کیونکہ یہ الفاظ آپ کے نہیں، حضرت انس رضؓ کے ہیں ۔ ان الفاظ سے حضرت انسؓ کا علم غیب ثابت ہوتا ہے کیونکہ ظن باطنی امر ہے ۔ اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے اندازاً یہ بات کہی تو اس سے عدم علم پر دلیل پکڑنا جہالت ہے ۔ آپ کے صریح یا کنائی حکم کے بغیر صحابہ رضؓ کب جا سکتے تھے ؟ آپ نے یہ آنا جانا اس لئے تجویز کیا کہ صحابہ رضؓ سمجھ لیں کہ آپ رونق افروز ہونے کا ارادہ نہیں رکھتے لہٰذا ہم چلے جائیں ۔خان صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت انس رضؓ کو تحقیق کے لئے بھیجا، سراسر کذب ہے اور دروغ گوئی فرقہ وہابیہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے ۔ (محصلہ صنہ و صنہ و صنہ)
الجواب :۔ قارئین کرام غور سے دیکھیں کہ کذب و دروغ گوئی اور جہالت کس کا ورثہ ہے ؟ اہل حق کا یا اہل بدعت کا ؟ ان متعدد اور مختلف روایات میں استدلال کا مرکزی حصہ آپ نے دیکھ لیا ۔ ذیل کے امور کو ملاحظہ فرمائیں ۔ (۱) پانچویں حدیث صرف مسلم میں نہیں بخاری میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں ثم ظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہم خرجوا فرجع ورجعت معہ حتی (بخاری جلد ۲ صنہ ۹۲۲) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ وہ چلے گئے ہیں ۔ پس آپ لوٹے اور میں (انس رضؓ) بھی آپ کے ساتھ لوٹا ۔کیا حضرت انس رضؓ جیسے خادم رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور جلیل القدر صحابی کا ارشاد سلامی وغیرہ کے قول سے کم درجہ کا ہے ؟ اور ان کو قرائن و شواہد کے پیش نظر رائے قائم کرنے کا حق نہیں ہے ؟ (۲) لفظ ظن قرآن کریم اور لغت کے پیش نظر علم و یقین کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہ لفظ اضداد میں سے ہے (۳) آپ کا چکر لگا کر کچھ دیر کے بعد اپنے گھر تشریف لانے کے لئے دروازہ تک پہنچنا اس کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے یہی خیال فرمایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہوں گے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اس لئے آپ بغیر داخل ہوئے پھر چلے گئے ۔کیا ایسے واضح قرینہ کی موجودگی میں

ظن کا لفظ مُستبعد بات ہے ؟ (۴) ظن باطنی امر ہی سہی لیکن اس کا قرینہ اور دلیل تو ظاہر تھی اس لئے حضرت انس رضؓ نے اس پر ظن کا لفظ اطلاق فرمایا اور ان کے اس اطلاق سے نہ تو اُن کا علمِ غیب ثابت ہوتا ہے اور نہ اس سے شرعًا کوئی اُستحالہ لازم آتا ہے۔ (۵) جو حضرات صحابہ کرامؓ کھانا کھانے کے فوراً بعد چلے گئے۔ نہ تو ان کو صراحتہً حکم ہُوا نہ کنایۃً۔ ان کا آپ کے نزدیک درجہ ومقام کیا ہے ؟ (۶) پیش کردہ روایات میں اس کی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ایک دفعہ اپنے حجرے کے دروازہ تک پہنچے مگر ان حضرات کو دیکھ کر واپس تشریف لے گئے اور بخاری ج ۲ ص ۷۰۶ کے حوالہ سے حضرت انس رضؓ کی روایت آپ نے خود ص ۲۰ میں نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں :۔

فانطلقت فجئت فاخبرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم انھم قد انطلقوا۔	سو میں چلا پس میں آیا اور آنحضرت صلےاللہ علیہ وسلم کو میں نے خبر دی کہ وہ چلے گئے ہیں۔

اور یہ اخبرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بخاری ج ۲ ص ۹۲۲ میں بھی موجود ہیں جو اس بات کی غیر مبہم دلیل ہے کہ دوسری مرتبہ آنحضرت صلےاللہ تعالےٰ علیہ وسلم خود تشریف نہیں لے گئے۔ حضرت انس رضؓ کو بھیجا ہے۔ وہ گئے ہیں اور پھر آکر انھوں نے آپ کو خبر دی ہے۔ اسکو دروغ گوئی سے تعبیر کرنا فنِ روایت سے بے خبری پر مبنی ہے (۷) بخاری شریف کی دو روایتوں میں تردد کے الفاظ ہیں کہ خبر دینے والے حضرت انس رضؓ ہیں یا کوئی اور ؟ آپ بھی خیر سے مناظرِ اسلام ہیں۔ ان مختلف روایتوں کی تطبیق آپ کے ذمہ بھی ہے۔ قدرِ مشترک یہ ہے کہ آپ کو اُن کے جانے کی خبر ملی تب آپ گھر تشریف لے گئے۔ (۸) ان روایات میں صرف ظن کے الفاظ ہی نہیں بلکہ بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں (جن کا معنی صوفی صاحب نے بالکل غلط کیا ہے اور طعنہ دوسروں کو دیتے ہیں)

فلما رجع الی بیتہ رای رجلین جری بینھما الحدیث فلما راٰھما رجع عن	پس جب آپ اپنے گھر کی طرف لوٹے تو آپ نے دو آدمی دیکھے جن میں گفتگو جاری تھی جب آپ

بیتہٖ وثباسر عین الحدیث (بخاری ج ۲ ص۷۰۷) نے ان کو دیکھا تو آپ اپنے گھر سے واپس لوٹ گئے تو وہ شخص جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

صوفی صاحب نے اس کا یوں معنیٰ کیا ہے۔ جب ان دونوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ کو دیکھا تو خود بھی جلدی سے اُٹھ گئے۔ کس طرح اپنی مرضی کا معنیٰ کرکے حدیث کی تحریف کی ہے (لاحول وَلا قوّۃ اِلّا باللّٰہ) اور مسند احمد ج ۳ ص۱۰۵ کی روایت میں ہے فلما بصر بہما ولّٰی راجعا الحدیث جب آپ نے ان دو شخصوں کو دیکھا تو واپس چلے گئے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ حاضر و ناظر ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں تو آپ نے اپنے حجرہ سے دور ہی ان شخصوں کو کیوں نہ دیکھ لیا؟ اور انھیں کیوں اُن کا علم نہ ہو سکا؟ حدیث شریف کا یہ حصہ صاف بتلاتا ہے کہ جب آپ قریب پہنچے تب اُن کو دیکھا۔ اگر حاضر و ناظر ہوتے تو دُور سے بھی دیکھ لیتے۔ چلیئے صوفی صاحب! آپ حدیث کے اسی حصہ پر ایمان لے آیئے یا آپ نے کا نسٹم ہی کا سبق پڑھا ہوا ہے اور یہ بھی آپ کو نظر نہیں آتا! مگر افسوس کہ ؎

چشمِ نابینا سے مخفی معنیٔ انجام ہے
تھم گئی جس دم تڑپ سیماب سیمِ خام ہے

نمبر ۵:۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عاصم بن عدی رض اور ان کے ساتھیوں کو جاسوسی کے لئے بھیجا اور کافروں نے ان کو شہید کر دیا۔ تبرید النواظر میں اس سے استدلال کیا گیا تھا کہ اگر آپ حاضر و ناظر و عالم الغیب ہوتے تو جاسوسی کے لئے بھیجنے کا معنیٰ تھا؟ اور پھر وہ صحابی بھی دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوتے وقت فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے حالات کی خبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور آپ کو خبر کر دی (محصلہ) اس کے جو جوابات صوفی صاحب نے دیئے ہیں، وہ ملاحظہ فرمائیں:۔
(۱) آپ چونکہ اُمت کے لئے نمونہ ہیں اس لئے آپ نے تعلیم اُمت کے لئے جاسوس بھیجے تاکہ نظامِ جنگ میں وہ اس پر عمل کرے۔ (۲) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خلیفۃ اللہ

فی الارض ہوتے ہیں۔ اپنی طرف سے احکام جاری نہیں فرماتے۔ یہ حکم من جانب اللہ تھا ورنہ اللہ تعالیٰ نبی کو حکم سے روک دیتا۔ (۳) اگر جاسوس بھیجنا حاضر و ناظر اور مطلع علی الغیب ہونے کے منافی ہے تو اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبر بھیجے اور وہ شہید ہو گئے اس کا کیا جواب ہو گا؟ کیا اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر اور عالم الغیب نہیں؟ (۴) اگر آپ کا جاسوس بھیجنا عدم علم کی بنا پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے وہاں کے حالات کی خبر دے کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دانستہ کیوں اپنی مخلوق کو تہ تیغ ہونے دیا؟ حضرت عاصم رضؓ کی لاش کی حفاظت کی اور حضرت خبیبؓ کو انگور بھیجتا رہا تو کافروں کے پنجے سے کیوں نہ نجات دی؟ معلوم ہوا کہ یہ قضا و قدر کا معاملہ تھا۔ (۵) ان صحابہ کرامؓ نے اللھم اخبر عنا نبیك فرمایا علم عنك نبیك نہیں فرمایا۔ اس کا احتمال ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہو کہ اے اللہ اپنے نبی کو ہمارے حال کی طرف متوجہ فرما۔ (۶) ہو سکتا ہے کہ ایک شئے ثابت ہو اور اس کے لئے دعا بھی کی جائے مثلاً آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صراطِ مستقیم پر تھے باں ہمہ اھدنا الصراط المستقیم پڑھتے تھے۔ اے اللہ ہمیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرما۔ (۷) یہ روایت بخاری ج ۱ ص۴۲۷ میں حضرت ابوہریرہؓ سے ہے یعنی عاصمؓ بن ثابت نے مصیبت کے روز دعا کی اس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا پس نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہؓ کو ان کے حال کی خبر دی۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ نہ ان مصیبت زدہ صحابہ میں تھے نہ ان میں سے کسی نے آکر ان کو خبر دی لہٰذا یہ خبر آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نے دی۔ حضرت عاصمؓ کی دعا سے قبل اور بعد کے سارے واقعات آپ ہی نے بیان فرمائے۔ اگر آپ کو خبر دی جاتی تو فاستجاب اللہ لعاصم کے فقرے کے بعد ضرور اللہ تعالیٰ کی خبر کا ذکر ہوتا۔ حالانکہ ذکر تو اس کا ہے فاخبر النبی صلے اللہ علیہ وسلم لصحابہ کہ آپ نے اپنے صحابہؓ کو خبر دی معلوم ہوا کہ آپ باخبر تھے (حصلہ ص۳، ص۱۶، ص۲۰)

الجواب:۔ مولوی محمد عمر صاحب کی طرح سیدھی سادھی بات کو ٹیڑھا کرنا اور صحیح بات کے تسلیم کرنے سے گریز کرنے کے لئے فرضی اور اختراعی چور دروازے بنانا اور ان سے راہِ فرار اختیار کرنا آپ کا محبوب مشغلہ معلوم ہوتا ہے مگر یقین جانیئے کہ آپ کو کوئی بھاگنے نہ دے گا اور

آپ کا قبر تک انشاء اللہ تعالیٰ تعاقب کیا جائے گا۔ جوابات ملاحظہ فرمائیں۔(۱) بے شک آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم اُمّت کے لئے نمونہ ہیں اور آپ نے یہ جاسُوس اُمّت کی تعلیم کے لئے بھیجے تھے لیکن اس سے یہ کیونکر اور کیسے ثابت ہُوا کہ آپ کو ان لوگوں کے حالات کا علم تھا، جن کے پاس یہ جاسُوس بھیجے تھے؟ آپ کا اُمّت کے لئے نمونہ ہونا علمِ غیب اور حاضر و ناظر ہونے کو تو مستلزم نہیں ہے۔(۲) قرآنِ کریم اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ بعض احکام آپ اپنی رائے اور صوابدید سے بھی فرمایا کرتے تھے اگر ان میں کوئی اجتہادی غلطی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہو جاتی ورنہ وُہ حکم برقرار رہتا۔ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رائے اور شہد کی تحریم وغیرہ کا واقعہ اس کا بیّن ثبوت ہے اور یہ واقعہ بھی اسی مّد کا ہے۔(۳) صوفی صاحب کا قیاس تو ملاحظہ کیجیئے کہ جاسُوسوں کے بھیجنے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے مخلوق کی رُشد و ہدایت کے لئے تشریف لانے کو ایک ہی سمجھ رہے ہیں؟ اور پھر خالق و مخلوق کو ایک دوسرے پر قیاس کر رہے ہیں۔ ان کی اس کجروی پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے اللہ تعالےٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے اور مخلوق کو یہ صفت ہرگز حاصِل نہیں ہے اور اللہ تعالےٰ ہر قسم کی پابندی سے بالاتر ہے بخلاف مخلوق کے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ

(۴) اللہ تعالیٰ نے جانتے ہُوئے بھی آپ کو نہیں بتایا کیونکہ قضا و قدر کا معاملہ تھا اور وہ اپنی تقدیر پر کسی کو مطلع نہیں کرتا اگرچہ پیغمبر مُرسل ہو یا فرشتہ مقرب۔ اور اس پر کوئی قانون لاگو ہی نہیں اور نہ اس سے بازپُرس ہو سکتی ہے اور مخلوق مکلّف اور پابندِ حکم ہے اس لئے ایک کو دُوسرے پر قیاس کرنا مع الفارق اور باطل ہے۔(۵) یہ صوفی صاحب کی علمی جہالت ہے کہ وہ اَخْبَرَ اور عَلَّمَ کو دو الگ الگ چیزیں تسلیم کرتے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اَخْبَرَ اَعْلَمَ اَنْبَأَ وَنَبَّأَ خَبَّرَ حَدَّثَ دَارَیٰ کا ایک ہی مفہوم ہے اور عَلَّمَ اور اَعْلَمَ کا ایک مفہوم ہے۔ اگر اُن کو کتب لغات دیکھنے کی توفیق نہیں ہُوئی تو وُہ شرح مأتہ عامل اور ہدایۃ النحو وغیرہ کتابیں ہی دیکھ لیتے۔ اُن کی آنکھیں روشن ہو جاتیں۔ باقی اَخْبَرَ کا معنیٰ توجہ

کرنا بڑی تحریف ہے جو سراسر مردود ہے۔ (۶) جو چیز حاصل ہو اس کے حصول کی دعا نہیں کی جاتی یہ تحصیل حاصل ہے۔ ہاں اس کے دوام اور ثبات کی دعا کی جاتی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم کا ہدایت یافتہ اور مؤمنین کاملین کے لئے یہ معنیٰ نہیں ہے جیسا کہ صوفی صاحب نے کیا ہے کہ ہدایت فرما۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہدایت پر قائم اور ثابت رکھ۔ جو چیز حاصل ہے وہ اور ہے اور جس کے لئے دعا کی جاتی ہے وہ اور ہے۔ (۷) حضرت ابوہریرہ رضؓ کو یہ خبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے براہِ راست حاصل ہوئی یا کسی دوسرے صحابی سے جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہو، اس سے حدیث پر کیا زد پڑتی ہے؟ بیشک یہ خبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضؓ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کو دی لیکن اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر۔ اور بخاری شریف ج ۱ ص ۴۲۸ میں یہ مضمون کہ حضرت عاصم رضؓ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حالات کی خبر اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کر دے۔

فاستجاب اللہ لعاصم بن ثابت یوم اصیب فاخبر النبی صلے اللہ علیہ وسلم اصحابہ خبرھم۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضؓ بن ثابت کی دعا کو قبول فرمایا جس دن ان کو مصیبت پہنچی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضؓ کو ان کی خبر دی۔

اس کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور آپ کو خبر کر دی تو آپ نے اپنے صحابہ رضؓ کو اس سے آگاہ فرمایا۔ صوفی صاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ کہ فاستجاب اللہ کے بعد اس کا ذکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی، یہ ان کی علمِ عربیت سے جہالت کا واضح ثبوت ہے اور کم فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے نعوذ باللہ تعالیٰ من سوء الفہم کیونکہ دعا کرنے والوں کا مقصد ہی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آگاہ کر دے تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرما لیا تو اس کا مطلب اس کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی اور آپ نے خبر پا کر اپنے صحابہ کرام رضؓ کو خبر بتا دی۔

اس میں کون سا اشکال ہے ؟ ع

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا ـــــ غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

نمبر ۶ :- تبرید النواظر میں بخاری وغیرہ کے حوالہ سے بئر معونہ والوں کا واقعہ نقل کیا گیا تھا کہ ستّر آدمی آپؐ نے بھیجے اور سوائے ایک کے سب کو شہید کر دیا گیا۔ انھوں نے درد بھری کہانی اللہ تعالےٰ کے سپرد کی کہ ہماری خبر ہمارے ساتھیوں کو دینا۔ یہ واقعہ بھی علمِ غیب اور حاضر و ناظر کی نفی پر دال ہے (محصلہ) صوفی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اس واقعہ نے نجدیوں کے چہرے سے نقاب اُلٹ دیا ہے۔ معالم التنزیل اور خازن کی روایت میں ہے کہ جب ابو براءؓ نے صحابہ رضؓ کو ساتھ لے جانے کا مطالبہ کیا تو آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ نجدی میرے صحابہ رضؓ سے اچھا برتاؤ نہیں کریں گے اور جب آپؐ کو ان کی شہادت کی خبر دی گئی تو آپؐ نے فرمایا تحقیق مَیں اسی حادثہ کے پیش آنے کی وجہ سے اوّل امر میں خوف رکھتا تھا اور صحابہ رضؓ کو بھیجنا مجھے پسند نہ تھا۔ ثابت ہوا کہ آپؐ کو اس واقعہ کے پیش آنے سے پہلے علم تھا کیونکہ قد ہمیشہ تحقیق کے لئے آتا ہے (وقد کنت الخ میں قد ہے) وہابی پوری عبارت نقل کریں تو اُن کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ یہ کسی روایت میں نہیں کہ اے اللہ ! اپنے پیارے رسُول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور ان کے ساتھیوں کو ہمارے حالات سے مطلع فرما دے۔ بخاری ج ۲ ص۵۸۷ میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ اے اللہ ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو خبر پہنچا۔ اس کے بعد ہے۔ پس صحابہ رضؓ کو خبر دی اُن کے حال کی اور اخواننا کے مفہوم میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شامل کرنا ان کے گرو گنٹھال اسمٰعیل دہلوی کی وصیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم کو اپنا بڑا بھائی جانو۔ (محصلہ ص۸۳، ص۸۹)۔

الجواب :- یہ جواب نِری طفل تسلّی ہے اور بس۔ اوّلاً اس لئے کہ منقولہ روایت جو معالم التنزیل علی الخازن ج ۱ ص۳۴۴ اور الخازن ج ۱ ص۳۴۴ میں ہے۔ اس کی سند میں محمد بن

اسحاق رح بن یسار رح ہے۔ سلیمان تیمی رح فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ہشام رح بن عروہ رح کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ القطان رح فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان الاعتدال ج ۳ صـ۲۱) امام وھیب رح بن خالد رح بھی اس کو کاذب اور جھوٹا کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ صـ۴۵) امام مالک رح فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ (میزان ج ۳ صـ۲۱ و تہذیب التہذیب ج ۹ صـ۴۱) نیز امام مالک رح نے اس کو کذاب بھی کہا ہے۔ (تاریخ بغدادی ج ۱ صـ۲۳۲) صوفی صاحب! اہلِ حق کو کوسنے اور نجدیوں کے ساتھ ان کی کڑی ملانے کے لئے آپ کو دجال اور کذاب ہی کی روایت کا سہارا ملا ہے؛ اور سچ یہ ہے کہ اور ثبوت آپ کو مل بھی کہاں سے سکتا ہے؟ آپ کا قارورہ اسی کذاب و دجال سے ملنا چاہیئے کیونکہ کبوتر با کبوتر باز با باز۔ وثانیاً روانگی کے وقت آپ کا ان حضرات صحابہ کرام رض کے بارے میں خدشہ ظاہر کرنا ظاہری حالات اور کفار کی دشمنی کی وجہ سے تھا۔ یہ خطرہ اور خدشہ ظاہری قرائن کی وجہ سے اور صرف ظنی تھا۔ اگر علم یقینی ہوتا تو آپ ان صحابہ کرام رض کو ہرگز نہ بھیجتے اور وہ حضرات صحابہ کرام رض بھی ان الفاظ سے آپ کا علم یقینی نہیں سمجھے ورنہ اللہ تعالیٰ سے خبر پہنچانے کی التجاء کا کوئی مطلب نہیں اور شہادت کے بعد کی خبر اسی خدشہ اور خطرہ کو پکا کرتی ہے۔ حرف قد ہمیشہ تحقیق کے لئے نہیں آتا۔ کبھی تقلیل و تکثیر کے لئے بھی آتا ہے، اور ماضی میں تحقیق کے ساتھ التقریب من الحال مع التوقع اور بدون توقع کے لئے بھی آتا ہے (متن متین صـ۲۸۱ وشرح الجامی صـ۳۷۶) اور یہی وجہ ہے کہ نحاۃ اس کو حرف التوقع کہتے ہیں (ایضاً) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات اور مخلوقات سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن آپ نے خود امت کو اپنا بھائی فرمایا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ:۔

وددت انا قد رأینا اخواننا قالوا اولسنا   میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ ہم نے اپنے بھائیوں کو

اخوانک یارسول اللہ قال انتم اصحابی واخواننا الذین لم یأتوا بعد الحدیث (مسلم ج ۱ ص ۱۲۷)	دیکھا ہوتا۔ حضرات صحابہ کرام رض نے فرمایا، یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ تم میرے صحابی ہو۔ ہمارے بھائی تو وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے۔

اس صحیح اور صریح حدیث سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ آپ نے قیامت تک آنے والی امت کو اپنا بھائی فرمایا ہے۔ امام نووی رح فرماتے ہیں کہ :-

قال الامام الباجی رح قوله صلی اللہ علیه وسلم بل انتم اصحابی لیس نفیا لاخوتهم ولکن ذکر مزیتهم الزائدة بالصحبة فهؤلاء اخوة صحابة والذین لم یأتوا اخوة لیسوا بصحابة کما قال اللہ تعالیٰ انما المؤمنون اخوة (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲۷)	امام باجی رح نے فرمایا کہ آپ کا یہ ارشاد کہ، بلکہ تم میرے صحابہ ہو، اس میں ان کے بھائی ہونے کی نفی نہیں ہے لیکن آپ نے ان کی صحابی ہونے کی مزید مزیت بیان فرمائی سو وہ آپ کے بھائی صحابہ ہیں اور جو ابھی نہیں آئے وہ بھائی ہیں صحابی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ پختہ بات ہے کہ مومن بھائی بھائی ہیں

صوفی صاحب آپ نے دیکھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرات صحابہ کرام رض اور امتیوں کا بھائی ہونا قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہے۔ یہ سبق اسمٰعیل شہید مظلوم کا نہیں ہے۔ البتہ آپ کے واہ گرو جی خانصاحب بریلوی نے شہید مظلوم کو بدنام کرنے کیلئے انکی عبارت کا مطلب اُن کی مُراد کے خلاف لے کر بلاوجہ ان کو کوسا ہے۔ اس کی مزید اور سیر حاصل بحث راقم کی کتاب عبارات اکابر حصہ اول میں ملاحظہ کریں۔ صوفی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ کسی روایت میں نہیں کہ اے اللہ اپنے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر ساتھیوں کو ہمارے حالات سے مطلع کر دے الخ۔ یہ ان کی حضرات صحابہ کرام رض کے ایمانی ذوق اور عربی ادب سے ناواقفی کا نتیجہ ہے وہ اس طرح کہ جب حضرات صحابہ کرام رض نے یہ دُعا مانگی کہ اے باری تعالیٰ ہمارے حالات کی خبر ہمارے بھائیوں کو دے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ

ان کو خود بلا واسطہ خبر دیتے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کو اطلاع تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہی ہو سکتی ہے اور آپ کو وحی جبرائیل علیہ السلام سے خبر ہو گی۔ افسوس ہے کہ اتنی واضح بات بھی اس نام نہاد مناظرِ اسلام کے لئے معمہ بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں یہ بھی ہے :-

فاخبر جبرائیلُ النبیَّ صلے اللہ علیہ وسلم انهم قد لقوا ربهم فرضی عنهم وارضاهم فکنا نقرأ ان بلغوا قومنا ان قد لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا ثم نسخ بعد الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۳۹۳)

کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی کہ بے شک وہ اپنے رب سے مل گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور اس نے ان کو راضی کر دیا ہے اور ہم اس کی تلاوت و قرأت کرتے تھے کہ ہماری طرف سے قوم کو پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے مل گئے ہیں۔ وہ ہم سے راضی ہے اور ہمیں اس نے راضی کر دیا ہے۔ اس کے بعد اسکی قرأت منسوخ ہو گئی۔

اگر پہلے سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان حضرات کی شہادت کی خبر تھی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آکر خبر دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ فاخبر میں حرف ف ہے جو نحو اور گرامر کے طور پر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ رونما ہونے کے فوراً بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آکر خبر دی تھی (کیونکہ حرف ف تعقیب بلا مہلت کے لئے آتا ہے) ایسی اور اتنی تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی صوفی صاحب لوگوں کو مغالطہ دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں تو ہمارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ صوفی صاحب ابن عم شما سے

محمد بھی ترا جبرائیل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجمان تیرا ہے یا میرا

نمبر (۷) :- تبرید النواظر میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہوتے تو آپ کو فتح خیبر کے بعد جو زہر کھلائی گئی تھی وہ آپ نہ کھاتے اور نہ صحابہ رضی

کو کھانے دیتے۔ جس کی وجہ سے حضرت بشر بن براء رضؓ کی شہادت ہوگئی۔ اس کے بارے میں ہم نے تبرید النواظر میں لکھا تھا کہ بخاری، ابُوداؤد اور دارمی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے اور مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۲ کی روایت میں ہے وتوفی اصحابہ الذین اکلوا من الشاۃ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضؓ نے جنھوں نے وہ زہر آلود بکری کھائی تھی، وفات پا گئے (محصلہ) اس پر صوفی صاحب گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سبحان اللہ خان صاحب دھوکہ دینے میں ید طولٰی (صوفی صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ لفظ یدِ طولٰی ہے۔ صفدر) رکھتے ہیں۔ یہ روایت بخاری میں بالتفصیل موجود نہیں۔ دوسرا دھوکہ یہ دیا کہ آپ نے چند لقمے کھائے۔ یہ بات بھی کسی روایت میں موجود نہیں تیسرا دھوکہ یہ دیا کہ ابُوداؤد اور دارمی کی روایت میں ہے توفی اصحابہ الذین اکلوا من الشاۃ چوتھا دھوکہ یہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کھانا کھا چکنے کے بعد فرمایا کہ یہ بوٹیاں مجھے بتلا رہی ہیں کہ ہمارے اندر زہر ہے۔ اس کے بعد دارمی صفحہ ۱۹ اور ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۴۸۲ طبع مصر سے پوری روایت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر یہ اعلان کیا ہے کہ کوئی شخص دارمی شریف اور ابُوداؤد شریف کے کسی نسخہ سے توفی اصحابہ الخ (بغیر لفظ بعض) کے الفاظ دکھا دے تو اُس کو دس روپے انعام دیا جائے گا۔ ابُوداؤد ج ۲ صفحہ ۴۸۲ کی روایت میں بھی ہے (پھر روایت نقل کی ہے) اور شارحین مشکوٰۃ نے بھی تصریح کی ہے کہ وفات پانے والے اکیلے بشرؓ بن براءؓ تھے۔ اور آپ نے صحابہ رضؓ کو اس لئے ساتھ شریک کیا تھا کہ نبی اور غیر نبی کا فرق ظاہر ہو کہ آپ پر کافی مقدار میں زہر بھی اثر نہ کر سکی اور تاکہ گوشت کا آپ کے ساتھ کلام کرنا آپ کے حق میں معجزہ ثابت ہو۔ گوشت کھانے کے بعد بوٹیوں کا خبر دینا چہ معنی دارد؟ اور خان صاحب نے اخبرتنی جو ماضی کا صیغہ ہے، اس کا یہ معنی کر کے کہ بوٹیاں مجھے خبر دے رہی ہیں، غلطی کی ہے یہ تخبر کا معنی ہے اور پھر اس میں جو اعتراض آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر وارد ہوتا ہے وہی اللہ تعالٰی پر وارد ہوتا ہے کیونکہ نبی کے قول و فعل پر ہر وقت اللہ تعالٰی اپنی نظر قدرت رکھتا ہے۔ (محصلہ صفحہ ۹ تا ۹۲)

الجواب: صوفی صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے وہ حق و باطل کا مخلوط ملغوبہ ہے اور صحیح

بات سمجھنے کی انھوں نے کوشش ہی نہیں کی اور توحید و سنت سے اعراض کرنے کے بعد صحیح بات سمجھ بھی کب آتی ہے؟ اب آپ جوابات ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ روایت بالتفصیل بخاری شریف میں موجود ہے۔ ہم نے تبرید النواظر میں یہ لکھا ہے کہ بخاری ج ۲ صفحہ ۶۱۰ وغیرہ میں یہ روایت ہے۔ صوفی صاحب میں فہم کا اتنا مادہ بھی نہیں کہ وہ وغیرہ کے لفظ کو سمجھ سکیں اور کیا یہ منقولہ واقعہ مجملاً و مفصلاً بخاری وغیرہ میں موجود نہیں ہے؟ اسی طرح اُن کا یہ کہنا کہ چند لقمے کھائے یہ بھی کسی روایت میں موجود نہیں۔ حالانکہ خود صوفی صاحب دارمی ص ۱۹ اور ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۲ کے حوالہ سے روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں فاخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم منھا الزراع فاکل منھا الخ اور معنی یوں کرتے ہیں: "آپ نے اس کی دستی اٹھا کر اس میں سے کچھ تناول فرمایا (ص ۵۳) معاف رکھنا اسی کو ہم نے چند لقمے کھانے سے تعبیر کیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد اور دارمی کے حوالہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہی ہیں توفی اصحابہ الذین اکلوا من الشاۃ اور اسی روایت کو ہم نے بالاستقلال استدلال میں نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ صوفی صاحب آپ نے دس روپے کا انعام مطلق کیوں نہیں چھوڑا۔ ابوداؤد اور دارمی سے مقید کیوں کیا ہے؟ کیا مشکوٰۃ شریف حدیث کی کتاب نہیں ہے؟ جتنا حوالہ ہم نے مشکوٰۃ کا مفصل دیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ ابوداؤد اور دارمی کے صفحات اجمالی حوالہ میں صرف اس لئے درج کئے گئے ہیں کہ طلبہ کرام کو تلاش کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ ہاں البتہ یہ بات صوفی صاحب کی قرین قیاس ہے کہ صاحب مشکوٰۃ سے روایت نقل کرنے میں بعض کا لفظ سہواً چھوٹ گیا ہے۔ (ص ۹۲) چونکہ صاحب مشکوٰۃ کے مشکوٰۃ شریف میں حدیثوں کے نقل کرنے میں بہت سے اوہام ہیں۔ ایک وہم یہ بھی ہو تو کچھ بعید نہیں۔ اس مفصل روایت سے یہ ثابت ہوا کہ زہر آلود بکری کھانے والے سب حضرات شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے۔ ایسا ہی سہی، کوئی حرج نہیں۔ اور ابوداؤد کی روایت اور شارحین مشکوٰۃ کی تحقیق بھی ہمیں مسلم ہے کہ وفات پانے والے اکیلے حضرت بشر رضی اللہ عنہ بن براء تھے مگر اصل

سوال تو ابھی تک باقی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہو کر دیدہ دانستہ ایک صحابی کو بھی کیوں زہر کھلا کر شہید ہونے دیا؟ وفات پانے والے متعدد صحابہؓ ہوں یا ایک صاحب ہوں، اصل سوال تو بہرحال برقرار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم (ت ن عن ابن عمرو صحیح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۲۳)

البتہ دنیا کا تباہ و برباد ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان مرد کے قتل سے آسان تر ہے

علامہ عزیزی رح فرماتے ہیں، حدیث صحیح (السراج المنیر ج ۳ ص ۱۹۳)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ:۔

لو ان اھل السماء والارض اشترکوا فی دم مومن لکبھم اللہ عزوجل فی النار (ت عن ابی سعید وابی ھریرۃ صحاح (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۲۸)

اگر آسمان والے اور زمین والے (یعنی ساری مخلوق) ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو ضرور اللہ تعالیٰ ان کو اوندھا کر کے دوزخ میں ڈالے گا۔

کیا صوفی صاحب کا ضمیر اس بات کو مانتا ہے کہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمائیں اور دوسری طرف دیدہ دانستہ ایک مومن بلکہ صحابی کو زہر کھلا کر قتل کر دیں (معاذ اللہ تعالیٰ) کوئی مسلمان اس کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔ رہی یہ بات کہ آپ نے ان صحابہ کرام رضؓ کو اس لئے زہر خورانی میں شریک کیا تھا تاکہ نبی، غیر نبی کا فرق نمایاں ہو۔ یہ بھی صوفی صاحب کی خام خیالی اور طفل تسلی ہے۔ نبی اور غیر نبی کا فرق واضح کرنے کے لئے اور دلائل تھوڑے تھے کہ دواء خبیث کھلا کر ایک مخلص صحابی کو شہید کروا دیا (عیاذاً باللہ تعالیٰ) حالانکہ آپ نے دواء خبیث کے استعمال سے منع فرمایا ہے (نھی عن الدواء الخبیث احمد۔ د ت ہ ک عن ابی ھریرۃ صحیح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۹۰ وکنوز الحقائق ج ۲ ص ۱۳۵ علی الجامع الصغیر)۔ ہاں اگر سم الفار وغیرہ کو مدبر کر کے اس کا کشتہ بنا لیا جائے اور اس میں خباثت اور ضرر کا مادہ نہ رہے تو اطباء کے ہاں اس کا استعمال ایک معمول بنا ہوا ہے اور کیا وحی کا آنا، قرآن کریم کا نزول اور بے شمار معجزات کا آپ کے ہاتھ مبارک پر صدور نبی

اور غیر نبی کے فرق کے لئے کافی نہ تھا؟ اور کیا اس فرق کو اُجاگر کرنے کے لئے صرف زہر خورانی ہی باقی رہ گئی تھی؟ صوفی صاحب کچھ تو ہوش و انصاف سے کام لیں بے شک گوشت کا بولنا آپ کا معجزہ ہے مگر یہ معجزہ ہی بتاتا ہے کہ آپ کو پہلے علم نہ تھا اور بوٹیوں نے بول کر بتایا، اور نیز دارمی صلا اور ابوداؤد ج ۲ ص۲۸۷ کے حوالہ سے جو روایت صوفی صاحب نے نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے :۔ "اس کے بعد آپ نے یہودیہ کو بلایا اور فرمایا کہ تُونے اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس دستی نے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہودیہ نے اقرار کر لیا (الرھش)۔ بقول صوفی صاحب اگر آپ کو پہلے علم تھا کہ اس میں زہر ہے تو اس یہودیہ سے پوچھنے کا کیا معنیٰ؟ اور معاذ اللہ تعالیٰ پھر اس مصنوعی اور دکھلاوے کی کارروائی کا کیا مطلب؟ صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ گوشت کھانے کے بعد بتلانا چہ معنی دارد؟ سو گزارش ہے کہ صوفی صاحب نے ابوداؤد شریف اور دارمی شریف کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں یہ بھی ہے :۔

فاکل منھا واکل رھط من اصحابہ معہ ثم قال لھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارفعوا ایدیکم الحدیث

سو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس بکری سے کچھ تناول فرمایا اور آپ کے کچھ صحابہؓ نے بھی کھایا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اپنے ہاتھ کھینچ لو۔

صوفی صاحب! کیا اس روایت میں زہر آلود بکری کھانے کے بعد حرف ثم سے (ثم قال لھم الخ) آپؐ کے خبر دینے کی تصریح نہیں ہے۔ آخر اس روایت کو آپ کہاں لے جائیں گے؟ ہماری مُراد بھی گوشت کھانے کے بعد خبر دینے سے وہی ہے جو اس حدیث سے ثابت ہے۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا مدعیٰ اپنے مقام پر مضبوط پہاڑ کی طرح کھڑا ہے اور صوفی صاحب باوجود ادھر ادھر سے ناکام حملے کرنے کے کامیاب نہیں ہوئے۔ باقی اللہ تعالیٰ ایک آن میں ساری دنیا کو موت کی آغوش میں لٹا دے، اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ خالق، مالک اور

متصرف فی الامور ہے اور وہ مکلف نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مکلف تھے لہذا اللہ تعالیٰ پر تو ہرگز اعتراض نہیں ہو سکتا اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ مکلف شریعت تھے اس لئے آپ اس کے پابند تھے اور اخبرتنی ماضی کا صیغہ ہے ہم نے محض استحضار صورت کے لئے اس کا لازمی معنیٰ حال سے کر دیا ہے اور علمِ عربیت کے لحاظ سے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ تلخیص مختصر المعانی اور مطول وغیرہ ملاحظہ کر لیجئے۔ ؎

نظر نہیں تو میرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل

نمبر (۸) ۔ تبرید النواظر میں بخاری اور مسلم کے حوالہ سے لکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں بشر ہوں تم میرے پاس جھگڑے لاتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی چرب زبانی سے اپنے جھوٹے دعویٰ کو سچا کر دکھائے اور میں غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو اس کو وہ دوزخ کا ٹکڑا سمجھے۔ اگر آپ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو ایسا نہ فرماتے (محصلہ) صوفی صاحب نے ہماری عبارت بخاری اور مسلم کا حوالہ دیئے بغیر نقل کی ہے۔ کیا یہ بددیانتی نہیں ہے؟ آگے لکھتے ہیں حاشا وکلا انبیاء علیہم السلام کے فہم میں کبھی غلطی نہیں ہوتی کیونکہ ان کے فہم کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہوتا ہے۔ ہاں اگر اجتہاد میں غلطی واقع ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اسی وقت آگاہی فرما دیتا ہے۔ غلط فہمی کی نسبت سید الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف کرنا نہایت بے ادبی ہے۔ پھر بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۵ اور مسلم ج ۲ ص ۷۴ سے روایت نقل کی ہے جس میں یہ لفظ ہیں واحسب انه صادق اور معنیٰ یوں کرتے ہیں "اور میں گمان کروں اس کو سچا" اور پھر آگے مسلم ص ۷۴ ج ۲ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں یہ لفظ ہیں فاقضی له علی نحو ما اسمع منه اور معنیٰ یوں کرتے ہیں "اور میں باعتبار جو اس سے سنوں اس کے حق میں فیصلہ دے دوں"۔ آگے لکھتے ہیں۔ خان صاحب کی تحریف معنوی بالکل ظاہر ہے۔ (ملخصاً ص ۸۴ و ص ۸۵)۔

الجواب :۔ صفوتی صاحب اس صحیح روایت کے مضبوط پنجوں سے نکلنے کے لیے بڑے اُچھلے کودے ہیں مگر نکل نہیں سکے۔ صفوتی صاحب! آپ ہی خدا لگتی کہہ دیں کہ اجتہادی غلطی اور غلط فہمی میں علمی طور پر کیا فرق ہے؟ اگر بے ادبی ہے تو دونوں لفظوں میں ہے نہیں تو کسی میں بھی نہیں۔ خواہ مخواہ لوگوں کو دھوکا دینا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں بے ادبی کی نسبت کر کے عوام کے جذبات کو مشتعل کرنا یہ آپ کو اپنے بڑے مہاگروں سے ورثہ میں ملا ہے۔ اور یہ آپ حضرات کی موروثی دولت ہے۔ صفوتی صاحب! ایک ہے کم فہم ہونا۔ یہ البتہ عیب اور بے ادبی ہے، اور ایک یہ ہے کہ کسی بزرگ ترین شخصیت کو ساری مخلوق سے بڑھ کر فہم و فراست حاصل ہو لیکن کسی جزوی واقعہ میں غلط فہمی ہو جائے، اس کا نام اجتہادی غلطی، زلّت اور خطائے اجتہادی ہے اور کتب حدیث، اصول فقہ اور شروح حدیث میں اس مسئلہ پر کافی بحث موجود ہے۔ آپ کی ضیافتِ طبع کے لیے صرف ایک حوالہ ہم یہاں عرض کیے دیتے ہیں تاکہ خانصاحب کا مہمان بغیر ضیافت کے نہ چلا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

رأیت فی المنام انی اھاجر من مکۃ الیٰ ارض بھا نخل فذھب وھلی الیٰ انھا الیمامۃ او ھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب (بخاری ج ۱ صـ۵۵۱)

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے ایسی زمین کی طرف جا رہا ہوں جہاں بکثرت کھجوروں کے درخت ہیں۔ میرا وہم اس طرف گیا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا مقام ہے لیکن وہ مقام مدینہ منورہ نکلا جس کا (پہلا) نام یثرب ہے۔

بخاری شریف کے حاشیہ میں وھلی کا معنیٰ وہمی کیا ہے اور بین السطور فتح الباری کے حوالہ سے وھل کا معنیٰ لکھا ہے اذا ظن شیئًا فتبیّن الامر بخلافہ یعنی جب کسی چیز کا گمان کرے اور معاملہ اس کے برخلاف ظاہر ہو۔ یہ واقعہ ہجرت سے قبل کا ہے اور آپ کو نبوت و رسالت مرحمت ہوئے خاصے سال گزر چکے تھے۔ اگر آپ عالم الغیب اور حاضر و ناظر

ہوتے تو آپ کو خواب کے ذریعہ یہ بتلانے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ نخلستان کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں ؟ پھر آپ کا یہ وہم واقعہ کے خلاف کیوں نکلا ؟ یہ غلط فہمی اور اجتہادی لغزش نہیں تو اور کیا ہے ؟ باقی بخاری اور مسلم کے حوالہ سے جو روایتیں نقل کی ہیں وہ سو فیصدی ہماری تائید میں ہیں جیساکہ کسی بھی سمجھ دار سے یہ بات مخفی نہیں ہے ۔ ہم پر تحریفِ معنوی کا الزام لگانا صوفی صاحب کی کھُلی جہالت کا نتیجہ ہے مگر ؂

خاک سمجھیں گے وُہ ظاہر ہیں رموزِ معرفت
جو ہمیشہ حلوۂ بے دُود کی باتیں کریں۔

نمبر (۹) :- حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا واقعہ حاضر و ناظر و نفی علمِ غیب پر تبریدالنواظر میں نقل کیا گیا تھا ۔ اس کے بارے میں صوفی صاحب لکھتے ہیں ۔ اس واقعہ میں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اطلاع علی الغیب اور حاضر و ناظر کا بین ثبوت ہے لیکن خانصاحب نے اس واقعہ پر بھی بد باطنی کا یوں ثبوت دیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط دُور کیوں جانے دیا ؟ بے شک انسان کو جس کے ساتھ عداوت ہو اس کا وصف کمال بھی عیب ہی نظر آتا ہے (ص۹۶)

الجواب :- یہ ہے صُوفی صاحب کا اس صحیح حدیث سے جواب ؟ روضۂ خاخ کے بارے میں بعض شراح حدیث لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک جگہ ہے بعض نے بہ نسبت مکہ مکرمہ کے اقرب الی المدینہ بھی لکھا ہے اور بعض نے بارہ میل دُور لکھا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ حاضر و ناظر تھے اور آپ کو غیب کا علم تھا تو مسلمانوں اور اسلام بلکہ خود آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف اتنی بڑی جاسوسی اور مخبری کو عین موقع پر چھاپہ مار کر کیوں نہ پکڑا ؟ اور اس عورت کو کم از کم بارہ میل دُور جانے ہی کیوں دیا ؟ ان باتوں کو صوفی صاحب کیوں پی گئے ہیں ؟ یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کو خبر دینا منظور نہ تھا آپ کو مطلع نہیں فرمایا ۔ جب خبر دینا منظور تھا ، اطلاع دے دی اور اس جزئی واقعہ کا علم بھی دے دیا اور جگہ بھی بتلا دی ۔ اس کو حاضر و ناظر اور علمِ غیب سے تعلق ہی کیا ہے ؟ بلکہ یہ واقعہ نفی علمِ غیب

اور حاضر و ناظر میں نص ہے۔ یہ صوفی صاحب کی خالص ہٹ دھرمی ہے کہ وہ اس واقعہ کو حاضر و ناظر اور علم غیب پر واضح اور بیّن ثبوت تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں مناسب وقت پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو اس واقعہ کی خبر دینا اللہ تعالیٰ کا احسان تھا اور یہ آپ کا معجزہ تھا چنانچہ امام نووی رہ لکھتے ہیں:۔

وفی ھذا معجزۃ ظاہرۃ لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۰۲)	اور اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے۔

اگر آپ کو اس واقعہ کا اس سے پہلے علم ہوتا یا آپ حاضر و ناظر ہوتے تو خصوصیت سے اس واقعہ کے معجزہ ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ الغرض اس صحیح واقعہ کا ایک ایک جملہ علم غیب اور حاضر و ناظر کی نفی کر رہا ہے اور صوفی صاحب کے لئے فرار کے سب راستے مسدود کر دیئے ہیں، اور صوفی صاحب کا اس سے جان چھڑانا مشکل ہے ؎

سنبھل کر چھیڑنا اے طفلِ دل زلفِ پریشاں کو
لپٹ جاتی ہے یہ عشاق سے کالی بلا ہو کر!

نمبر (۱۰):۔ اہلِ مدینہ میں یہ افواہ پھیلی کہ دشمن کا حملہ ہونے والا ہے۔ رات کا وقت تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہ رض کے گھوڑے پر بغیر زین کے سوار ہو کر حالات کی تحقیق کر کے واپس آ رہے تھے کہ حضرات صحابہ کرام رض آپ سے ملے۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں کوئی خطرہ نہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ حاضر و ناظر اور عالم الغیب نہ تھے۔ (محصلہ) اس کا جواب دیتے ہوئے صوفی صاحب یہ لکھتے ہیں کہ آپ چونکہ سید القوم تھے اسلئے عملی ثبوت آپ نے دیا تاکہ لِمَ تقولون ما لا تفعلون ۔ میں داخل نہ ہوں۔ نہ کہ آپ تحقیقِ حال کے لئے گئے اور نہ ہی آپ نے واپس آکر اپنی تحقیق سے اہلِ مدینہ کو آگاہ کیا۔ پھر بخاری ج ۱ ص ۴۰۱ سے روایت نقل کی اور پھر لکھا کہ حضرت ابو طلحہ رض کے گھوڑے کو تیز رفتاری بھی بخشی۔ اس سے عدم علم اور غیر حاضر و ناظر ہونا ثابت نہیں ہے (محصلہ ص ۹۶، ص ۹۷)

الجواب :- یہ روایت بخاری شریف میں دس مرتبہ سے زیادہ آئی ہے، کہیں مجمل کہیں مفصل۔ ایک مقام میں روایت اس طرح ہے :-

عن انسؓ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس ولقد فزع اھل المدینۃ ذات لیلۃ فانطلق الناس قبل الصوت فاستقبلھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد سبق الناس الی الصوت وھو یقول لم تراعوا لم تراعوا اھ (بخاری ج ۲ ص ۸۹۱)

حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انسانوں میں سے حسین تر، سخی تر اور دلیر تھے ایک رات اہل مدینہ پر خوف طاری ہوا تو آپ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی طرف چلے گئے آپ جب لوٹے تو لوگ سامنے سے آ رہے تھے آپ نے ان سے فرمایا۔ نہ ڈراے جاؤ، نہ ڈرائے جاؤ۔

کیا یہ روایت صاف طور پر یہ نہیں بتاتی کہ آپ تحقیقِ حال کے لئے تشریف لے گئے تھے؟ اور کیا اس روایت میں یہ نہیں کہ آپ نے اپنی تحقیق سے لوگوں کو آگاہ کیا اور تسلی دی؟ آپ کے سید القوم ہونے کا کون مسلمان منکر ہے؟ اور اسی طرح آپ کے سوار ہونے کی برکت سے گھوڑے کے تیز رفتار ہونے کا انکار کس نے کیا ہے؟ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ یہ تیز رفتاری آپ نے نہیں بخشی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس پر سوار ہونے کی برکت سے بخشی کیونکہ قرآن و حدیث کی صریح نصوص کے تحت اہلِ حق کا یہ مسلک ہے کہ ہر چیز کا خالق اور دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ؎

بس اب ایک ہی آشنا چاہتا ہوں
میں اب ترک ہر ماسوا چاہتا ہوں

نمبر (۱۱) :- صوفی صاحب تبرید النواظر کی عبارت کا مجمل خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مسلم شریف ج ۲ ص ۱۰۷ کہ حضرت حذیفہ کو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمنوں کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا اور پھر یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ کا بھیجنا انتظامِ سلطنت کے اصول کی تعلیم کے لئے تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی وفات سے پہلے تین دن جبرائیل علیہ السلام کو حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ حدیث مشارق الانوار ص ۵۰ میں ہے۔ لہٰذا آپ کا بھیجنا بھی ایسا ہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا نصوصِ قطعہ سے ثابت ہے تو کہا جائیگا

کہ آپ کا شاہد ہونا اور مطلع علی الغیب ہونا بھی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے (محصلہ ص)۔

الجواب:- اگر مؤلف صاحب تبرید النواظر کی پوری عبارت یا استدلال کا پورا خلاصہ ہی بیان کر دیتے تو انشاء اللہ تعالیٰ عوام اس سے خود حقیقت کو سمجھ لیتے۔ مسلم شریف کی روایت میں تصریح ہے:-

الا رجل یأتینی (وفی روایۃ یأتینا) بخبر القوم جعلہ اللہ عزوجل معی یوم القیمۃ الحدیث (مسلم ج ۲ ص ۱۰۷)	کیا کوئی شخص نہیں جو مجھے قوم کی خبر لا کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن میری معیت نصیب فرمائے گا۔

یہ الفاظ صاف طور پر بتلاتے ہیں کہ آپ خود دشمن قوم کے حالات سے آگاہ ہونا چاہتے تھے۔ اس میں مقصود بالذات یہی بات تھی باقی انتظام سلطنت وغیرہ سب بالتبع اور ضمنی باتیں ہیں، ہمیں ان کا انکار نہیں ہے۔ رہا مشارق الانوار کی حدیث سے استدلال، تو وہ ان کو چنداں مفید نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا مسلم حقیقت ہے۔ اس کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجنا خبر حاصل کرنے کیلئے نہیں بلکہ بے شمار مصلحتوں کے لئے ہو سکتا ہے مثلاً ایک ان میں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دلجوئی ہو۔ لہٰذا اس پر قیاس بالکل باطل ہے اور ایسے عذر لنگ سے اس صحیح اور صریح حدیث سے ثابت شدہ مفہوم کا انکار یا تاویل مردود ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے لفظ شاہد تو نص قطعی سے ثابت ہے لیکن اس سے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونا ہرگز ثابت نہیں۔ چہ جائیکہ یہ معنیٰ قطعی ہو۔ باقی اطلاع علی الغیب کے وہ جزئیات اور اخبار قطعی ہیں جو نصوص سے ثابت ہیں۔ ان کے علاوہ کل اخبار اور جزئیات کا علم کون سی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے؟ اور خواہ مخواہ لوگوں کو دھوکا دینا کہاں کا انصاف ہے؟ جو چیز ثابت ہے وہ ثابت ہے مگر وہ محدود اخبار اور جزئیات ہیں باقی سب علم غیب میں داخل ہیں جو علیم بذات الصدور کے ساتھ مختص ہیں، لاشک فیہ۔

۵ ہوش میں مجذوب آ ہشیار ہو
حد سے گزری غفلت اب بیدار ہو

نمبر (۱۲) :۔ تبرید النواظر میں مسلم ج ۲ ص ۳۰ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کر کے عدم علم غیب و حاضر و ناظر پر استدلال کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بیعت کر لیا۔ دراصل وہ غلام تھا اور آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ غلام ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے بدلے دو غلام دے کر اس کو خرید لیا اور پھر آپ کسی کو یہ پوچھے بغیر بیعت نہیں کرتے تھے کہ وہ غلام ہے یا آزاد؟ (محصلہ) صوفی صاحب نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دانستہ ایسا کیا تھا کہ ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے خرید و فروخت کا جواز ثابت کریں جیسا کہ وضو میں آپ نے بعض دفعہ ایک ایک دفعہ اعضاء دھوئے اور سنت تین مرتبہ دھونے میں قائم ہوئی۔ ۲۔ اس حدیث میں ولم یشعر انہ عبد (کہ آپ کو پتہ نہ چل سکا کہ وہ غلام ہے) سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم علم غیب پر دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ کیونکہ یہ راوی کا خیال ہے بلکہ شعور ایک باطنی امر ہے اس سے راوی کو کیسے اطلاع ہو گئی؟ جب اس کو اطلاع ہو سکتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں نہیں ہو سکتی؟ اس کے بعد کا پوچھنا معاملات کی تفتیش کے لئے تھا۔ (محصلہ ص ۸۸)۔

الجواب :۔ صوفی صاحب نے یہ جو کچھ کہا ہے علمی دنیا میں اس کی پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ آپ کو ابتداء میں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ غلام ہے۔ (لم یشعر انہ عبد) لہٰذا ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے خرید و فروخت کے جواز کی کہانی کا کیا مطلب؟ باقی اس کو وضو پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔ کیونکہ وضو حق اللہ تعالیٰ کی مد میں ہے اور خرید و فروخت حق العبد ہے۔ پھر وضو میں ایک دو اور تین

مرتبہ اعضاد ہونے کا صریح روایات سے ثبوت ہے اور غلام کی ہجرت پر بیعت کا اس روایت کے بغیر کسی صحیح اور صریح روایت سے ثبوت نہیں ہے لہٰذا حق العبد اور حق اللہ تعالیٰ پر اور ناجائز کو جائز پر قیاس کرنا باطل ہے۔ وثانیاً مان لیا کہ ولم یشعر انہ عبد راوی کا خیال ہے لیکن معاف رکھنا یہ راوی حضرت جابر رضؓ صحابی ہیں، صاوی نہیں ہیں۔ اور ان کا یہ فرمان قرائن پر مبنی ہے۔ خود اسی حدیث میں مذکور ہے کہ اس غلام کا آقا آیا اور اس نے اپنے غلام کا تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا اس کو مجھ پر فروخت کر دو۔ چنانچہ اس کو دو غلاموں کے بدلے خرید لیا اور اس کے بعد آپ کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے تاوقتیکہ یہ نہ پوچھ لیتے کیا وہ غلام ہے؟ (مسلم ج ۲ ص ۳۱) ایسے صریح قرائن کے ہوتے ہوئے ان کا لم یشعر انہ عبد کا فرمانا بے جا نہیں۔ اور یہ ظاہر امر ہے کہ مخلوق جب ایک دوسرے کے لئے علم ثابت کرے یا اس کی نفی کرے تو اپنے معلومات اور دانست کے مطابق کرتی ہے۔ باطن سے مخلوق کا بجز وحی الٰہی کے کیا تعلق؟ صوفی صاحب کا شعور کو امر باطنی کہنا غلط ہے شعور کا معنیٰ احساس ہے جو حواس ظاہرہ سے ہوتا ہے (دیکھئے کشاف ج ۱ ص ۹ و بیضاوی ج ۱ ص ۲) اور یہ تفتیشِ معاملات بھی اسی لئے ہوتی تھی کہ کہیں بے خبری اور لاعلمی میں غلام سے ہجرت کی بیعت نہ ہو جائے۔ اس تفتیش سے اثباتِ علمِ غیب کا کیا واسطہ؟ بلکہ یہ تو نفی کی واضح تر دلیل ہے۔ مگر سمجھ درکار ہے جس سے صوفی صاحب محروم ہیں ؎

آشنا اچھا ہے یا نا آشنا ؟

اس کو پوچھو آشنائے راز سے

نمبر (۱۳): حضرت مابور رضؓ نامی ایک غلام کو منافقوں نے حضرت ماریہ رضؓ سے متہم کیا۔ آپ کو بھی یقین ہو گیا اور غیرت میں آکر حضرت علی رضؓ کو تلوار دے کر اس کے قتل کے لئے بھیجا۔ انھوں نے اتفاقاً دیکھا تو وہ پیدائشی نامرد تھا۔ اس کا آلۂ تناسل ہی نہ تھا انھوں نے علتِ زنا مفقود پانے کی وجہ سے اُس کو قتل نہ کیا۔ واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاضر وہ چیز دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھتا۔ (محصلہ تبرید النواظر)۔

اس کے جواب میں صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ ۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم تھا کہ یہ صرف افواہ ہے، حقیقت اس میں کچھ نہیں ورنہ تو ابتداء ہی سے اس خبر کو زور نہ پکڑنے دیتے۔ ۲۔ آپ کو یقین آگیا یہ خان صاحب کا بہتان ہے۔ بہر حال زنا کا مقدمہ بغیر عینی شہادتوں کے یا بغیر زانی کے اقرار کے کیونکر فیصلہ پایا؟ پھر سزا طرفین کو کیوں نہ سنائی گئی؟ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقین آجانے کے بعد بھی ماریہ رضؓ سزا کی مستحق نہ تھی؟ آپ جانتے تھے مگر چونکہ گھر کا معاملہ تھا اس لئے منافق کہتے کہ آپ پردہ ڈالنا چاہتے ہیں اس لئے آپ نے اظہارِ براءۃ کے لئے حضرت علی رضؓ کو تلوار دے کر بھیجا۔ اس حدیث کو باب براءۃ حرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الریبۃ کے باب میں لایا گیا ہے۔ اور امام نووی رحؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ شاید وہ منافق تھا اور اس افواہ کو ذریعۂ قتل بسبب اس کے نفاق کے بنایا گیا نہ کہ زنا کی وجہ سے اور علی رضی اللہ عنہ نے یہ جانتے ہوئے قتل نہ کیا کہ حکم بوجہ زنا کے تھا لہٰذا وہ مفقود ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ صفحہ ۳۶۸) ۳۔ اور آخری جواب یہ ہے کہ یہ حکم شرعی تھا اور ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ کے مطابق آپ وحی کی اتباع کرتے تھے۔ آپ حقیقتِ حال سے باخبر تھے، بے خبر نہ تھے۔ ۴۔ الشاھد یریٰ ما لا یریٰ الغائب کا ارشاد ظاہر کے اعتبار سے ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے لوگوں کے مقابلے میں فرمایا ہو کہ میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو یہ لوگ نہیں دیکھتے کیونکہ آپ کا شاہد ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ (محصلہ صفحہ ۸۹، صفحہ ۹۰)

الجواب:۔ صوفی صاحب نے یہ جو کچھ کہا ہے، سراسر مردود ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ آپ کو اس سے قبل اس افواہ کا علم ہی نہ تھا۔ آپ اس کو کیونکر اور کیسے منع فرماتے؟ صوفی صاحب کی عبارت سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ افواہ ہو تو اس پر پابندی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں یہ حقیقت ہوتی تو روکا جاتا لیکن یہ ان کی قرآن کریم اور حدیث شریف سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شریعت نے افواہوں پر بھی پابندی عائد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ الآیۃ اور لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ

فِی الْمَدِیْنَۃِ الآیۃ و اذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ الآیۃ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان کفیٰ بالمرأ کذبا ان یحدث بکل ماسمع (مسلم ج ۱ ص۸) اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور دوم اس لئے آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا حضرت علیؓ کو قتل کے لئے بھیجنا بغیر یقین آجانے کے ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ اپنے مقام پر اس سلسلہ میں بالیقین تھے ورنہ محض افواہ کی وجہ سے قتل جیسا سنگین حکم صادر کرنا رحمۃ للعالمین کی ذاتِ گرامی سے بالکل مستبعد ہے اس لئے یقین کا لفظ بہتان نہیں بلکہ اس مضمون اور حکم کے پیشِ نظر بالکل امر واقعی ہے۔ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قتل کا یہ حکم مقدمۂ زنا کی وجہ سے نہ تھا تاکہ اس میں عینی شہادتوں یا اقرار کی ضرورت پیش آتی اور حکم طرفین پر جاری ہوتا نہ کہ صرف ایک پر۔ فقہی طور پر، غیرتِ ایمانی کے طور پر، بغیر شرعی شہادتوں کے اور بغیر اقرار کے تنہا زانی کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ علامہ ابن نجیم المصری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وسئل الهندوانیؒ عن رجل وجد رجلاً مع امرأۃ ایحل قتلہ قال ان کان یعلم انہ ینزجر بالصیاح والضرب بما دون السلاح لا وان کان یعلم انہ لا ینزجر الا بالقتل حل لہ القتل وان طاوعتہ المرأۃ حل لہ قتلها ایضاً وفی المنیۃ رأی رجلاً مع امرأتہ وهو یزنی بها او مع محرمہ وهما مطاوعتان قتل الرجل والمرأۃ جمیعاً اھ فقد افاد الفرق بین الاجنبیۃ والزوجۃ والمحرم الخ (بحر الرائق ج ۵ ص۴۱)

امام ہندوانیؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے کسی مرد کو کسی عورت سے غیر حالت میں دیکھا تو اس کا قتل کرنا جائز ہے؟ فرمایا اگر وہ جانتا ہے کہ یہ شخص زجر اور ہتھیار کے بغیر مارنے پیٹنے سے باز آجائے گا تو اس کا قتل درست نہیں اور اگر وہ جانتا ہے کہ وہ بغیر قتل کے اس کارروائی سے باز نہیں آئے گا تو اس کو قتل کرنا جائز ہے اور اگر عورت نے برضا و رغبت یہ کارروائی کی ہے تو اس کا قتل بھی جائز ہے اور منیہ میں ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنی بیوی یا اپنی محرم سے زنا کرتے دیکھا اور وہ دونوں برضا و رغبت یہ کارروائی کرتے ہوں تو

دونوں کو قتل کر سکتا ہے۔ اِس عبارت سے

اجنبیہ اور بیوی و محرم کا فرق واضح ہو گیا۔

اب دیکھئے نہ تو یہاں مقدمۂ زنا ہے نہ شرعی شہادتیں اور اقرار ہے مگر مشروط طریقہ سے قتل جائز ہے۔ محض اس لئے کہ دیکھنے والا اپنے مشاہدہ اور یقین سے اس بُری کارروائی کو دیکھتا ہے اور اس فقہی جزئیہ کا اصل حضرت سعد رضؓ بن عبادہ کی حدیث ہے جو بخاری وغیرہ میں موجود ہے

قال سعد بن عبادة لو رأيت رجلا مع امرأتي لضربته بالسيف غير مُصفح فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اتعجبون من غيرة سعد لانا اغير منه والله اغير مني (بخاری ج ۲ ص ۷۸۵، ج ۲ ص ۱۰۱۲ وج ۲ ص ۱۱۰۳)

حضرت سعدؓ بن عبادہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ (غیر حالت میں) دیکھوں تو میں تو اس کو سیدھی تلوار سے ماروں گا۔ یہ خبر آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم سعد رضؓ کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ میں اُس سے زیادہ غیور ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہے۔

اور ہو سکتا تھا کہ اگر بالفرض حضرت مابور رضؓ کو بدیں وجہ قتل کر دیا جاتا (معاذ اللہ تعالےٰ) اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس پر کوئی تنبیہ نازل نہ ہوتی اور پھر بفرض محال حضرت ماریہ رضؓ پر بھی (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ کارروائی برضا و رغبت ثابت ہو جاتی تو اُن کو قتل کرنے کا قدم بھی اٹھتا مگر یہاں تو پہلا ہی قدم نہ اٹھ سکا۔ آگے کی شقوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ گھر کا معاملہ تھا، اگر آپ برأت کرتے تو منافق کہتے کہ پردہ ڈالا جا رہا ہے۔ اس لئے آپ نے حضرت علی رضؓ کو تلوار دے کر روانہ کیا تو یہ بالکل لچر بات ہے۔ اس لئے کہ جب آپ کو معلوم تھا کہ حضرت ماریہ رضؓ میں کوئی عیب ہی نہیں اور محض برأت ہی مقصود ہے تو تلوار سے قتل کر کے برأت کرنے کا کیا معنیٰ؟ اور کیا منافقین کا اعتراض اس طرح رفع ہو جاتا یا ان کے اعتراض کو مزید تقویت حاصل ہوتی کہ واقعی دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے، ورنہ غلام کا سر قلم کرنے کا کیا

مطلب ہے ؛ بے شک یہ حدیث باب براءت حرم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الریبہ میں لائی گئی ہے مگر یہ باب تو حضرات محدثین کرام رح اور خصوصاً حضرت امام نووی رح کا قائم کردہ ہے۔ بات اُس وقت کی ہو رہی ہے جس وقت یہ واقعہ پیش آیا تھا اس وقت یہ واقعہ تھا جس کی حقیقت بعد کو منکشف ہوئی۔ اسی طرح امام نووی رح کا جواب تسلی بخش نہیں ہے۔ ایک[1] تو اس لئے کہ وہ اس کو قیل سے بیان کر کے خود اظہارِ تمریض کر رہے ہیں اور دوم[2] یہ کہ اگر حضرت ماؓبور کے اس ارادۂ قتل کی وجہ نفاق ہوتی تو اس کا آلۂ تناسل کے نہ ہونے سے کیا تعلق ہے؟ وہ تو بہرحال اس قول کے مطابق صفتِ نفاق سے متصف تھے جو موجبِ قتل تھی (معاذ اللہ تعالیٰ) پھر ان کو کیوں قتل نہ کیا گیا؟ اور اگر قتل کی علت نفاق ہی ہوتی تو اور بھی سینکڑوں منافق تھے وہ کیوں نہ قتل کئے گئے؟ اور سوم[3] اس لئے کہ یہ حکم شرعی تھا، سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے قتل کرنا مراد ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے یہ حکمِ شرعی کیوں پورا نہ کیا؟ اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شرعی حکم کو کیوں ٹالا؟ کیا آپ دنیا میں شرعی احکام کی تنفیذ کے لئے تشریف لائے تھے یا ان کو ٹالنے کے لئے؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور اگر شرعی حکم سے ترکِ قتل مراد ہے تو یہ ہماری کھلی تائید ہے کہ آپ نے اپنی ذاتی رائے اور اجتہاد و یقین سے اس کے قتل کا فیصلہ صادر فرما دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرعی حکم یہ نازل ہوا کہ اس کو قتل نہیں کرنا۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کا پہلا امرِ اجتہادی تھا جو صحیح نہ نکلا۔ تو اس لحاظ سے ثابت ہوا کہ آپ پہلے حقیقتِ حال سے بالکل بے خبر تھے۔ جب حکمِ شرعی نازل ہوا تو آپ کو پھر خبر ہوئی اور چہارم[4] اس لئے کہ اگر آپ ظاہری لحاظ سے حاضر و ناظر نہ تھے بلکہ باطنی لحاظ سے تھے تو علم تو باطنی امر ہے اور بقول آپ کے وہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا ہی، پھر کیا وجہ ہے کہ ناکردہ گناہ کو قتل کرنے کے لئے تلوار بھی دی اور حکمِ قتل بھی دیا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ باقی جو احتمال بیان کیا گیا ہے وہ مکڑی کا دھاگہ ہے اس کی کوئی وقعت نہیں۔ کیونکہ علمی طور پر وہ احتمال قبول یا قابلِ توجہ ہوتا ہے جو ناشی عن دلیل ہو اور یہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد الشاھد یریٰ مالا یریٰ الغائب

حضرت علی رضا کے اس بیان کے بعد صادر ہوا ہے کہ میں نے اس کو تہبند کھلنے کے بعد دیکھا کہ اس کے ساتھ تو فطری اور پیدائشی طور پر آلۂ تناسل ہی نہیں ہے۔ اس مقام پر اس کے بغیر اور کوئی معنیٰ ہی نہیں کہ اے علی رضؓ جو تو نے دیکھا وہ ہم نے کب دیکھا؟ باقی آپ بلاشبہ شاہد ہیں مگر یہاں اس کا مصداق آپ نہیں بلکہ حضرت علی رضؓ ہیں اور پھر آپ اس معنیٰ میں شاہد ہیں جس کا باحوالہ بیان ہو چکا ہے کہ قیامت کے دن اُمت کی حق گوئی پر شہادت اور صفائی دیں گے۔ آپ حاضر و ناظر کے معنیٰ میں ہرگز شاہد نہیں ہیں کما مرّ۔ ہر ایک کو اور ہر چیز کو دیکھنا اور پھر خطاکاروں کی خطاؤں سے درگزر کرنا صرف رب ذوالجلال کی صفت اور خوبی ہے، اور بس ؎

دیکھے ہے اپنی آنکھ سے جرم و خطائے خلق
کس انتہا کا علم ترا ذوالجلال ہے

نمبر (۱۴):۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ مسلم ج ۲ ص۷۱ میں آتا ہے کہ ایک لونڈی نے زنا کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو بھیجا کہ اس پر جا کر حد جاری کریں۔ وہ گئے تو دیکھا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ انھوں نے سزا نہ دی۔ واپس آ کر آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا۔ اے علی رضؓ تم نے اچھا کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو علم غیب نہ تھا اور نہ آپ حاضر و ناظر تھے (محصلہ تبرید النواظر)

صوفی صاحب استدلال میں خط کشیدہ الفاظ بالکل ہڑپ کر گئے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں عدم علم کی کون سی دلیل ہے؟ بلکہ اس میں تو اس مسئلہ کی تعلیم ہے کہ باندی زانیہ اگرچہ نفاس میں ہو یا بیمار ہو اس پر حد کا حکم جاری کیا جائے۔ البتہ حد میں تاخیر کی جائے گی اس کے پاک یا تندرست ہونے تک۔ انتہیٰ (بلفظہ ص۱۹)

الجواب:۔ صوفی صاحب اصل گُر کی بات پی گئے ہیں۔ وہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو حد جاری کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اگر آپ کو علم تھا کہ لونڈی

نفاس کی حالت میں ہے تو آپ نے سزا دینے اور حد جاری کرنے کے لئے حضرت علی رضؓ کو بھیجا کیوں؟ اور اگر علم نہ تھا اور حضرت علی رضؓ کے خبر دینے پر معلوم ہوا تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہے اور اسی لئے آپ نے حضرت علی رضؓ کے اس فعل کی تحسین کی اور اَحْسَنْتَ فرمایا۔ الغرض یہ واقعہ بھی نفیٔ علمِ غیب اور حاضر و ناظر پر صراحت سے دال ہے مگر علمی ہوش و حواس ضروری ہے ورنہ یہ وِرد اچھا رہے گا ؎

گم گشتۂ حیرت بھی کوئی مجھ سا نہیں ہے
مَیں خود ہُوں کہیں دِل ہے کہیں ہوش کہیں ہے

نمبر (۱۵):۔ تبرید النواظر میں مُسلم ج ۲ ص ۱۹۹ کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ایک خاص وقت میں ملاقات کا وعدہ کیا مگر نہ آئے۔ آپ پریشان ہوئے کہ کیا وجہ ہے۔ دیکھا تو چارپائی کے نیچے کُتے کا بچہ تھا۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ رضؓ یہ کب آیا؟ انھوں نے فرمایا۔ بخدا مجھے معلوم نہیں۔ اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ کو علم ہوتا کہ وُہ کب داخل ہُوا ہے۔ (محصلہ)

اس کا جواب صوفی صاحب نے یہ دیا کہ آپ کا سوال صرف اظہارِ ناراضگی کے لئے تھا۔ اور آپ کی مُراد یہ تھی کہ کُتا گھر میں کیوں رہنے دیا؟ ورنہ حضرت عائشہ رضؓ کو قسم اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ صرف اتنا جواب کافی تھا مجھے عِلم نہیں۔ (محصلہ ص ۹۱)

الجواب:۔ صوفی صاحب نے محض اپنی پارٹی کو خوش کرنے کے لئے یہ توجیہ کی ہے مگر یہ انتہائی نکمّی اور لایعنی ہے اور خود مُسلم کی روایتیں اس کو رَد کرتی ہیں۔ اس سِلسلہ میں ایک روایت حضرت میمونہ رضؓ سے ہے اور دُوسری حضرت عائشہ رضؓ سے۔ اوّل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ایک دن صبح کی تو آپ بہت پریشان تھے۔ حضرت میمونہ رضؓ نے فرمایا۔ یا رسُول اللہ۔ آج کے دِن میں آپ کی صورت مبارکہ کو اُداس دیکھ رہی ہوں۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا

کہ مجھ سے وہ رات کے وقت ملاقات کریں گے لیکن وہ مجھ سے ملے نہیں۔ بہرحال بخدا انھوں نے کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارا دن اسی طرح مغموم رہے۔ پھر آپ کے دل میں خیال آیا کہ خیمہ یا پردہ کے نیچے کتے کا بچہ ہے۔ اس کے بارے میں حکم دیا گیا تو وہ وہاں سے نکالا گیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے پانی لے کر وہاں چھڑکا۔ پس جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام آپ سے ملے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ نے مجھ سے گزشتہ رات ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ فرمایا ہاں لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا اور تصویر ہو۔ الخ (مسلم ج ۲ ص ۱۹۹)

اور حضرت عائشہ رضؓ کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک مقرر وقت کا وعدہ کیا تھا کہ اس گھڑی آئیں گے وہ گھڑی تو آگئی لیکن وہ نہ آئے۔ آپ کے ہاتھ میں لاٹھی تھی آپ نے وہ ہاتھ سے پھینک دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور نہ اس کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ایسا کرتے ہیں پھر آپ نے التفات کیا تو کتے کا بچہ چارپائی کے نیچے تھا۔ آپ نے فرمایا کہ :-

یا عائشۃ رضؓ متی دخل ھذا الکلب ھھنا؟ اے عائشہ رضؓ یہ کتا یہاں کس وقت داخل ہوا ہے؟

فقالت واللہ ما دریت انھوں نے فرمایا بخدا مجھے معلوم نہیں۔

سو اس کے بارے میں حکم دیا گیا اور اس کو وہاں سے نکالا گیا۔ پس جبرائیل علیہ السلام آگئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے جبرائیل ع آپ نے وعدہ کیا تھا۔ میں آپ کے لئے بیٹھا رہا سو آپ نہ آئے۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے اس کتے نے روکے رکھا جو آپ کے گھر میں تھا۔ بلاشبہ ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا اور تصویر ہو۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۹۹)

آپ غور فرمائیں کہ صوفی صاحب نے جو تاویل بلکہ تحریف کی ہے کیا وہ یہاں چل سکتی ہے؟ اگر آپ ناراضگی کا اظہار فرماتے تو یوں ارشاد فرماتے :- لِمَ دخل ھذا الکلب الخ یہ کتا یہاں کیوں داخل ہوا ہے؟ مگر آپ تو یہ فرماتے ہیں :- متی دخل ھذا الکلب ھھنا یہ کتا یہاں کب اور کس وقت

داخل ہوا ہے؟ کیا عالم الغیب اور حاضر و ناظر بھی خبر معلوم کرنے کے لیئے وقت کے بارے میں یوں پوچھا کرتا ہے کہ کس وقت یہ کام ہوا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہی جُدا ہے۔ غلط بحث عقلاء کا کام نہیں ہے۔ حدیث کے اس حصّہ سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ دیکھیں کہ اگر آپ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ جبرائیل علیہ السلام اُوپر سے نیچے آ رہے ہیں اور آپ کو نظر آتے کہ اب فلاں جگہ پر ہیں؟ اور یہ علم ہوتا کہ کُتے کی وجہ سے نہیں آ رہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ساری رات بھی غمی میں گزاری اور سارا دن بھی اور بوقت شام جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو اُن سے وقت پر نہ آنے کی وجہ پُوچھی اور اُنھوں نے وجہ بیان فرمائی۔ علاوہ ازیں صُوفی صاحب اور اُن کی پارٹی تو اس کی مُدعی ہے کہ ولیوں پہ چودہ طبق روشن ہوتے ہیں اور لوحِ محفوظ اُن کی نگاہ میں ہوتا ہے اور خدا جانے کہاں کہاں کی اور کیسی کیسی چیزیں اُن کو نظر آتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عائشہ رضؓ ان ولیوں سے کم درجہ کی تھیں؟ آخر اُن کو اپنے چھوٹے سے حجرہ میں کتا کیوں نظر نہ آیا؟ غرضیکہ اس روایت کا ایک ایک لفظ صوفی صاحب کے لیئے فرار کی سب راہیں بند کر رہا ہے ؎

ہو گئے جب راستے سب مسدُود
جذب کا مجذُوب رہبر ہو گیا

نمبر (۱۶)۔ مستدرک ج ۲ ص ۱۲۳ کے حوالہ سے تبرید النواظر میں لکھا تھا کہ عطیہ قرظی رضؓ کے بارے میں صحابہ کرام رضؓ کو تردد تھا کہ بالغ ہیں تاکہ قتل کر دیئے جائیں یا نابالغ ہیں تاکہ چھوڑ دیئے جائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مخصوص طریقے سے معائنہ کرنے کا حکم دیا۔ جب مخصوص معائنہ کے بعد وہ نابالغ ثابت ہوئے تو چھوڑ دیئے گئے۔ حاضر و ناظر کو کیا معیبت ہے کہ بغیر کسی اشد مجبوری کے ایسے معائنہ کرنے کی اجازت دے (تبرید النواظر محصلہ)۔

اس کا جواب صُوفی صاحب نے یوں دیا ہے کہ معترض کی حماقت قابلِ داد ہے کہ صحابہ رضؓ کے تردد کو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدمِ علم کی دلیل بنایا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس وقت اگر آپ

اپنے علم کی بنا پر بتا دیتے تو بعد میں تنہا صحابہ رضؓ کو ایسا امر پیش آتا تو کیا کرتے۔ معاملہ بڑا اہم تھا۔ قتل جان کا تھا لہٰذا یہ طریقہ آپ نے بتایا۔ (محصلہ صد ۹۲)

الجواب: اس میں معترض کی حماقت تو نہیں ہے البتہ صوفی صاحب کی خالص حماقت قابلِ صد نفرین ہے کیونکہ آپ کے عدم علم کی بنا حضرات صحابۂ کرام رضؓ کے تردد پر نہیں رکھی گئی بلکہ اس بات پر رکھی گئی ہے کہ اگر آپ کے علم و نظر میں یہ بات تھی کہ عطیہؓ نابالغ ہیں تو پھر آپ نے مخصوص طریقہ سے معائنہ کرنے کا حکم کیوں دیا؟ بنا اِس بات پر ہے نہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے تردد پر۔ رہا صوفی صاحب کا یہ ڈھکوسلہ کہ اگر آپ اس وقت اپنے علم کے مطابق بتا دیتے تو بعد کو حضرات صحابہ کرام رضؓ کو ایسا معاملہ پیش آتا تو وہ کیا کرتے؟ سو گزارش یہ ہے کہ جیسے آپ نے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بلکہ ان سے بھی زیادہ مسائل زبانی بیان فرمائے ہیں کہ تم ایسا کرنا اور ایسا کرنا، یہاں بھی زبانی فرما دیتے کہ اب تو نقد سودا لے لو کہ یہ نابالغ ہے اس کو چھوڑ دو اور آئندہ کے لئے مخصوص طریقہ سے معائنہ کر لینا۔ کیا اس کارروائی کے لئے بھی کسی خاص مشق اور تمرین کی ضرورت تھی؟ جو حضرات صحابہ کرام رضؓ کو عملاً بتائے بغیر نہیں ہو سکتی تھی؟ صوفی صاحب معاف رکھنا ایسی لایعنی باتوں کا نام نہ دلیل ہے نہ جواب اور علمی دنیا میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ناخواندہ حواری ان لایعنی باتوں پر آپ کی داد دیتے ہوں مگر حقیقت سے ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

نمبر (۱۷): اس کے بعد صوفی صاحب صد ۹۲ میں لکھتے ہیں۔ "اسی طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ کے واقعہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول اُنْظُرْ اَیْنَ هُوَ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کے واقعہ میں مَنْ اَحَسَّ الْفَتَی الدَّوْسِی سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدم علم کی دلیل پکڑنا حماقت ہے کیونکہ یہ گفتگو عام دت (کتابت کی غلطی کی وجہ سے یہ لفظ سمجھ نہیں آسکا۔ شاید یہ لفظ عادت ہو۔ صفدر) انسانی کی بنا پر تھی۔" (بلفظہٖ)

الجواب: ان دونوں واقعات سے آپ کا عدم علم غیب اور حاضر و ناظر نہ ہونا صراحۃً ثابت

ہے اس کا انکار نری حماقت ہے۔ استدلال کی اصل وجہ تبرید النواظر میں ملاحظہ فرمالیں ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام چونکہ معصوم ہوتے ہیں، وہ جو کچھ زبان سے فرماتے وہی دل میں ہوتا ہے دورنگی وہاں قطعًا نہیں ہوتی اس لئے عادت اور غیر عادت کا سوال بالکل فضول و بیکار ہے جو قابل توجہ ہی نہیں ہے۔

نمبر (۱۸): صوفی صاحب تبرید النواظر کا حوالہ تو نہیں دیتے البتہ اعتراض کا عنوان قائم کر کے بخاری ج ۲ ص ۶۰۹ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صحابی رض عمدہ قسم کی کھجوریں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا تو آپ نے فرمایا کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی قسم کی ہوتی ہیں؟ صحابی رض نے کہا خدا کی قسم سب ایسی نہیں ہوتیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ (۱) نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال میں استفہام انکاری ہے ورنہ کوئی نہیں جانتا کہ کسی جگہ بھی کوئی جنس ایک ہی نوعیت کی نہیں ہوتی۔ (۲) اس سوال سے کھجوروں کی عمدگی اور صحابی رض کی داد مقصود تھی (۳) اہل خیبر کھجوریں ناجائز طریقہ سے خریدتے تھے جس کو صحابی رض نے خود بیان کیا کہ ہم ان کھجوروں کا ایک صاع دوسری کھجوروں کے دو صاع کے بدلے خریدتے ہیں۔ آپ نے منع فرمایا اور اس کی صورت یہ بیان فرمائی کہ اپنی کھجوروں کو قیمتًا فروخت کیا کرو۔ اور ان کھجوروں کو قیمتًا خریدا کرو۔ عالم ما کان و ما یکون کی کوئی حرکت حکمت سے خالی نہیں ہوتی مگر کور باطن کیا سمجھیں؟ پھر آگے بخاری ج ۲ ص ۶۰۹ کے حوالہ سے روایت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا جس سے جواز کی بالا صورت عیاں ہوتی ہے (محصلہ ص ۹۲، ص ۹۳)

الجواب:۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوفی صاحب تبرید النواظر کے ٹھوس اور مضبوط دلائل سے نڈھال بلکہ گھائل ہو کر اب بہکی بہکی باتیں بناتے اور کرتے ہیں اور بے چارے خود بھی نہیں سمجھتے کہ میں کیا کہہ اور لکھ رہا ہوں۔ صوفی صاحب نے اس حدیث میں استفہام کو انکاری لے کر آگے ایک مہمل اور بے ربط جملہ بول کر رستگاری حاصل کی ہے مگر ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ خان ان کو کب چھوڑتے ہیں۔ صوفی صاحب حدیث کے بعض الفاظ یہ ہیں :۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل تمر خیبر ھکذا فقال لا واللہ یا رسول اللہ الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۶۰۹)	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ صحابی نے فرمایا۔ یا رسول اللہ خدا کی قسم ہرگز نہیں الخ

اب سوال یہ ہے کہ جب استفہام انکاری ہے تو صحابی کے اس ارشاد کا فقال لا واللہ یا رسول اللہ پہلے جملہ سے کیا تعلق، جوڑ اور ربط ہوگا؟ کیونکہ استفہام انکاری کا مفہوم تو یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خیبر کی سب کھجوریں ایسی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندے کچھ تو سوچ سمجھ کر بات کیا کریں۔ لیکن جب آدمی مولوی محمد عمر صاحب کا شاگرد ہو جائے اور پھر شرک و بدعت میں منہمک بھی ہو اور توحید و سنّت کے پیچھے لٹھ لئے لئے پھرتا ہو تو اس کو قرآن کریم اور حدیث شریف بلکہ کتبِ اسلام کی صحیح سمجھ کیسے، کیونکر اور کہاں سے آسکتی ہے؟ وہ تو غضبٌ علیٰ غضب ہی کا مصداق ہوگا۔ باقی دوسری اور تیسری وجہ ہمارے مدعا کے خلاف نہیں بلکہ وہ ہماری مؤید ہیں جیسا کہ کسی بھی صاحبِ فہم پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔ اگر صوفی صاحب کی نارسا عقل میں یہ بات نہ آئے تو اس میں ہمارا کیا قصور؟ ؎

وہ پڑے سوتے ہیں اور ان کی ہے دنیا ہی الگ
اِک ہجومِ جہل ہے وہ ہیں شبِ دیجور ہے

نمبر (۱۹)۔ تبرید النواظر میں مسلم شریف ج ۱ ص ۳۴۴ (وغیرہ) کے حوالہ سے یہ بیان کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ راستہ میں کھجور کا ایک دانہ پایا۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اس کو اٹھا کر کھا لیتا۔ صوفی صاحب اس پر گرفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خان صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں عدم علم منصوص ہے۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں سوائے خانصاحب کی جہالت کے اور کچھ بھی منصوص نہیں۔ کیونکہ حدیث کی عبارت میں یوں ہے اگر یہ صدقہ کی نہ ہوتی تو میں اسے کھا لیتا۔ یعنی میرا نہ کھانا اسی وجہ سے ہے کہ یہ صدقہ کی ہے کیونکہ لولا کا استعمال

شک کے لئے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ بالعراء یعنی اگر حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا فضل نہ سنبھالتا تو ایک چٹیل میدان میں پھینک دیئے جاتے گویا کہ اللہ تعالٰے کے فضل نے اُن کو سنبھالا اِس لئے اُن کو میدان میں نہ چھوڑا گیا۔ حدیث و قرآن مجید کی عبارت میں کوئی فرق نہیں۔ (محصلہ ص ۹۳ و ص ۹۴)۔

الجواب:۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوفی صاحب بھی اپنے استاد محترم مولوی محمد عمر صاحب کی طرح خوفِ خدا، فکرِ آخرت اور مخلوقِ خدا سے شرم کرنے میں بالکل بے نیاز ہو چکے ہیں اور ٹھیکہ اُٹھا لیا ہے کہ مخلوقِ خدا کو دھوکا دے کر اور اُن کی راہ مار کر ہی اپنے ظالم تنور میں ایندھن ڈالتے رہیں گے۔ صوفی صاحب آپ کو شاید یہ وِرد کسی نے بتا دیا ہے کہ ؏

اب تو خیر سے گزرتی ہے عاقبت کی خدا جانے

مگر یقین جانیئے کہ علمی دُنیا میں آپکو اس طرح کوئی نہیں چھوڑتا۔ اِس حدیث میں خانصاحب کی جہالت منصوص نہیں بلکہ اس حدیث میں جو چیز منصوص ہے وُہ یہ ہے غور فرمائیں کہ وہ کیا ہے؟

حضرت انس رضؓ کی روایت میں ہے:۔

قال مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتمرۃ فی الطریق فقال لولا انی اخاف ان تکون من الصدقۃ لاکلتھا (بخاری ج ۱ ص ۳۲۵)

وُہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستے سے گزرے تو کھجور کا ایک دانہ پڑا ہوُا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی کھجور ہوگی تو مَیں اِسے کھا لیتا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت میں ہے:۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انی لانقلب الیٰ اھلی فاجد التمرۃ ساقطۃ علیٰ فراشی فارفعھا لاکلھا ثم اخشیٰ ان تکون صدقۃ فالقیھا (بخاری ج ۱ ص ۳۲۵)

وُہ آنحضرت صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں اپنے گھر کی طرف لَوٹتا ہوُں اور اپنے بستر پر کھجور کا گرا ہوُا دانہ پاتا ہوُں تو اس کو کھانے کے لئے اُٹھاتا ہوُں پھر مَیں اس بات کا

مسلم ج ۱ ص۳۴۴) خوف کرتا ہوں کہ کہیں وہ صدقہ کا نہ ہو تو میں اسے پھینک دیتا ہوں۔

فرمائیے صوفی صاحب! دلِ مبارک پر کیا گزری؟ کیا اس صحیح اور صریح روایت میں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عدم علم اور غیر حاضر و ناظر ہونا منصوص نہیں ہے؟ خدارا کچھ تو فرمائیے۔ مجھ سے حجاب کیسا، میں تو آپ کا محرم ہوں۔

اِس عبارت میں صوفی صاحب نے عوام پر اپنی علمی دھاک بٹھانے کے لئے حرف لولا کی بحث بھی چھیڑی ہے۔ سو اس کے بارے میں بھی ضروری بات عرض کی جاتی ہے صوفی صاحب لولا کو کس نے حرف شک بنایا ہے کہ آپ یہ لکھتے ہیں کہ لولا کا استعمال شک کے لئے نہیں۔ صوفی صاحب لولا اور لوما کا نحوی قاعدہ یہ ہے کہ یہ دونوں لامتناع شئ لشئ فیما کان کے لئے ہوتے ہیں (متن متین ص۲۸) یعنی جزاء مفقود ہے اس لئے کہ زمانۂ ماضی میں شرط موجود ہے۔ اس نحوی قاعدہ اور گرامر کے لحاظ سے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے کھجور کے دانہ کے صدقہ سے ہونے کا ڈر اور خوف نہ ہوتا تو میں ضرور اسے کھا لیتا یعنی میرا نہ کھانا محض اس لئے ہے کہ اس کے صدقہ سے ہونے کا خوف اور ڈر ہے۔ اور آیت کریمہ میں بھی یہی لولا ہے اور یہ ہمارے استدلال کا بالکل مؤید ہے۔ البتہ صوفی صاحب نے وَهُوَ مُؤْمِنٌ کا جملہ کم فہمی کی وجہ سے نقل نہیں کیا۔ وہ نقل کیا جاتا تو جملہ پورا ہو جاتا اور تقریب تام ہوتی۔ تحفۃ الاخیار شرح مشارق الانوار ص۹۶ طبع نولکشور لکھنؤ میں اس حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد لکھا ہے۔ **ف**: "زکوٰۃ کا مال حضرت پر بلکہ سب بنی ہاشم پر حرام تھا۔ ہر چند یقینی ثابت نہ تھا کہ وہ کھجور زکوٰۃ کی ہے لیکن احتیاط سے حضرت اس کو نہ کھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری شبہ والی چیز چھوڑ دینے کا نام ہے۔" انتہیٰ۔

نمبر (۲۰):- صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ اِسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمانا کہ جب آپ کی خدمت میں کوئی کھانا آتا تو آپ بغیر تحقیق کے تناول نہ فرماتے۔ یہ

بھی تعلیمِ اُمت کے لئے تھا کہ کھانے سے پہلے خوب تحقیق کر لو کہ آیا یہ کھانا تمہارے لئے جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حلال اور طیب کھانا کھانے کی تاکید فرمائی ہے" (ص ۹۴)

الجواب: صوفی صاحب کی یہ تاویل بھی بالکل باطل ہے اولاً اس لئے کہ اس حدیث کے الفاظ ہی اس کی تائید نہیں کرتے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اُتِیَ بطعام سأل عنہ فان قیل لہ ھدیۃ اکل منھا وان قیل صدقۃ لم یأکل (مسلم ج ۱ ص ۳۴۵)

بے شک جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کھانا لایا جاتا تو آپ اس کے بارے میں سوال کرتے۔ اگر آپ سے کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ اسے کھا لیتے اور اگر یہ کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ نہ کھاتے

حدیث کے الفاظ ہی واضح کرتے ہیں کہ یہ معاملہ آپ کی ذات کا تھا کیونکہ صدقہ آپ کے لئے حلال نہ تھا اور مجموعی لحاظ سے اُمت کے لئے حرام نہیں (آپ کی آل کا حکم واجب قسم کے صدقات میں الگ ہے نفلی صدقات ان کے لئے بھی حلال ہیں۔ اس کی مزید باحوالہ تفصیل راقم کی کتاب الکلام الحادی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی میں ملاحظہ فرمائیں) اگر اس کو تعلیمِ اُمت پر حمل کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اُمت صدقہ نہ کھائے۔ کیونکہ اس روایت میں تصریح ہے کہ جب آپ سے یہ کہا جاتا تھا کہ صدقہ ہے تو آپ اس کو چھوڑ دیتے اور نہ کھاتے تو تعلیمِ اُمت کا مفہوم تو اسی صورت میں پورا ہوگا کہ اُمت بھی صدقہ نہ کھائے۔ وثانیاً دیگر صریح اور صحیح روایات بھی اس توجیہ کو رد کرتی ہیں (اس کی قدرے وضاحت سے بحث ازالۃ الریب میں دیکھیں) مثلاً حضرت خالدؓ بن ولید کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سالی (حضرت خالدؓ کی خالہ) حضرت حُفَیدۃ رضؓ بنت الحارث نجد کے علاقہ سے آئیں اور بھونی ہوئی گوہیں بھی اپنے ساتھ لائیں تو وہ گوہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئیں

وکان قلّ ما یُقَدِّمُ یدہٗ لطعام حتی یحدّث بہ ویسمّٰی لہٗ فاھوٰی رسول اللہ صلے اللہ

اور آپ کسی کھانے کی طرف بہت کم ہاتھ بڑھایا کرتے تھے جب تک اس کھانے کی حقیقت آپ سے بیان

عليه وسلم يده الى الضب فقالت امرأة من النسوة الحضور اخبرن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما قدمتن له هو الضب يا رسول الله فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده عن الضب الحديث

(بخاری شریف ج ۲ ص۸۱۲)

نہ کردی جاتی اور اس کا نام نہ لیا جاتا آپ نے اپنا ہاتھ گوہوں کی طرف بڑھایا تو حاضر بیبیوں میں سے ایک نے دوسری بیبیوں سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو خبر بتاؤ کہ تم نے آپ کے سامنے کیا پیش کیا ہے؟ پھر خود ہی کہا۔ یا رسول اللہ یہ گوہ ہے سو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اٹھالیا۔

اِس صحیح روایت سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ کھانے کے متعلق آپؐ کو خبر دینا آپ کی ذات سے متعلق تھا، تعلیمِ اُمت کے لئے نہ تھا اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ ازواجِ مطہرات اور صحابیات رضؓ کا بھی ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہیں ورنہ ان کو یہ تبلانے کی ہرگز ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

صوفی صاحب کا خاتمۂ باب

ص۹۴، ص۹۵ میں صوفی صاحب نے یہ عنوان قائم کر کے "قارئین حضرات سے" یہ لکھا ہے کہ وہابیہ نجدیہ کے اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے معلومات کی بنا پر فیصلے صادر فرما دیتے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمت کے لئے اسوہ حسنہ قائم نہ رکھتے اور مخلوق پریشان پھرتی۔ نہ اولیاء کرام رح ہوتے جو نشانِ راہ ہیں۔ نہ کتُبِ حدیث ہوتیں بس طائفہ وہابیہ ہی ہوتا جن کے رحم و کرم پر مخلوقِ خدا ہوتی اور ارواحِ ثلاثہ ص۳۳۹ اور تذکرۃ الرشید ج ۲ ص۱۰ کے قصے آپ دیکھتے تب مطلع علی الغیب اور حاضر و ناظر ہوتے چونکہ آپ ہر معاملہ میں اپنا اسوۂ حسنہ چھوڑ گئے ہیں اس لئے نہ تو مطلع علی الغیب ہیں اور نہ حاضر و ناظر" (محصلہ) اس پر صوفی صاحب نے باب ثانی ختم کر دیا ہے۔

الجواب:۔ یہ بھی صوفی صاحب کا انتہائی دجل ہے۔ وہ بزعمِ خویش اپنے دل میں وہابیہ کے ہمالیہ جیسے وزنی براہین کے جوابات سے فارغ ہو کر اور موج میں آکر قارئین حضرات

کی خیر خواہی کی بانسری بجانے اور گیت گانے لگے ہیں اور دل میں ضرور خوش ہوئے ہوں گے کہ صوفی صاحب اگرچہ خان تو نہیں لیکن تیس مار خان ضرور ہوں گے۔ مگر قارئین کرام نے ان کے جوابات کا طول و عرض اور عمق اور ان کے استدلات کی جملہ کائنات دیکھ لی ہے ہمیں کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان کی اس عبارت کے پیش نظر اتنی بات عرض ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے لئے تو اپنے معلومات کی بنا پر فیصلے صادر نہ فرماتے لیکن اپنی ذات کے لئے تو ضرور فائدہ اٹھاتے۔ نہ خود غمگین و پریشان ہوتے اور نہ دوسروں کی پریشانی کا سبب بنتے مشہور ہے کہ ع آزردہ دل آزردہ کند انجمنے را

آپ کے عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہ ہونے کا آپ کے اسوۂ حسنہ بننے سے کیا تصادم ہے؟ اور پھر حضرات اولیاء کرام رح اور کتب حدیث کے ساتھ کیا تضاد ہے؟ بلاوجہ لوگوں کو دھوکے میں ڈالا جا رہا ہے کہ صوفی صاحب حضرات اولیاء کرام رح کے بڑے قدر دان اور کتب حدیث کے بڑے نکتہ رس عالم ہیں جن کی حدیث دانی کی حقیقت قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ارواح ثلاثہ اور تذکرۃ الرشید کی عبارتوں کا مطلب پہلے عرض کر دیا گیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ الغرض امت کے لئے آپ کا اسوۂ حسنہ بھی ہے اور آپ عالم الغیب اور حاضر و ناظر بھی نہیں ہیں۔

بابِ پنجم

تبرید النواظر میں پہلے حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ علیہم کی علمی اور فقہی فوقیت مؤثر اور ادیبانہ انداز میں پیش کی گئی تھی تاکہ ان کا مقام قارئین کرام کے سامنے رہے۔ اس کے بعد ان کے مسئلہ حاضر و ناظر اور علم غیب کے بارے میں ان کے حوالے بیان کئے گئے تھے۔ مگر ان کی تعریف میں لکھی گئی ادبی اور ٹھوس عبارت سے جناب صوفی اللہ دیتہ صاحب کی آنکھیں بالکل خیرہ ہو گئی ہیں

اور میٹھے انگور بھی اُن کے حق میں خاصے کھٹے بن گئے۔ صوفی صاحب مغلوب الغضب ہو کر لکھتے ہیں:۔ "گکھڑوی صاحب کو تحریر کا شوق گدگدایا لیکن سلیقۂ تحریر سے بالکل نابلد ہیں۔ اُن کی جو کتاب بھی اہلِ علم پڑھیں گے اُن کے کلام میں ربط و ضبط مفقود پائیں گے۔" (محصلہ ص۹۶)۔

الجواب:۔ پڑھنے والے حضرات خود راقم کی کتابوں کا ربط و ضبط اور سلیقۂ تحریر کو بخوبی جانتے ہیں۔ آپ کے کم علم چند حواری شاید بغض معاویہؓ کے طور پر ان کتابوں سے نالاں ہوں، تو ضرور ہوں مگر اہلِ علم کی اکثریت بحمد اللہ تعالیٰ ان کی اور ان میں سلیس عبارات کی بہت مداح ہے اس سلسلہ میں آپ کو بلا وجہ جج بننے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ آگے صوفی صاحب نے فتاویٰ قاضی خان اور دیگر حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات کا جواب یوں دیا ہے کہ "یہ عبارتیں خان صاحب کو مفید اور ہمارے عقیدہ کو مضر نہیں کیونکہ فقہاء کرام کا مطلب یہ ہے کہ انہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب بالاستقلال قرینہ اس بات پر یہ ہے کہ ناکح کا عقیدہ یہ بھی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب بالاستقلال ہی ہے تو گواہی میں تساوی مستلزم ہے عقیدہ میں تساوی کو یہ یقیناً کفر ہے۔" (بلفظہٖ ص۹۶، ص۹۷)۔

الجواب:۔ صوفی صاحب کا یہ جواب یقیناً مردود ہے اولاً اس لئے کہ یہ حضرات فقہاء کرامؒ علمی اور فقہی طور پر بڑے ہی ارباب بصیرت ہیں وہ اپنے فتویٰ کی حدود و قیود کو خوب جانتے ہیں۔ جب ان میں سے کسی مستند اور ذمہ دار فقیہ نے اس جزئیہ میں بالاستقلال کی قید نہیں لگائی تو صوفی صاحب کی یہ بے ربط و بے ضبط راگنی کون مانتا؟ اور کون سنتا ہے؟ وثانیاً اس لئے کہ جو قرینہ صوفی صاحب نے بیان کیا ہے وہ خالص اختراعی اور ایجاد بندہ ہے اس جزئیہ کے ساتھ اس کا ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ جب مخلوق کے کسی بھی فرد کا اپنا وجود بالاستقلال نہیں تو اس کی صفتِ علم کے بالاستقلال ہونے کا تصور کیسا؟ جس کا کوئی عاقل تصور کرے۔ وثالثاً صوفی صاحب اور اُن کی پارٹی جہلِ مرکب کا شکار ہیں۔ اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جن اخبارِ غیب اور انباء غیب کا نصوص قطعیہ صریحہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا مخلو

کے کسی اور فرد کے لئے ثبوت ہے۔ وہ اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ ان کے علاوہ غیب کی تمام جزئیات علم الغیب میں داخل ہیں۔ ان میں سے کسی ایک جزئی کا اثبات بدون نص قطعی کے کفر ہے کیونکہ یہ علم الغیب پر دست اندازی ہے اسی لئے حضرات فقہاء کرام رح تکفیر کرتے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ قائل اس صورت میں علم الغیب کی جزئی کا بغیر شرعی ثبوت کے ادعاء کرتا ہے لہٰذا وہ کافر ہے اور حضرات فقہاء کرام رح کی انہی عبارات میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر دائیں اور بائیں جانب کے فرشتوں کو گواہ بنائے تو کافر نہیں کیونکہ وہ تو موجود ہوتے ہیں اور ان کا موجود ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے مثلاً عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۔ وغیرھا اور ان فرشتوں کا اس مجلس میں حاضر رہنا بھی باذن الٰہی ہے اور ان کا علم بھی بعطائے خداوندی ہے۔ الغرض ان فرشتوں کے بالاستقلال حضور وعلم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں بھی ہے لہٰذا صوفی صاحب کا یہ کہنا " تو گواہی میں تساوی مستلزم ہے عقیدہ میں تساوی کو یہ یقیناً کفر ہے" سراسر باطل ہے کیونکہ حضرات فقہاء کرام رح نے نہ تو اس تکفیر کی مدار گواہی میں تساوی پر رکھی ہے، اور نہ بالاستقلال علم غیب کے عقیدہ میں تساوی پر۔ یہ صوفی صاحب کا نرا خانہ ساز منتر ہے اور بس۔ صوفی صاحب نے دوسرا قرینہ یہ لکھا ہے کہ فقہاء کرام رح نے یعلم الغیب کے عقیدہ کو جو کفر کہا اگر اس کو عام رکھا جائے تو بعلم الغیب باطلاعہٖ تعالیٰ کا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہوگا حالانکہ عالم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہٖ احدًا الاٰیۃ اور ما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب الاٰیۃ سے اس کا واضح ثبوت ہے۔ اگر فقہاء کرام رح کی عبارات کی یہ توجیہ نہ کی جائے تو قرآن مجید کا انکار لازم آتا ہے۔ فھو کفر صریح۔ پھر خانصاحب کی بھی خیر نہیں کیونکہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ساری مخلوق سے زیادہ علوم و معارف مانتے ہیں۔ (محصلہ ص۹۷)۔

الجواب:۔ یہ قرینہ بھی ملنگوں کی بڑھ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، اس لئے کہ ان اور اس قسم کی دیگر آیات کریمات یا صحیح احادیث کی نصوص سے جو کچھ ثابت ہے وہ اخبار الغیب، انباء الغیب اور بعض غیوب کی مد میں ہے اس لئے ان کا تسلیم کرنا عین ایمان ہے

کفر نہیں اور یعلم الغیب کا جملہ اور حکم ان مستثنیٰ افراد و جزئیات کے علاوہ باقی تمام افراد و جزئیات کو شامل اور ان پر حاوی ہے جن میں سے ایک فرد اور جزئی مجلسِ نکاح کے علم کی بھی ہے جب حضرات فقہاء کرام رح کی واضح عبارات کی روشن تفسیر قطعی مراد اور صحیح توجیہ موجود ہے تو بالکل نکمی اور لایعنی توجیہ کی کیا ضرورت ہے؟ اور صوفی صاحب کی اس لایعنی توجیہ کا انکار کرنے سے قطعاً قرآن مجید کا انکار لازم نہیں آتا اور نہ خانصاحب پر کسی قسم کی کوئی زد پڑتی ہے کیونکہ خان صاحب نے قرآن کریم، صحیح احادیث اور حضرات فقہاء کرام کا مضبوط دامن تھام رکھا ہے فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذٰلک۔

علم الغیب اور اطلاع علی الغیب اور اظہار علی الغیب کا اصولی فرق

اصل بات یہ ہے کہ عموماً اہلِ بدعت جن کے وکیل اس وقت صوفی صاحب ہیں، ایک علمی اور اصولی غلطی کا شکار ہیں اور ان کے دماغ سے وہ پرزہ ہی غائب ہو گیا ہے جس سے سمجھ کر وہ راہِ راست پر آسکیں۔ عوام کو خود سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے ایک چیز ہے علم الغیب اور دوسری ہے اطلاع علی الغیب اور اظہار علی الغیب۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور اسی فرق کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے اور نہ سمجھتے ہوئے اہلِ بدعت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ہم نے اس پر ازالۃ الریب میں بما لامزید علیہ بحث کر دی ہے یہاں صرف اشارہ ہی کافی ہے۔ علم الغیب میں لفظ الغیب سے وہ تمام اشیاء افراد اور امور مراد ہیں جو تمام مخلوق کی نگاہوں سے اوجھل ہیں اور لفظ الغیب اپنے تمام افراد پر شامل ہے بایں طور کہ ایک فرد بھی اس سے خارج اور باہر نہ ہو اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اور اس میں اس کا کوئی بھی کسی حیثیت اور کسی وجہ سے شریک نہیں ہے اور قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ وغیرہا آیات اس کا بیّن ثبوت ہے۔ اور اطلاع علی الغیب اور اظہار علی الغیب سے وہ اخبار، انباء اور جزئیات غیب مراد ہیں جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ وحی وغیرہ اور حضرات اولیاء کرام رح کو بذریعۂ کشف والہام یا کسی امرِ عادی

کے طور پر حاصل ہوتی ہیں۔ اور ایسی جتنی اور جس قدر جزئیات بھی کسی کو حاصل ہوں گی وہ حق ہیں لیکن یہ اطلاع علی الغیب اور اظہار علی الغیب کی مدیں ہیں، علم الغیب کی مدیں ہرگز نہیں ہیں کیونکہ یہ بعض امور ہیں کل نہیں۔ صاحب انوارِ ساطعہ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ الآیۃ اور لو کنت اعلم الغیب الآیۃ کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں: "اگر آپ صاحبوں کو ان آیتوں پر ایمان ہے تو مبارک ہو، بہت اچھی بات ہے۔ لیکن چاہیئے کہ دوسری آیتوں کو بھی سچی جانو۔ سورۂ آل عمران میں ہے:۔ وما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ یجتبی من رسلہ من یشاء یعنی اللہ یوں نہیں کرتا کہ تم کو خبر دے دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے اور سورۂ جن میں ہے:۔ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضی من رسول یعنی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ اپنے غیب کی بات کسی کو نہیں کھولتا مگر جو پسند کر لیا کوئی رسول۔

ان چاروں آیتوں کے ملانے سے اہلِ سنت والجماعت کا جو مسئلہ اعتقادی ہے وہ کھل جاتا ہے۔ یعنی اصل عالم الغیب اور علام الغیوب اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین و آسمان میں کوئی ایسا نہیں جو یقینی طور پر کسی بات کو بلا تعلیم و الہام حق جان لے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے برگزیدہ رسول کو جس کو چاہے خبریں غیب کی بتا دیتا ہے۔ پس جو شخص یوں کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بھی غیب کی بات نہیں جانتے وہ منکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ چھانٹ لیا ہے واسطے اخبار غیبی کے جس کو چاہے اور منکر ہوا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ مشکوٰۃ کے باب المعجزات میں روایت ہے۔ عمرو بن اخطب انصاری رضؓ سے (پھر آگے حدیث نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بہت خبریں غیب کی رسول اللہ نے دی ہیں۔" الخ (انوار ساطعہ ص۱۹۰)

اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اہل السنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں میں سے جس کو چاہے، غیب کی باتوں، غیب کی خبروں اور اخبار غیبی

پر مطلع کرتا ہے اور اس پر وہ ظاہر کر دیتا ہے مطلق الغیب کا علم اس کے بغیر کسی کو نہیں اور ہمارا اس پر ایمان اور اس پر صاد ہے اور یہی اہلِ حق و اہلِ سُنّت کا مسلک ہے۔ صرف اہلِ بدعت کا اس میں اختلاف ہے جو مردود ہے۔

گالیاں صوفی صاحب جب جواب سے قطعاً عاجز ہو گئے تو گالی پر اُتر آئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ "اب خان صاحب سے سوال ہے کہ اگر فقہاء کرام رح کی عبارتوں کو علی الاطلاق رکھا جائے تو آپ دائرۂ اسلام سے خارج اور از وقت تحریر آج تک بیوی سے ہمبستری زنا اور اولاد حرامی اور تمہارے گرو اشرف علی صاحب جو کہ زید، عمر، بکر ہر صبی بلکہ جمیع حیوانات اور بہائم کو بھی علمِ غیب تسلیم کرتے ہیں، ان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟" (بلفظہٖ ص۹۸)

قارئین کرام! صوفی صاحب کی شرافت اور صوفی پن ملاحظہ کریں کہ دلیل اور جواب سے قاصر رہ کر گالیوں پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ گالیوں کا جواب گالیوں سے دینے کے عادی نہیں ہیں اس لئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور جناب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ہمارے اکابر بزرگوں نے باوجود اجازت کے جس کا ثبوت لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم الآیۃ اور المستبان علی ما قالا فعلی البادی الحدیث سے ہے، پھر بھی عفو و درگزر کا سبق دیا ہے۔ یہ تو آپ کے مہاگروؤں کا وتیرہ اور سبق ہے جو آپ کو ورثہ میں ملا ہے۔ سچ ہے ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا!

صرف جواب کی حد تک گزارش ہے کہ حضرات فقہاء کرام رح کی عبارات کو ان جزئیاتِ کثیرہ کے علم کے علاوہ جن کا نصوص سے ثبوت ہے، عام رکھ کر بھی ہم پر زد نہیں پڑتی۔ نہ تو ہم اسلام سے نکلتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور نہ وہ امور ہماری طرف منسوب ہوتے ہیں جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ البتہ اپنی فکر کرنا، کیونکہ بفتوائے حضرات فقہاء کرام رح آپ کا عقیدہ کفر ہے۔ ؏

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو!

باقی حضرت تھانوی رح پر اعتراض جو آپ کے بڑے گرو گنٹھال نے اُٹھایا ہے، بالکل مردود ہے۔ عبارات اکابر حصہ اوّل ملاحظہ کریں انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت صاف ہو جائے گی۔ کوئی مُلیّن اور مُسہل لینے کی حاجت باقی نہیں رہے گی۔ صوفی صاحب کا حضرت تھانوی رح پر بہتان دیکھئے کہ وُہ کہتے ہیں کہ جمیع حیوانات اور بہائم کو بھی علمِ غیب تسلیم کرتے ہیں۔ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت تھانوی رح کے نزدیک جمیع حیوانات اور بہائم کا نام علمِ غیب نہیں ہے اور نہ انھوں نے ایسا کہا ہے۔

صوفی صاحب کی ہوائی تعلّی

صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ " بلکہ سارا طائفہ نجدیہ دیوبندیہ سے سوال ہے کہ بعض علوم غیبیہ باطلاع اللہ تعالےٰ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مانتے ہو یا نہیں ؟ اگر مانتے ہیں تو فقہاء کی عبارت کے عموم کے تحت کافر ٹھہرتے ہو۔ اگر نہیں مانتے تو نصوص قرآنیہ کے تحت کافر ٹھہرتے ہو۔ لہٰذا ہماری کی ہوئی توجیہ بغیر قبول کئے اُن کے لئے کوئی چارہ نہیں "۔ انتہٰی بلفظہٖ (ص۹۸)۔

الجواب :۔ صوفی صاحب یہ مورچہ یُوں فتح نہیں ہوتا جیساکہ آپ نے سمجھ رکھا ہے۔ یہ آپ کی سخت نادانی ہے اوّلًا اس لئے کہ نجدی لوگ بعض حنبلی اور بعض غیر مقلد ہیں۔ دیوبندیوں کا ان سے کیا ربط، جو فقہ حنفی پر سختی سے کاربند ہیں اور کٹر حنفی ہیں۔ وثانیًا ہم بعض علوم غیبیہ باطلاع اللہ تعالےٰ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم (اور درجہ بدرجہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے) تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ اخبار الغیب اور انباء الغیب کی مد میں ہیں۔ حضرات فقہاء کرام رح کی عبارات اخبار الغیب اور انباء الغیب پر شامل نہیں ہیں وُہ معاذ اللہ تعالےٰ ایسے کم فہم نہیں کہ وُہ ان اُمور ثابتہ کے علم کو کفر کہتے ہوں جو نصوص قطعیہ قرآنیہ سے ثابت ہیں۔ یعلم الغیب کا لفظ ان تمام اخبار الغیب کے علاوہ عام ہے اِس لئے ہمارے کافر ہونے کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ سوال کھڑا ہوتا ہو وثالثًا ہم اخبار الغیب کا علم قرآنِ کریم اور احادیث صحیحہ کی نصوص کے تحت تسلیم کرتے ہیں لہٰذا ہمارے کفر کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الغرض صوفی صاحب کی توجیہ بالکل بے ساختہ اور مردود ہے صحیح بات وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ اخبار الغیب اور ابناء الغیب اور بعض غیوب کے علاوہ (جن کا علم آپ کے لئے نصوص سے ثابت ہے) یعلم الغیب کا جملہ علمِ غیب کے تمام افراد اور جزئیات کو شامل ہے، ان میں سے ایک فرد اور ایک جزئی کا علم بھی اوروں کے لئے تو کیا خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی تسلیم کرنا خالص کفر ہے اور اس کے اثبات سے آپؐ کے لئے علمِ غیب کا دعویٰ کرنا ہے۔ مسئلۂ علمِ غیب کی پوری مکمل اور مدلّل بحث تو ازالۃ الریب میں ملاحظہ کریں۔ صرف بات سمجھانے کے لئے ہم چند حوالے عرض کرتے ہیں۔ غور سے ملاحظہ فرمائیں تاکہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آجائے

ہر فرد پر غیب کا اطلاق ہوتا ہے

(۱) حضرت سلمہؓ بن الاکوع (المتوفی ۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سرخ رنگ کے خیمہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص گھوڑی پر سوار ہو کر آیا اور آپؐ سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

قال متی الساعۃ؟ قال غیب وما یعلم الغیب الا اللّٰہ قال ما فی بطن فرسی؟ قال غیب وما یعلم الغیب الا اللّٰہ قال فمتی یمطر؟ قال غیب وما یعلم الغیب الا اللّٰہ۔

(در منثور ج ۵ ص ۱۷۰)

اس نے کہا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ یہ غیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے بغیر غیب کوئی نہیں جانتا۔ اس نے کہا کہ میری گھوڑی کے پیٹ میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ غیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے بغیر غیب کوئی نہیں جانتا۔ اس نے کہا کہ بارش کب ہو گی؟ آپ نے فرمایا کہ یہ غیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایک فرد اور جزئی پر غیب کا لفظ اطلاق فرمایا ہے حالانکہ قیامت کے وقت کا علمِ غیب کی جزئیاتِ غیر متناہیہ میں سے

ایک جزئی ہے اور اسی طرح ایک گھوڑی کے پیٹ کے بچے کا بتا دینا ایک جزئی اور ایک فرد ہے اور اسی طرح ایک دفعہ کی بارش برسنے کا بتا دینا صرف ایک جزئی ہے مگر ان تمام پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لفظ غیب اطلاق فرمایا ہے اور ساتھ ہی تصریح فرمادی ہے لا یعلم الغیب الا اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر غیب کوئی نہیں جانتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیب کا ایک فرد اور ایک جزئی بھی غیب ہے اور اسے اللہ تعالےٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ وہ جزئی خود کسی کو بتا دے تو پھر وہ ابناء الغیب کی مد میں شامل ہو جائے گی جو محلِ نزاع سے بالکل خارج ہے۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵، معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۵۶، دُرِ منثور ج ۵ ص ۱۷۱، روح المعانی ج ۲۱ ص ۹۷ اور تفسیر احمدی ص ۶۱۹ میں واللفظ لہ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ الآیۃ کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ ایک شخص (حارثؓ بن عمرؒ) نے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قیامت کب ہو گی؟ میں نے زمین کاشت کی ہے بتایئے بارش کب ہو گی؟ میں گزشتہ کل کے حالات تو جانتا ہوں مجھے بتایئے کہ آنے والے کل کیا ہو گا؟ میری بیوی حاملہ ہے بتایئے اس کے پیٹ میں کیا ہے؟ لڑکا یا لڑکی؟ مجھے وہ زمین تو معلوم ہے جس میں میں پیدا ہوا۔ مجھے یہ بتایئے کہ میں دفن کس زمین میں ہوں گا؟ اس کے جواب میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

یعنی ان ھذہ الخمسۃ فی خزانۃ غیب اللہ لا یطلع علیہ احدًا من البشر والملک والجن اھ۔	یعنی یہ پانچ چیزیں اللہ تعالیٰ کے غیب کے خزانہ میں ہیں۔ ان پر نہ تو کوئی بشر مطلع ہو سکتا ہے اور نہ فرشتہ اور جن۔

سوال کرنے والے نے غیب کی جزئیات کے بارے میں سوال کیا تھا اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو ارشاد نازل ہوا اس میں تصریح فرمادی گئی ہے کہ یہ امور اللہ تعالےٰ کے خزانہ غیب میں شامل ہیں ان کو بجز اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ہاں وہ خود کسی کو بطور وحی اور

الہام جن جزئیات پر اطلاع کردے تو الگ بات ہے، وُہ نزاعی نہیں۔ مگر یہ بات صرف اُسی کو سمجھ آسکتی ہے جس نے خالق کی عظمت اور مخلوق کے عجز اور اپنی بے ثبات حقیقت پر نگاہ ڈالی ورنہ ؎

نہ دیکھا فی الحقیقت تُو نے عالم میں کسی شے کو
اگر اپنی حقیقت کو نہ دیکھا دیکھنے والے

(۳) آں حضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ایک مجلس سے گزرے تو آپ نے سُنا کہ وُہ لوگ شادی کی خوشی میں کچھ اشعار پڑھ رہے ہیں۔ اُن میں سے کسی نے یہ بھی پڑھ دیا ع
وَحِبُّكَ فِي النَّادِيْ وَيَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ (تیرا محبوب مجلس میں ہے اور وُہ کل کی بات جانتاہے)

فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا یعلم ما فی غدٍ الا اللہ (مستدرک ج ۲ ص ۱۸۴ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح علےٰ شرط مسلم)	تو آں حضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کل کے واقعات کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا ہے۔

یہ روایت حافظ ابن حجر رحمہ نے معجم اوسط طبرانی رحہ کے حوالہ سے نقل کی ہے مگر اس میں ذکر ہے کہ کچھ عورتیں اشعار پڑھ رہی تھیں اور فرماتے ہیں اسنادہ حسن (فتح الباری ج ۹ ص ۱۶۷)

(۴) حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے وُہ فرماتی ہیں کہ:۔

ومن قال ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم یعلم ما فی غدٍ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ واللہ یقول قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ (بخاری ج ۲ ص ۷۲۰ ومسلم ج ۱ ص ۹۸ وابو عوانہ ج ۱ ص ۱۵۴ واللفظ لہ)	جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کل میں واقع ہونے والی چیز کو جانتے ہیں تو اُس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو کہہ دے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔

ان روایات سے معلوم ہُوا کہ غیب کی نصُوص سے غیر ثابت شدہ جزئیات اور افراد میں سے ایک ایک جزئی اور ایک ایک فرد کا بھی غیر اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات اور ادعاء

یعلم الغیب میں داخل ہے اور یعلم الغیب کی صفت اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کے لئے ثابت نہیں بلکہ اس کا غیر کے لئے ماننا کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ اس کو مختص سمجھنا خالص توحید ہے جو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی شریعتوں کا اساسی پتھر ہے ؎

بیان میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے۔

صوفی صاحب اور انکی جماعت کا عقیدہ

صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ ہم اپنا عقیدہ پھر ایک مرتبہ واضح کر دیتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا (نہیں بلکہ اہل بدعت کا۔ صفدر) یہ عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باعلام اللہ بعض علوم غیبیہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں ان پر اطلاع رکھتے ہیں، نہ آپ عالم بالذات ہیں اور نہ ہی آپ کا علم جمیع علوم غیبیہ کو محیط ہے۔ پس یہ حق اور ثابت ہے۔ (حاشا وکلا۔ صفدر) اور یہ جو بعض کا کلمہ ہم نے تحریر کیا ہے یہ بعض بھی ایسا ہے کہ مخلوق کے نزدیک غیر متناہی، اور عند اللہ متناہی ہے اور یہ ہم پر بہتان صریح ہے کہ ہم آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم بالذات اور محیط کلی مانتے ہیں (یہ بہتان آپ پر کس نے باندھا ہے؟ اہل حق کا آپ پر دعویٰ یہ ہے کہ آپ لوگ علم الغیب کی نصوص سے غیر ثابت شدہ جزئیات کو غیر اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرتے اور نصوص قطعیہ کی باطل تاویلیں کرتے ہیں جو خالص کفر ہے۔ صفدر) کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ جمیع معلومات الٰہیہ کا احاطہ قطعاً محال ہے اور علماء اہلسنت کی تحریروں اور تفسیروں میں جو جمیع ما کان وما یکون کے عالم ہونے کا ذکر آتا ہے، سو اس سے محیط کلی لازم نہیں آتا۔ الخ (ص ۹۸)

الجواب :- صوفی صاحب کا دعویٰ ملاحظہ کیجئے کہ بعض علوم غیبیہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں تو ان پر باعلام اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اطلاع رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب بعض علوم غیبیہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں تو ان پر آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کا کیا مطلب؟ کیا اللہ تعالیٰ اس غیب پر بھی کسی کو اطلاع دیا کرتا ہے جو صرف اس کی ذات

کے ساتھ خاص ہے؟ صوفی صاحب بندۂ خدا کچھ تو سوچیئے کہ یہ دعویٰ آپ نے کیسے کر دیا؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اس پر اللہ تعالیٰ کسی کو اطلاع نہیں دیتا۔ ہاں وُہ غیب جو ہے تو غیب، مگر اس کی ذات کے ساتھ مختص نہیں۔ اس میں سے جتنا وُہ مناسب جانتا ہے کسی کو مرحمت فرما دیتا ہے۔ باقی جو علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اس پر کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

مسند امام اعظمؒ ج۲ ص۱۶۷ (جس کو جامع مسانید الامام الاعظمؒ بھی کہتے ہیں) میں روایت ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک نو وارد اعرابی کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند سوالات کئے جن میں سے ایک یہ تھا:۔

فاخبرنی عن الساعۃ متی ھی قال ما المسئول عنھا باعلم من السائل ولکن لھا اشراط فھی من الخمس التی استأثر اللہ تعالیٰ بھا الحدیث

کہ مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجئے کہ کب ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اس کو سائل سے زیادہ نہیں جانتا لیکن اس کی کچھ نشانیاں ہیں۔ پس قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی متفرد اور متصف ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس کے ساتھ متفرد ہونے یا اس کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس کو بغیر اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ مشہور تابعی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

اشیاء من الغیب استأثر اللہ بھن فلم یطلع علیھن ملکاً مقرباً ولا نبیاً مرسلاً ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ (تفسیر ابن جریر ج۲۱ ص۸۸ واللفظ لہ و ابن کثیر ج۳ ص۴۵۵ ودر منثور ج۵ ص۱۶۷ والسراج

غیب میں کچھ ایسی چیزیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اُن سے متصف اور اُن کے ساتھ متفرد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر نہ تو کسی مقرب فرشتے کو اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔ پھر آگے اِنَّ اللہَ عِندَہٗ عِلم

المنیرج۳ وروح المعانی ج ۲۱ ص۹۹) السماعۃ الآیۃ انھوں نے پڑھی۔
الغرض جو غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اس پر کسی کو اطلاع نہیں دی جاتی خط کشیدہ الفاظ کے ساتھ دعویٰ صوفی صاحب کی خالص جہالت کا شاخسانہ اور نتیجہ ہے۔ علماء کرام کے ہاں تو یہی مشہور ہے خاصۃ الشئ مالا یوجد فی غیرہ فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۲۳ میں اسی مضمون کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے۔

الجواب :۔ "علم غیب خاصہ حضرت حق است جل شانہٗ خاصۃ الشئ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ عقیدہ فقیر ہمیں است" فقیر غلام فرید بقلم خود سکنہ کوٹ مٹھن و چاچڑاں ریاست بہاول پور
اور آخر میں جو انھوں نے کہا ہے کہ جمیع ماکان وما یکون کے عالم ہونے سے محیط کُل لازم نہیں آتا۔ یہ بھی ان کا بڑا تجاہل عارفانہ یا جہل مرکب ہے کیونکہ جب ان کے نزدیک بعض اتنا لمبا ہے کہ مخلوق (جس میں انسان و جنات ملائکہ اور حور و غلمان وغیرہ سبھی داخل ہیں) کے نزدیک وہ غیر متناہی ہے تو نہ معلوم جمیع ان کے نزدیک کتنا لمبا ہوگا جب بعض بھی مخلوق کے نزدیک غیر متناہی رہا تو جمیع کا کیا پوچھنا؟ ؏

قیاس کُن زگلستان من بہار مرا

توکلی کا حوالہ

اس کے بعد صوفی صاحب شرح قصیدہ بردہ لنور بخش توکلی ص۲۴۴ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "اولیاء کا علم بمقابلہ انبیاء کے علم کے ایسا ہے جیسا سات سمندروں میں سے ایک قطرہ اور علم انبیاء بمقابلہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسا ہی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بمقابلہ اللہ تعالیٰ کے علم کے ایسا ہی ہے۔ ماکان وما یکون کے جملہ سے اہلِ لغۃ وہابیہ اس لئے چڑتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم کو اسی میں منحصر جانتا ہے۔ (بلفظہ ص۹۸، ص۹۹)۔

الجواب :۔ صوفی صاحب نے شرح قصیدہ بردہ کی جو عبارت نقل کی ہے ہمارا اس پر صاد ہے لیکن آگے انھوں نے ماکان وما یکون کے بارے میں جو شوشہ چھوڑا ہے وہ سراسر

بے بنیاد ہے کیونکہ اہلِ حق کا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ماکان ومایکون میں منحصر ہے یا ابتداءِ آفرینش سے تا اختتامِ دُنیا کے ساتھ مقید ہے، حاشا وکلا کوئی اہلِ حق اس کا قائل نہیں ہے۔ ماکان ومایکون کے جملہ کے ساتھ اگر اہلِ حق کو چڑ ہے تو صرف اس لئے کہ آپ لوگوں کی ماکان ومایکون کی تفسیر اور تشریح میں ان جزئیات کا علم بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے لئے ثابت ہوتا ہے جن کی صراحۃً قرآن کریم اور صحیح احادیث کی واضح نصوص سے نفی ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صریح حکموں کو رد کرنے یا اُن میں بے جا تاویل کرنے والوں کی اس غلط کارروائی پر چڑنا البغض فی اللہ کے تحت عین ایمان ہے۔ ہاں اگر جملہ ماکان ومایکون سے غیب کی وہ خبریں مراد ہوں جو ماضی سے تعلق رکھتی ہوں اور آئندہ کی وہ بے شمار خبریں مراد ہوں جو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور واقع ہوں گی تو اس معنی میں اہلِ حق بھی ماکان ومایکون کے جملہ کو صحیح سمجھتے ہیں لیکن آپ لوگ ماکان ومایکون سے ایسا بعض مراد لیتے ہیں جو مخلوق کے نزدیک غیر متناہی ہے اور اسی باطل نظریہ اور تاویل سے ان نصوص قطعیہ کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے جو نفی میں نص ہیں اور یہی کفر ہے۔ سہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات کا جواب

صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ "اب بعض فقہاء کرام کی عبارتِ تکفیر کے بارے میں دیگر فقہاء کرام کا خیال ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (ہم نے صوفی صاحب کے ترجمہ پر اکتفاء کی ہے) تتار خانیہ اور حجۃ میں ہے کہ صاحبِ ملتقط نے ذکر کیا ہے کہ اس قائل کی تکفیر نہ کی جائے کیونکہ اشیاء پیش کی جاتی ہیں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح مبارک پر اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعض غیب جانتے ہیں۔ میں (یعنی علامہ

شامی ج) کہتا ہوں بلکہ کتب عقائد میں یہ ذکر ہے کہ جملہ کرامات اولیاء میں سے اطلاع علی بعض المغیبات بھی ہے۔ اور مصنف تقدیس الوکیل عن توہین رشید وخلیل لکھتے ہیں۔ ہر چند اس میں بہت کلام ہے مگر اس جگہ اتنا ہی جواب کافی ہے کہ رد المحتار علی الدر المختار اور حاشیہ طحطاوی وغیرہما بسند تاتارخانیہ وفتاوی حجۃ وملتقط وغیرہا سے تصریح ہے :۔ ان روایۃ التکفیر ضعیفۃ غیر صحیحۃ لان الاشیاء تعرض علٰی صلے اللہ علیہ وسلم ویعرف بعض الغیب باعلام منہ بدلیل آیۃ عالم الغیب فلا یظہر علٰی غیبہٖ احدًا الا من ارتضٰی من رسول بل الاطلاع علی بعض الغیوب من کرامات الاولیاء ھذہ خلاصۃ مافی رد المحتار والطحطاوی وھکذا فی البحر وکذا فی غیرہ جلد ۵ ص ۱۲۵ ملخصًا۔ یعنی روایت تکفیر ضعیف ہے، صحیح نہیں۔ کیونکہ آپؐ پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں اور باعلام الٰہی بعض غیب جانتے ہیں بدلیل اس آیت مذکورہ کے بلکہ بعض غیب پر اطلاع اولیاء کی کرامات میں داخل ہے۔ کیوں خان جی صاحب اگر عبارت کی توجیہ بھی نہ کی جائے تو ایسی روایت جس کو فقہاء نے ضعیف کہا ہو، سے مسلمانوں پر حکم کفر صادر کرنا کہاں کی ایمان داری ہے۔ بلکہ ابن نجیمؒ تو فرماتے ہیں کفر ایک بڑی بات ہے پس مسلمانوں کو کافر نہ بنا جبکہ تو اس کے عدم تکفیر کی روایت پائے (بحر الرائق ج۵ ص۱۲۵) پھر فرماتے ہیں۔ نہیں فتویٰ دیا جائے گا مسلمان کی تکفیر کا اگر اس کے کلام کو اچھے محمل پر حمل کیا جانا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو۔ اگرچہ روایت اختلاف ضعیف ہی کیوں نہ ہو (بحر الرائق ج۵ ص۱۲۵) فقیہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصریحات کے بعد روایت تکفیر کے ضعیف ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہا اور علامہ شامی اور علامہ طحطاوی رحمہما اللہ علیہما کی بات بالکل حق اور سچ ثابت ہوئی "۔ انتہی بلفظہٖ (ص۹۹، ص۱۰۰)۔

الجواب :۔ ہم نے صوفی صاحب کی عبارت اس مقام پر اس لئے مکمل نقل کر دی ہے کہ وہ مقتولِ جہالت ہیں اور جب تک اُن کا پوسٹ مارٹم نہ کیا جائے گا عوام کو ان کے اندرون کا علم نہیں ہو سکے گا۔ صوفی صاحب نے جو کچھ کہا ہے سراسر باطل ہے۔ اولًا اس لئے کہ انہوں نے نہ تو علامہ شامیؒ کی پوری عبارت نقل کی ہے اور نہ اس کا مطلب سمجھے ہیں۔

علامہ محمد بن علی علاؤ الدین الحصکفی الحنفی رح (المتوفی ۱۰۸۸ھ) نے یہ لکھا ہے:-

تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز بل قيل يكفر والله اعلم (الدر المختار علی هامش الشامی ج ۲ ص ۳۸۰)

"اگر کسی نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو جائز نہیں بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا، واللہ اعلم۔"

علامہ محمد امین بن عمر الشامی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

قوله قيل يكفر لانه اعتقد ان رسول الله صلی الله عليه وسلم عالم الغيب قال فی التتارخانيه وفی الحجة ذكر فی الملتقط انه لا يكفر لان الاشياء تعرض علی روح النبی صلی الله عليه وسلم وان الرسل يعرفون بعض الغيب قال تعالیٰ عالم الغيب فلا يظهر علی غيبه احداً الا من ارتضیٰ من رسول اه قلت بل ذكروا فی كتب العقائد ان من جملة كرامات الاولياء الاطلاع علی بعض المغيبات وردوا علی المعتزلة المستدلين بهذه الآية علی نفيها بان المراد الاظهار بلا واسطة والمراد من الرسول الملك ای لا يظهر علی غيبه بلا واسطة الا الملك اما النبی والاولياء فيظهرهم عليه بواسطة الملك او غيره الخ

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۰ طبع مصر)

ان کا قول کہ کہا گیا ہے کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ حجت میں ملتقط سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ اشیاء آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح پر پیش کی جاتی ہیں اور بے شک رسول بعض غیب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔ میں کہتا ہوں بلکہ کتب عقائد میں علماء نے ذکر کیا ہے کہ اولیاء کرام کی کرامات میں سے بعض مغیبات پر بھی اطلاع ہے اور انہوں نے معتزلہ کا رد کیا ہے جو اس آیت کریمہ سے کرامات کی نفی پر استدلال کرتے ہیں بایں طور کہ اظہار سے بلا واسطہ مراد ہے اور رسول سے فرشتہ مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر بلا واسطہ کسی کو اطلاع نہیں کرتا بجز فرشتہ کے، بہر حال نبی اور اولیاء تو ان کو وہ اپنے غیب کی اطلاع بواسطہ فرشتہ وغیرہ دیتا ہے۔

اِس عبارت میں علامہ شامی رح نے کفر کی وجہ اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ مجلسِ نکاح میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنانے والا اس لئے کافر ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب اعتقاد کرتا ہے اس کے بعد فتاویٰ تاتارخانیہ سے الحجۃ اور ملتقط کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ چونکہ بعض اعمال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں اِس لئے وہ کافر نہ ہوگا۔ اور اس لئے بھی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بعض غیوب پر فلا یظھر علیٰ غیبہ الآیۃ کے تحت مطلع ہوتے ہیں بلکہ کُتب عقائد میں کرامات حضرات اولیاء کرام رح میں اطلاع علی بعض المغیبات بھی لکھا ہے۔ معتزلہ کرامات کو تسلیم نہیں کرتے اور اس آیت کریمہ کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں الخ۔ مگر تاتارخانیہ اور ملتقط وغیرہ کی یہ تاویل بالکل بے موقع اور بے محل ہے اس لئے کہ قائل تو یہ کہتا ہے کہ مَیں اپنی مجلسِ نکاح میں جناب رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر اور گواہ تسلیم کرتا ہُوں۔ وہ چلا چلا کر کہتا ہے "خُدا را و رسُول را گواہ کردیم" اور عرض اعمال کے تحت یہ توجیہ یہ بتا رہی ہے کہ آپ اپنی جگہ پر تشریف فرما ہیں مگر یہ واقعہ آپ پر وہاں پیش کیا جاتا ہے۔ الغرض یہ توجیہ قائل کی مُراد کے بالکل برعکس ہے جو بالکل غیر مسموع ہے۔ اور ہم نے تبرید النواظر میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ توجیہ بالکل قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔ حق بات اور صحیح بات صرف وُہی ہے جو جمہور حضرات فقہاء کرام رح نے بیان کی ہے کہ چونکہ قائل آپ کو مجلسِ نکاح میں حاضر و ناظر تسلیم کرتا ہے اور آپ کے لئے صفتِ علمِ غیب ثابت کرتا ہے اس لئے کافر ہے اور اس جزو میں تمام حضرات فقہاء کرام متفق ہیں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کوئی ان میں یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجلسِ نکاح میں حاضر و ناظر ماننے والا یا آپ کو عالم الغیب کہنے والا کافر نہیں۔ ہاں تاویل کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ آپ مجلسِ نکاح میں حاضر و ناظر اور عالم الغیب نہیں لیکن قائل کی مُراد کے بالکل خلاف وُہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے نکاح کا واقعہ آپ پر عرض اعمال کے پیشِ نظر پیش کیا گیا ہو۔ علامہ شامی رح بھی آپ کو عالم الغیب کہنے والے کو کافر ہی بتلاتے ہیں۔

عرضِ اعمال کی صورت میں مسئلہ کی حیثیت بالکل بدل جاتی ہے اور حاضر و ناظر اور علمِ غیب کی مد میں یہ مسئلہ بالکل نہیں رہتا اس لئے یہ دھوکہ دینا یا کھانا کہ حضرات فقہاء کرامؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ماننے والے اور عالم الغیب ماننے والے کی تکفیر نہیں کرتے، قطعاً غلط ہے کیونکہ غیر اللہ تعالیٰ کے لئے علم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ بہر کیف کفر ہے (پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ابناء الغیب کا معاملہ ہرگز نزاعی اور اختلافی نہیں ہے)۔

علامہ شیخی زادہ عبد الرحمٰنؒ بن محمدؒ بن سلیمانؒ (المتوفی ۱۰۷۸ھ) تحریر فرماتے ہیں:-

فلو تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لا يجوز النكاح وعن القاسم الصفار وهو كفر محض لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب وهذا كفر وفي التتارخانية انه لا يكفر لان بعض الاشياء يعرض على روحه عليه الصلوٰة والسلام فيعرف بعض الغيب قال الله تعالى عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احداً الا من ارتضى من رسول انتهى (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر ج ۱ ص ۳۲۰ طبع مصر)

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول آنحضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور امام القاسم الصفارؒ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ یہ محض کفر ہے۔ کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں اور یہ کفر ہے۔ اور تاتارخانیہ میں ہے کہ یہ کفر نہیں کیونکہ بعض اشیاء آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک پر پیش کی جاتی ہیں تو آپ بعض غیب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ عالم الغیب ہے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے جس رسول کو وہ چن لے۔

یہ عبارت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجلسِ نکاح میں حاضر و ناظر ماننا اور آپ کے بارے میں علمِ غیب کا عقیدہ رکھنا محض کفر ہے آگے تاتارخانیہ میں وہی بے محل توجیہ کی گئی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور اس میں بعض الاشیاء کی تصریح ہے کہ آپ پر بعض چیزیں پیش کی جاتی ہیں نہ کہ سب اور ان کی مراد یہ ہے کہ اگر قائل آپ کے لئے

علم غیب کا عقیدہ تو نہیں رکھتا کیونکہ وہ تو سب کے نزدیک کفر ہے لیکن اگر وہ یہ خیال کرتا ہے کہ چونکہ بعض اشیاء آپ پر پیش ہوتی ہیں اس لئے شاید یہ واقعۂ نکاح بھی آپؐ پر پیش کیا گیا ہو تو بقول ان کے کفر نہ ہوگا۔

علامہ شامی رح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

قلت وحاصلہ ان دعوٰی علم الغیب معارضۃ لنص القران فیکفر بہا الا اذا اسند ذٰلک صریحاً او دلالۃ الی سبب من اللّٰہ تعالٰی کوحی او الھام وکذا لو اسندہ الی امارۃ عادیۃ یجعل اللّٰہ تعالٰی اھ (رد المحتار ج ۳ ص ۴۷۱ طبع مصر)	میں کہتا ہوں کہ علم غیب کا دعوٰی نص قرآنی کے معارض ہے تو اس دعوٰی کی وجہ سے وہ کافر ہوگا الا یہ کہ اس کو صراحۃً یا دلالۃً اللہ تعالٰی کی طرف سے کسی سبب کی طرف نسبت کرے مثلاً وحی یا الہام. اور اسی طرح جب کسی ایسی نشانی کی طرف نسبت کرے جو عادۃً اللہ تعالٰے نے بنائی ہے۔

جو امور وحی کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں وہ ابناء الغیب میں داخل ہیں، الہام یا عادی نشانی سے حاصل ہوں تو وہ ظنی امور ہیں اگر کوئی شخص ان سے بالاتر ہو کر دعوٰی کرے تو یقیناً وہ کافر ہے چنانچہ خود علامہ شامی رح اس کے آگے لکھتے ہیں۔

ولو لم یعتقد بقضاء اللّٰہ تعالٰی او ادعٰی علم الغیب بنفسہ یکفر (ایضًا)	اگر حوادثات کے رونما ہونے کا اعتقاد اللہ تعالے کے فیصلہ سے نہیں کرتا یا خود غیب کا دعوے کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔

اور ظاہر بات ہے کہ مجلس نکاح میں آنحضرت صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور گواہ سمجھنے والے اور آپؐ کے بارے میں علم غیب کا دعوٰی کرنے والے پر کہاں سے وحی آتی ہے؟ یا وہ کون سا بایزید بسطامی رح یا جنید بغدادی رح ہے جس کو الہام ہوتا ہے؟ یا کون سی عادی نشانی یہاں موجود ہے؟ اسی لئے تو فقہاء کرام رح مجلس میں حاضر ہونے کے معتقد کی تکفیر کرتے ہیں۔ علامہ شامی رح نے تاتارخانیہ، الحجہ اور ملتقط کے حوالے سے عبارت نقل کی ہے لیکن اس

میں کہیں بھی یہ لفظ موجود نہیں ہیں: ان روایۃ التکفیر ضعیفۃ غیر صحیحۃ الخ اور مصنف تقدیس الوکیل ص۲۶۳، ص۲۶۴ میں لکھتے ہیں۔ سید احمد طحطاوی رح درمختار کے حاشیہ میں بنقل شیخی زادہ ناقلاً تاتارخانیہ سے لکھتے ہیں کہ بعض اشیاء آپ کے روح مبارک پر عرض کی جاتی ہیں اور آپ بعض غیب جانتے ہیں۔ بدلیل آیت عالم الغیب یعنی خدا غیب دان ہے، پس اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا ہے مگر رسول پسندیدہ کو" یہ ترجمہ ہے عبارت طحطاوی کا۔ اور سید ابن عابدین رح ردالمحتار حاشیہ درمختار میں بنقل تاتارخانیہ ناقلاً فتاویٰ حجہ سے بنقل ملتقط فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روح مبارک پر چیزیں عرض کی جاتی ہیں اور خود رسول بعض غیب جانتے ہیں بدلیل آیت مذکورہ صدر اھ۔ یہ ردالمحتار کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ انتہیٰ بلفظہ۔

اس عبارت میں بھی مؤلف تقدیس الوکیل نے ان کتابوں سے ان روایۃ التکفیر ضعیفۃ غیر صحیحۃ کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ یہ صوفی صاحب کی دیدہ دلیری ہے کہ وہ یہ الفاظ ان کتابوں کی طرف بے دھڑک نسبت کرتے ہیں اور ص۱۰۱ میں لکھتے ہیں: ھٰذہ خلاصۃ ما فی ردالمحتار والطحطاوی وھکذا فی المجموعۃ الخانی فخذھا ص۲۳۷ المجموعۃ الخانی ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی (اور یقین غالب ہے کہ صوفی صاحب کے پاس بھی نہیں۔ تقدیس الوکیل سے یہ حوالہ گھسیٹ دیا ہے) ہاں البتہ مؤلف تقدیس الوکیل نے ص۲۳۵ میں یہ لکھا ہے کہ ہرچند اس میں بہت سی گفتگو ہے مگر اس جگہ اتنا ہی جواب کافی ہے کہ ردالمحتار و طحطاوی وغیرہما میں معتبرات کی سند سے تصریح کی ہے کہ یہ روایت تکفیر غیر صحیح ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اشیاء عرض ہوتے ہیں اور آپ باعلام الٰہی بعض غیب جانتے ہیں اھ۔ اور ص۲۳۷ میں لکھتے ہیں کہ "اور نیز مجموعہ خانی میں فتاویٰ حجت سے درج ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اعمالِ اُمت آپ پر عرض ہوتے ہیں اھ۔ پس ثابت ہوا کہ روایت تکفیر کی غیر صحیح ہے اھ۔ مؤلف تقدیس الوکیل مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری (المتوفی ۱۳۱۵ھ) نے تو صرف

اپنے ظن اور تخمین اور اپنے عندیہ کے لحاظ سے روایت تکفیر کو غیر صحیح کہا مگر صوفی صاحب اس کے ساتھ ضعیفہ کا پیوند لگا کر اور اپنی طرف سے عربی عبارت بنا کر اس کے ضعیف اور غیر صحیح ہونے کی نسبت ردالمحتار، طحطاوی اور مجموعہ خانی وغیرہ کی طرف کرتے ہیں جو خالص بہتان اور بڑا جھوٹ ہے۔ ان کتابوں میں کسی کتاب میں اس کو ضعیف اور غیر صحیح نہیں کہا۔ یہ سمجھنے والوں کی اپنی غلطی ہے کہ انھوں نے جمہور فقہاء کرام رح کے فتویٰ کو ضعیف سمجھا اور اپنی مرضی اور نفسانی خواہش کے تحت علمی الجھن میں پھنس گئے ؂

الجھنوں میں اور زیادہ پھنس گئے
دے کے دل سمجھے تھے راحت ہو گئی

غلطی کا سبب

چونکہ دُرِ مختار میں لفظ قیل یکفر سے یہ حکم بیان کیا گیا ہے اس لئے بلا وجہ اس سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ تکفیر کا حکم ضعیف ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رح فرماتے ہیں۔ فائدہ۔ بسا اوقات حضرات فقہاء کرام رح کسی حکم کو ذکر کرتے ہیں جو لفظ قیل سے صادر کیا جاتا ہے اور شراح اور محشی اس کے تحت لکھ دیتے ہیں کہ اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے اور حق بات یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے قائل نے اس کا التزام کیا ہے کہ وہ مرجوح حکم کو اس صیغہ سے بیان کرے گا اور اس صیغہ کے ساتھ اس حکم کے ضعف کی طرف اشارہ کرے گا تو اس کا قطعی فیصلہ کر دیا جائے گا جیسا کہ مؤلف ملتقی الابحر (علامہ ابراہیم بن محمد الحلبی الحنفی رح المتوفی ۹۵۶ھ) نے ملتقی الابحر کے دیباچہ میں اپنے التزامات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں جو صورت لفظ قیل یا قالوا سے بیان کی جائیگی اگرچہ وہ اصح وغیرہ سے مقرون بھی ہو تو وہ بہ نسبت اس کے جو ایسی نہیں، مرجوح ہو گی انتہیٰ۔ اور جس نے اس کا التزام نہ کیا ہو تو لفظ قیل سے اس کے ضعیف ہونے کا کوئی یقین اور جزم نہیں کیا جا سکتا اور اسی واسطے علامہ شرنبلالی رح نے اپنے رسالہ المسائل البہیۃ الزاکیۃ علی الاثنا عشریۃ میں لکھا ہے کہ ہر وہ حکم جس پر صیغہ قیل کا داخل ہو، ضعیف ہی نہیں ہوتا، انتہیٰ۔ اور اس سے

صاف ظاہر ہوگیا کہ جو یہ مشہور ہے کہ قیل اور یقال اور اس کی مانند صیغے جو تمریض کے سمجھے جاتے ہیں، وہ نہ تو تمریض کے لئے موضوع ہیں اور نہ یہ کلی طور پر تمریض کا فائدہ دیتے ہیں بلکہ اس کا ضعف یا تو قائل کے التزام سے معلوم ہوگا اور یا سیاق وسباق اور مقام سے حاصل ہوگا۔ (مقدمہ عمدۃ الرعایہ صکا)

اس سے معلوم ہوا کہ بلا کسی واضح دلیل کے لفظ قیل کو ضعف پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے لہٰذا جس نے بھی درمختار کی عبارت قیل یکفر سے اس کا ضعف سمجھا ہے وہ سراسر غلطی پر ہے اور اسی طرح مجموعہ خانی کی عبارت میں (والصحیح انہ لا یکفر کان اعمال الامۃ تعرض علی النبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔ انتہٰی حاشیہ تقدیس الوکیل صہ۲۴) لفظ صحیح سے یہ مغالطہ کھانا کہ اس کے مقابل میں جمہور حضرات فقہاء کرام رح کا فتوٰی ضعیف ہے یا غیر صحیح ہے جیسا کہ مؤلف تقدیس الوکیل وغیرہ نے سمجھا ہے اور صوفی صاحب نے اس کے ساتھ ضعیفۃ کا پیوند بھی خانہ زاد طور پر جوڑ دیا ہے، بالکل مردود ہے۔ اس لئے لفظ صحیح جس طرح فقہی طور پر ضعیف کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اسی طرح لفظ صحیح اصح کے مقابلہ میں بھی اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب نقل کرتے ہیں:۔

وفی رد المحتار الاصح مقابل للصحیح وھو مقابل للضعیف اھ (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ صـ۱۶ـ)	ردالمحتار میں ہے اصح کا لفظ صحیح کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور صحیح ضعیف کے مقابلہ میں بھی اطلاق ہوتا ہے۔

اس عبارت سے بصراحت معلوم ہوا کہ صحیح کا مقابلہ اصح سے بھی ہوتا ہے اور ضعیف سے بھی ہوتا ہے لہٰذا علی التعیین صحیح کے مقابل کو ضعیف قرار دے دینا غلط ہے۔ بلکہ قرین قیاس اور انصاف کی بات یہ ہے کہ یہاں یہ لفظ اصح کے مقابل ہے کیونکہ متقدمین حضرات فقہاء کرام اس تکفیر پر متفق ہیں اور ان کے قول کی بنیاد نصوص قطعیہ پر ہے اور متاخرین فقہاء رح کا یہ مقام کہاں ہے کہ وہ حضرات متقدمین فقہاء کرام رح کی بات کو ضعیف اور غیر صحیح اور اپنی بات کو صحیح کہہ سکیں، اس لئے اصح بات انہی متقدمین کی ہے۔ ہاں بعض متاخرین فقہاء کرام رح نے خود قائل

کی تصریح کو بالائے طاق رکھ کر محض احتیاط کرتے ہوئے اس کو کفر سے بچانے کے لئے عرض اعمال کی حدیث کو پیش نظر رکھ کر یہ بعید تاویل کی ہے کہ یہ قول آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش ہو سکتا ہے لہٰذا اس کی تکفیر نہیں ہونی چاہیئے۔ عرض اعمال کے پیش نظر یہ بات صحیح ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب وہ بھی ہرگز تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے :-

تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد النكاح ويكفر لاعتقاده ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب۔

اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا نکاح منعقد نہ ہوگا اور وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

بلکہ اس خاص جزئی کو اس مد سے نکال کر وہ عرض اعمال کی مد میں شامل کرتے ہیں تو اس طویل زحمت اور چکر کے بعد بھی صوفی صاحب اور ان کی جماعت کو اس سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں بشرطیکہ دقیق علمی باتیں سمجھنے کا سلیقہ بھی ان کو حاصل ہو۔ ولایمکن ذلک بالبداھة

البحر الرائق علامہ ابن نجیم رح کا یہ ارشاد بجا ہے کہ کفر ایک بڑی بات ہے جب اس کے قائل کی عدم تکفیر کی وجہ پائی جائے تو اس کی تکفیر نہیں کرنی چاہیئے اور اسی طرح ان کا یہ فرمان بھی درست ہے کہ مسلمان کی تکفیر کا فتویٰ بھی نہیں دیا جائے گا جب تک کہ اس کے کلام کو اچھے محمل پر محمل کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو اگرچہ روایت اختلاف ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ ان کا یہ ارشاد ایسے مسائل کے بارے میں ہے جن میں تکفیر کا مدار نصوص قطعیہ پر نہیں بلکہ تغلیظا اور تشدیداً کفر کا اطلاق ایسے امور پر کیا گیا ہو اور ایسے غیر منصوص مسائل میں ضعیف روایت بھی عدم تکفیر کی مل جائے تو احتیاط اسی پہلو میں ہے کہ تکفیر نہیں کرنی چاہیئے رہے وہ مسائل جن میں حضرات فقہاء کرام رح نے قائل اور معتقد کی اس لئے تکفیر کی ہو کہ ان کا قول اور عقیدہ نصوص قطعیہ سے متصادم ہے۔ جیسا کہ یہی مسئلہ حاضر و ناظر و علم غیب،

تو ایسے مسائل میں وہ بہر کیف تکفیر ہی کرتے ہیں۔ عدمِ تکفیر کا پہلو ہرگز نہیں لیتے یہی وجہ ہے کہ علامہ ابنِ نجیم رہ یہ بالا قاعدہ لکھنے کے باوجود آنحضرت صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو مجلسِ نکاح میں حاضر و ناظر ماننے والے اور آپؐ کے علمِ غیب کے عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کرتے ہیں اور اس مقام میں ذرہ بھر تأمل سے کام نہیں لیتے اور علمِ غیب کے مسئلہ کے بارے میں خود تصریح فرماتے ہیں کہ :-

لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقادہ انه صلے اللہ علیه وسلم یعلم الغیب (بحر الرائق ج ۵ صـ۱۲۴)	اگر کسی نے اللہ تعالیٰ اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہ ہوگا اور وہ شخص کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ یہاں وہ کسی نرمی کا ثبوت نہیں دیتے اور ڈٹ کر تکفیر کرتے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں علمِ غیب کے عقیدہ کو صراحۃً کفر قرار دیتے ہیں اور علمِ غیب کے بارے میں لکھتے ہیں :-

بخلاف ادعاء علم الغیب فانه کفر (بحر الرائق ج ۵ صـ۱۲۴)	بخلاف دعویٰ علمِ غیب کے کیونکہ وہ خالص کفر ہے

صوفی صاحب کو اور ان کی ساری جماعت کو بگوشِ ہوش یہ سن لینا چاہیئے کہ علامہ ابنِ نجیم رہ ہوں یا کوئی اور ہو، غیر اللہ تعالیٰ کے لئے علمِ غیب کے دعویٰ کو خالص کفر قرار دیتے ہیں اور صراحۃً تکفیر کرتے ہیں اور تکفیر کی روایت کو ہرگز ضعیف قرار نہیں دیتے۔ یہ صوفی صاحب کا خالص دجل ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ "فقیہہ ابنِ نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصریحات کے بعد روایت تکفیر کے ضعیف ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہا" اھ (صـ۱۰) لا حول ولا قوۃ الا باللہ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ صوفی صاحب کو حضرات فقہاء کرام رہ کی عبارات نہ سمجھنے پر اپنی نارسا عقل اور قلتِ فہم پر ماتم کرنا چاہیئے۔ اور خون کے آنسو بہانے چاہئیں کہ وہ مخلوقِ خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالےٰ)

تاراج کیا آپ کو شیطان و نفس نے
جو کچھ کیا تھا آپ نے حاصل نہیں رہا

مسائرہ اور حضرت ملا علی ن القاریؒ کی عبارت کا جوابؒ

صوفی صاحب نے اپنے پیشرو بزرگوں (مثلاً دیکھئے تقدیس الوکیل ص۲۲۷ وغیرہ) کے نقش قدم پر چل کر مسائرہ اور شرح فقہ اکبر کی عبارت کا جواب یہ دیا ہے :- "ملا علی قاری رح اور مسائرہ کی جو عبارت نقل کی ہے کہ فقہاء احناف رح نے تصریح کی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام علم غیب جانتے ہیں، یہ عقیدہ کفر ہے۔ اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ یعلم الغیب بالاستقلال کیونکہ اس عبارت سے پہلے علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

اعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمهم الله تعالیٰ (شرح فقہ اکبر ص۱۸۵) جان تو کہ انبیاء اشیاء غیب کو نہیں جانتے مگر جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو بتلایا ہو۔

ثابت ہوا یعلم الغیب بالاستقلال کا عقیدہ ہی کفر ہے۔" (بلفظہ ص۱۰۱)

الجواب :- صوفی صاحب اور اُن کے بزرگوں کی یہ تاویل بلکہ تحریف بھی قطعاً مردود اور سراسر باطل ہے۔ حضرت ملا علی ن القاری رح کی ان عبارتوں میں بالاستقلال اور غیر بالاستقلال کا تقابل نہیں اور نہ ذاتی اور عطائی کا تقابل ہے جیسا کہ صوفی صاحب اور ان کے بزرگوں نے یہ باطل دعویٰ کیا ہے۔ حضرت ملا علی ن القاری رح نے تو یہاں یہ بتایا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جن جن اشیاء کا علم اللہ تعالیٰ نے دے دیا ہے، وہ حق ہے اور یہ انباء الغیب کی مد میں داخل ہے اور ان اشیاء کے علاوہ باقی جملہ اشیاء علم الغیب کی مد میں شامل ہیں ان کا ادعاء اور اثبات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے اور علی الخصوص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کفر ہے یہاں تقابل علم الغیب اور انباء الغیب کا ہے جس کا واضح قرینہ ان کی اس عبارت میں لم یعلموا المغیبات من الاشیاء

الا ما اعلمهم اللہ تعالیٰ کے الفاظ موجود ہیں یعنی وہی اشیاء ان کو معلوم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دی ہیں۔ ان کے علاوہ سب غیب میں داخل اور شامل ہیں اور ان کا اثبات ان کے لئے کفر ہے کیونکہ یہ نص قرآنی قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ سے صراحۃً متعارض ہے جس کے کفر ہونے میں رتی بھر شک نہیں ہے۔ یہ اہل بدعت کا بیکار کارنامہ ہے کہ انھوں نے اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اور اپنے شرک کی گاڑی چلانے کے لئے حضرت ملا علی ن القاری رح کی عبارات میں بلاوجہ بائیں ہاتھ کے کرتب سے بالاستقلال اور غیر بالاستقلال کا تقابل کر دکھایا ہے۔ ؎

ان کو سعیٔ بے کار کا مزہ آیا
کامیابی انھیں مگر نہ ہوئی

چنانچہ خود حضرت ملا علی ن القاری رح آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ الآیۃ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

فان قلت قد اخبر الانبیاء والاولیاء بشیئ کثیر من ذٰلک فکیف الحصر؟ قلت الحصر باعتبار کلیاتہا دون جزئیاتہا الخ (مرقات ج ۱ ص ۶۶)

سو اگر تو کہے کہ بلاشبہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان میں سے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے تو پھر حصر کیسے صحیح ہوئی؟ میں کہتا ہوں کہ حصر کلیات کے اعتبار سے ہے نہ کہ جزئیات کے اعتبار سے۔

غور فرمایئے کہ حضرت ملا علی ن القاری رح نے کیا فرمایا؟ بقول مخالفین یہاں وہ بالاستقلال و غیر بالاستقلال اور ذاتی اور عطائی کا جواب بھی دے سکتے تھے مگر وہ بالکل باطل ہے اس لئے انہوں نے یہ جواب دیا کہ آیت کریمہ میں حصر کلیات کے لحاظ سے ہے اور حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے جن بعض چیزوں کا علم ثابت ہے وہ صرف جزئیات ہیں۔ اور یہی وہ جزئیات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ تِلْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَا اِلَیْکَ سے تعبیر

فرماتے ہیں اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

وما التوفيق بين الآية وبين ما اشتهر عن العرفاء من الاخبار الغيبية اھ

اس آیتِ کریمہ میں اور جو چیز عرفاءؒ سے مشہور ہے کہ انھوں نے غیب کی کچھ خبریں دیں کیا تطبیق ہے ؟

پھر اس کا جواب دیتے ہیں کہ :-

فلان للغيب مبادى ولواحق فمباديه لايطلع عليه ملك مقرب ولا نبي مرسل واما اللواحق فهو ما اظهر الله على بعض احبائه لوحة علمه وخرج ذلك عن الغيب المطلق وصار غيبا اضافيا اھ

(مرقات ج ۱ ص ۶۲)

غیب کے کچھ مبادی ہیں اور کچھ لواحق ہیں سو اس کے مبادی پر نہ تو کسی فرشتۂ مقرب کو اطلاع دی جاتی ہے اور نہ نبی مرسل کو۔ بہرحال لواحق تو اللہ تعالیٰ اپنے بعض محبوبوں پر اپنے علم کی ایک جھلک ظاہر فرما دیتا ہے اور وہ حصہ غیب مطلق سے نکل کر غیب اضافی (یعنی اخبارِ غیب اور انباءِ غیب) کی مد میں شامل ہو جاتا ہے۔

یہاں بھی حضرت ملا علی ن القاری رح نے الغیب المطلق اور اخبارِ غیبیہ کا تقابل کیا ہے۔ بالاستقلال اور غیر بالاستقلال اور ذاتی اور عطائی کا دور از کار بلکہ بے کار جھگڑا نہیں چھیڑا۔ حضرت ملا علی ن القاری رح کی ایسی صاف تصریحات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی شخص اپنی ضد اور دھڑے بندی پر ڈٹا رہے تو ہمارے پاس اس کا کیا علاج ہے ؟ ؎

اِتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو
کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا

ذاتی وعطائی کا چکر

تبرید النواظر میں یہ لکھا تھا کہ ذاتی اور عطائی کا جھگڑا چھیڑنا ہی بیکار ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر اللہ اور خالق ہے اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عطائی طور پر خالق اور اللہ ہیں تو کیا وہ مسلمان رہے گا؟ (محصلہ)

صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ "اس مقام پر خانصاحب کی ایک اور حماقت ملاحظہ ہو: پھر تبریدالنواظر کی مذکورہ عبارت کا حوالہ دے کر آگے لکھتے ہیں۔ "ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ کوئی صاحبِ علم اور عقلِ سلیم بھی ایسی لچر باتیں لکھ سکتا ہے؟ جہلا کی ایسی خرافات کا جواب بھی اہلِ علم پر ضروری ہے؟ ہم خانصاحب سے صرف اتنی گزارش کرتے ہیں کہ اگر آپ صفتِ الوہیت عطائی طور پر ملنا یا اللہ تعالیٰ کا الوہیت عطا فرمانے کا اقرار کرنا ثابت کر دیں جیسا کہ علمِ غیب عطا کرنے کا اقرار قرآن مجید میں موجود ہے تو کسی میں صفتِ الوہیت عطائی تسلیم کرنا عینِ ایمان ہوگی ورنہ تو آپ کا یہ قیاس مع الفارق اور سراسر شیطانی ہوگا" انتہیٰ بلفظہٖ (ص۱۰۱)

الجواب: صوفی صاحب! ہم نے اسی سلسلہ میں چند باتیں اور بھی تبریدالنواظر میں کہی تھیں اور تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کا تذکرہ بھی کیا تھا، آپ ان باتوں کو کیوں ہڑپ کر گئے ہیں؟ ان کا جواب آپ نے کیوں نہیں دیا؟ اور جس چیز کا آپ نے جواب دیا بھی تو وہ انتہائی احمقانہ جواب ہے اور شکستِ فاش کھانے کے باوجود اپنی کم علمی اور جہالت پر پردہ ڈالنے کیلئے کوئی صاحبِ علم ایسی لچر باتیں لکھ سکتا ہے؟ اور جہلاء کی ایسی خرافات کا جواب بھی اہلِ علم پر ضروری ہے؟ راہِ فرار اختیار کی ہے۔ مگر یقین جانیئے آپ کو بھاگنے کون دیتا ہے؟ انشاء اللہ تعالیٰ علمی طور پر آپ کو کہیں چھپنے کا موقع نہیں دیا جائے گا اور آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ ع

صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

جب کٹر سے کٹر مشرک حتیٰ کہ ابوجہل و ابولہب بھی غیر اللہ کے لئے علمِ غیب ذاتی کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے تو پھر حضرات فقہاء کرامؒ کو اس کی نفی اور تردید کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ علاوہ ازیں جس طرح غیر اللہ کے لئے علمِ غیب ذاتی کا اثبات کفر ہے اسی طرح علمِ شہادت کا ایک ذرہ بھی غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا کفر ہے؟ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بقول فریق مخالف حضرات فقہاء کرامؒ علمِ غیب ذاتی کا غیر اللہ کے لئے اثبات تو کفر بتاتے ہیں مگر علمِ شہادت ذاتی سے بالکل

چُپ سادھ لیتے ہیں؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

صُوفی صاحب! اِدھر اُدھر بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔ اِسی مرکزی نقطہ پر نگاہ جمائیں کہ ہم تو بحمداللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق اور اِلٰہ اور عالم الغیب تسلیم کرتے ہیں کسی اور کے لئے اس کا تصور بھی حرام سمجھتے ہیں مگر آپ نے اور آپ کے بڑوں نے ذاتی اور عطائی کا چور دروازہ اپنے بھاگنے کے لئے ڈھونڈھ نکالا ہے۔ یہ سوال ابھی تک آپ کے سر پر شمشیرِ بُراں کی طرح لٹک رہا ہے کہ آپ عطائی طور پر آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لئے علمِ غیب تسلیم کرتے ہیں تو عطائی طور پر اِلٰہ اور خالق کیوں نہیں مانتے؟ بصورتِ دیگر اس کا عقلی اور نقلی طور پر ایسا فرق بتائیں (جو علمی دُنیا میں قابلِ فہم و تسلیم ہو) کہ آپ عطائی طور پر عالم الغیب ہیں مگر عطائی طور پر اِلٰہ اور خالق نہیں۔ غصہ میں آکر پیچھا چھڑانے سے کچھ نہیں بنتا۔ باقی جو فرق آپ نے اختراع کیا ہے کہ آپ صفتِ الوہیت کا عطائی طور پر ملنا اور عطائی طور پر دینے کا اقرار اللہ تعالیٰ سے ثابت کردیں جیسا کہ علمِ غیب عطا کرنے کا اقرار قرآن مجید میں موجود ہے الخ تو یہ فرق نری خرافات، نکمّی اور فضول بات ہے کیونکہ قرآن مجید میں علم الغیب عطا کرنے کا کہیں بھی اقرار نہیں ہے۔ یہ آپ کا قرآن کریم پر خالص بُہتان ہے بعض اُمورِ غیبیہ پر اطلاع یا انباء الغیب الگ بات ہے اور علم الغیب الگ بات ہے جس طرح آپ حضرات نے قرآن کریم سے عطائی علم الغیب ثابت اور کشید کیا ہے اِسی طرح دُنیا میں ایسے فرقے بھی پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لئے عطائی طور پر خالق ہونے کی صفت بھی ثابت کی ہے مگر قرآن کریم سے نہ تو اُن کا دعویٰ ثابت ہے اور نہ آپ لوگوں کا۔ دونوں ہی تیر سے اختراع اور کشید کے عادی اور مرتکب ہیں۔ دو حوالے ہم عرض کرتے ہیں تاکہ آپ کی آنکھیں کُھل جائیں۔ علامہ سیّد شریف الجرجانی الحنفی رح (المتوفی ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ:

المفوضۃ قالوا ان اللہ فوض خلق الدنیا الیٰ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ای اللہ خلق محمدًا	مفوضہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو پیدا کیا اور دُنیا ومافیہا کی پیدائش

وفوض الیہ خلق الدنیا فھو الخلاق لھا وبما فیھا (شرح المواقف ص۶۳۳ نولکشور) — آپ کے سپرد کر دی۔ سو دنیا و مافیہا کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیدا کیا ہے۔

لیجئے آپ جیسے نظریات کا حامل ایک گمراہ فرقہ ایسا نکل آیا جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطائی طور پر دنیا و مافیہا کا خالق تسلیم کرتا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اب نہ تو یہ بات پلے رہی اور نہ جواب سے پہلو تہی درست رہی اور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رح (المتوفی ۵۶۱ھ جن کے نام مبارک پر گیارھویں شریف نے آپ لوگوں کی پانچوں انگلیاں گھی میں ڈال رکھی ہیں اور آپ لوگوں کی لذیذ اور مرغوب آمدنیوں کو چار چاند لگا رکھے ہیں) ارشاد فرماتے ہیں:۔

المفوضۃ فھم القائلون ان اللہ تعالیٰ فوض تدبیر الخلق الی الائمۃ وان اللہ اقدر النبی صلے اللہ علیہ وسلم علی خلق العالم وتدبیرہ اھ (غنیۃ الطالبین ص۲۱۲ طبع رفیق عام لاہور) — مفوضہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تدبیر حضرات ائمہ کرام رح کے سپرد کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہان پیدا کرنے اور اس کی تدبیر کرنے کی قدرت عطا کر دی ہے۔

صوفی صاحب معاف رکھنا آپ لوگ بھی تو انما انا قاسم واللہ یعطی کی حدیث کا مطلب بگاڑ کر لوگوں کو یہی تو باور کراتے رہتے ہیں کہ جس چیز کا معطی اللہ تعالیٰ ہے، اس چیز کے معطی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور آپ مختار کل ہیں مگر عطائی طور پر، اور آپ قاسم رزق اللہ ہیں۔ پھر کیا فرق رہ جاتا ہے آپ لوگوں میں اور ان میں؟ اس کی بحث ہم نے دل کا سرور میں کر دی ہے، اس کا مطالعہ کر لیں۔

اب ایسے لوگوں کا تذکرہ بھی سن لیجئے جو عطائی طور پر الوہیت کے بھی قائل ہیں چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح لکھتے ہیں:۔

والمشرکون وافقوا المسلمون فی تدبیر الامور العظام وفیما ابرم وجزم ولم یترک لغیرہ خیرۃ ولم یوافقوھم فی سائر — مشرکین کا مسلمانوں کے ساتھ اس امر پر اتفاق رہا ہے کہ بڑے بڑے کاموں کی تدبیر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور ایسے ہی وہ کام بھی جن کے

الامور ذهبوا الیٰ ان الصالحین من قبلهم عبدوا الله وتقربوا الیه فاعطاهم الله الالوهیة فاستحقوا العبادة آھ (حجة الله البالغة ج ۱ ص۵۹ طبع مصر)	بارے میں اللہ تعالیٰ نے پختہ فیصلہ کر دیا ہوتا ہے اس نے اور کسی کو ان میں اختیار نہیں دیا لیکن تمام امور میں مشرک قومیں مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں رہیں وہ اس طرف گئی ہیں کہ ان سے قبل جن نیک لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کا تقرب حاصل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت عطا کر دی ہے سو وہ عبادت کے مستحق ہیں۔

اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ دنیا میں عطائی طور پر الوہیت ملنے کے قائل بھی موجود ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ ہی لکھتے ہیں کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ جہان کا مدبر تو خدا تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو جہان کے مخصوص خطوں میں تصرف کرنے کا اختیار دے دیتا ہے (ویجعله مؤثرا متصرفا فی قسط من العالم بدور بازغہ ص۱۲۳) پھر فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہی عقیدہ تھا۔

والغلاة من منافقی دین محمد صلی الله علیه وسلم فی یومنا هذا (بدور بازغہ ص۱۲۴)	اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کا نام لینے والے غالی قسم کے منافقوں کا بھی آج یہی عقیدہ ہے

صوفی صاحب! آپ سمجھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کیا فرما گئے ہیں؟ اور کس کو فرما گئے ہیں؟ اور کیوں فرما گئے ہیں؟ دلیرا آپ کو رمز شناس ہونا چاہیئے۔

ہم نے تبرید النواظر میں دو تین سوالات اور بھی کئے تھے جن کا جواب ندارد۔ ایک سوال یہ کیا تھا کہ اگر آپ لوگ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے عطائی طور پر علم الغیب ثابت کرتے ہیں تو جو لوگ آپ کے لئے اور اسی طرح حضرات ائمہ کرام رح اور بزرگان دین کے لئے عطائی طور پر صفت خالقیت اور الوہیت ثابت کرتے ہیں، وہ کیسے ہیں؟ صوفی صاحب! حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور دیگر بزرگانِ دین کو تو ایسی لچر اور خرافات قسم کی باتوں کا جواب دینا پڑا اور ضرورت بھی محسوس

ہوتی۔ آپ کو اس کی ضرورت کیوں محسوس نہیں ہوتی؟ کیا آپ اہلِ حق کے صحیح اور ٹھوس حوالوں میں کتر و بیونت، قطع و برید اور غلط تاویل اور تحریف کے ٹھیکہ دار ہیں؟ اور کیا آپ ہی کے لئے یہ شیطانی کام رہ گیا ہے؟ کچھ تو فرمایئے؟

اُف بھی کر سکتے نہیں نالوں کا کیا مذکور ہے
جتنے وہ مجبور ہیں بلبل کہاں مجبور ہے

عرضِ اعمال عرض اعمال کے بارے میں ہم نے تسکین الصدور میں قدرے بسط سے بحث کر دی ہے۔ ملاحظہ کر لیں۔ اجمالی طور پر بعض اعمال کے عرض سے تمام اعمال کا عرض ثابت کرنا قطعاً باطل ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ صوفی صاحب نے ص۱۰۲ میں وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ سے عرض اعمال پر استدلال کیا ہے مگر وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ معاملہ صرف آپ کی زندگی کا تھا۔ بعد از وفات اس سے عرض اعمال پر استدلال غلط ہے۔ ازالۃ الریب میں اس کی بقدر ضرورت بحث دیکھ لیں۔ اجمالی طور پر عرض اعمال کا ثبوت بعض احادیث و آثار اور عبارات حضرات فقہاء کرام رح، محدثین عظام رح اور صوفیاء نیک انجام سے ہے، وہ اپنے مقام پر صحیح اور درست ہے (تسکین الصدور دیکھئے) صوفی صاحب نے ص۱۰۲ میں عزیز علیہ ما عنتم سے بھی مشاہدہ اعمال اور عرض اعمال پر استدلال کیا ہے لیکن بالکل بے سود اور بے جا ہے۔ اس کا عرض اعمال کے مضمون سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس میں تو صرف اس کا بیان ہے کہ تمھاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ آپ کے دل میں موجود ہے اور آپ نے اس کے بیان اور تبلیغ میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا، اور یہ کارروائی آپ کی زندگی میں ہوئی۔ چنانچہ اس کے بعد ارشاد یہ ہے: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ الآیۃ یعنی اگر یہ لوگ آپ کی صحیح بات سے اعراض کریں تو آپ کہہ دیں مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اھ۔ الغرض اس کا عرضِ اعمال کے مسئلہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس غیر متعلق آیت سے مشاہدۂ اعمال یا عرضِ اعمال پر استدلال

صوفی صاحب اور ان کے ہم مشرب غالیوں کی ایجاد ہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا

نکلتا ہے اُف کچھ کا کچھ تیرے مُنہ سے
تو کہتا ہے کیا اور کیا چاہتا ہے

درماندگی تبرید النواظر میں ہم نے فریق مخالف کو یہ دعوتِ فکر دی تھی کہ جیسے ہم نے مجلسِ نکاح میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے اور علمِ غیب جاننے کے دعویٰ کی تکفیر بحوالہ حضرات فقہاء کرام سے نقل کی ہے۔ آپ یہ نقل کریں کہ جو شخص آپ کو مجلسِ نکاح میں حاضر وناظر تسلیم نہیں کرتا، وہ کافر ہے۔ (محصلہ) صوفی صاحب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم بات کو طول نہیں دیتے، صرف اتنا عرض کر دیتے ہیں کہ خان صاحب صرف اتنا کہہ دیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام شاہد نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعض علوم غیبیہ پر اطلاع (جس میں ماکان ومایکون داخل ہے) نہیں دی، پھر دیکھیں کہ کتنی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔ فقہاء کرام کوئی خان صاحب کی مانند نہیں ہیں وہ جانتے ہیں کہ حکمِ تکفیر کہاں کہاں جاری ہوتا ہے۔ (بلفظہ ص۱۰۳)۔

الجواب: اس عبارت میں صوفی صاحب کا عجز وقصور اور درماندگی ملاحظہ فرمائیں صوفی صاحب! آپ کو لمبی عبارتیں پیش کر کے تطویل کی تکلیف نہیں دی گئی۔ آپ کم از کم دو معتبر اور مستند فقہاء کرامؒ کا صرف یہ حوالہ پیش کر دیں: لو تزوج بغیر شہادۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اگر کسی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجلسِ نکاح میں گواہ بنائے بغیر نکاح کیا تو وہ کافر ہے) آخر اس میں کتنی اور کون سی طوالت ہو جاتی ہے؟ مطالبہ آپ سے اور آپ کی جماعت سے صرف اِس کا ہے۔ باقی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد وشہید تسلیم کرنا تو ہمارا ایمان ہے کہ آپ کے بارے میں یہ دونوں لفظ قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن ان سے حاضر وناظر اور عالم الغیب مراد لینا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ، اجماعِ امت اور حضرات فقہاء کرامؒ کی واضح تصریحات کی رُو سے باطل اور مردود بلکہ کفر ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

لئے بعض علومِ غیبیہ پر اطلاع کے بھی قائل ہیں اور یہ اخبار الغیب اور ابناء الغیب کی مد میں ہیں لیکن مجلسِ نکاح میں آپؐ کے حاضر ہونے اور اس کے بارے میں آپؐ کے علم کی جزئی ہرگز ان ابناء الغیب اور بعض علومِ غیبیہ میں داخل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہرگز ذمہ دار حضرات فقہاء کرامؒ اور علی الخصوص ان میں متقدمین جن کا علم اور ورع اور خدا خوفی ایک مسلّم حقیقت ہے، ہرگز ایسے شخص کی تکفیر نہ کرتے۔ رہی بعض متأخرین کی تاویل، تو وہ سراسر بعید ہے پھر بھی وہ بمد عرض اعمال ہے جس کی نوعیت ہی الگ اور جدا ہے۔ آخری خط کشیدہ عبارت میں حتوفی صاحب نے دبی زبان سے یہ تسلیم کیا ہے کہ فقہاء کرامؒ سے اس موقع پر تکفیر کا تلاش کرنا کبریت احمر کے مترادف ہے جیسا کہ اہلِ علم اور اہلِ ذوق اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

؎

اے دِل ہوس وصال کی وہم وخیال ہے

تو اُس کو چاہتا ہے جو اَمرِ محال ہے

اَرواحِ مشائخؒ

تبرید النواظر میں بحر الرائق وغیرہ کے حوالہ سے یہ لکھا تھا کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی رُوحیں حاضر ہیں اور جانتی ہیں تو وہ کافر ہے۔ حتوفی صاحب لکھتے ہیں۔" اس عبارت کی بہت سی توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ارواح المشائخ جملہ اسمیہ ہے جو کہ دوام پر دلالت کرتا ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ بھی مفہوم ہے اور جمیع مشائخ بھی مُراد ہیں۔ سو وجہ تکفیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یعلم مستقرھا ومستودعھا یعنی اللہ جانتا ہے اس کی جگہ حیات میں اور مابعد الموت کے، لہٰذا قائل ایک ایسی بات کا دعویٰ کرتا ہے جو مغیبات میں سے ہے۔ لیکن اس عبارت کو اس بات پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کی بھی رُوح مبارک کسی وقت کسی جگہ بھی حاضر نہیں ہوسکتی۔ مشارق الانوار ص۹۱ پر علامہ حسن العدوی الحمزاوی فرماتے ہیں۔ پس بیشک اولیاء کی ارواح کے لئے عالمِ برزخ میں آزادی ہے بلکہ اُن کے اجسام کے لئے بھی، جیسا کہ تحقیق فرمائی عمدۃ المحدثین اور لیث العارفین جو ملتے تھے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حالتِ بیداری میں،

محقق سیدی عبداللہ بن جمرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین"۔ انتہیٰ بلفظہ (ص ۱۰۳ و ص ۱۰۴)

الجواب :۔ اس عبارت میں صوفی صاحب کے ساتھ علمی طور پر بہت سی باتوں میں مناقشہ ہو سکتا ہے لیکن ہم ان کی بات پر صاد کہتے ہیں۔ اس عبارت میں اُنھوں نے صاف طور پر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ارواح مشائخ رم ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے اور وجہ تکفیر یہ بیان کی ہے کہ یہ نظریہ قرآن کریم کی آیت کریمہ سے متصادم ہے اس لئے کفر ہے ہاں اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ احیاناً کسی بزرگ کی روح کسی جگہ حاضر ہو جائے تو اس کی نفی نہیں ہوتی (مگر اس کے اثبات کے لئے بھی کوئی صحیح دلیل درکار ہے جو ندارد۔ صفدر) آگے جو عبارت صوفی صاحب نے مشارق الانوار کی نقل کی ہے وہ صوفی صاحب کو مفید نہیں ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ حضرات اولیاء رم کے لئے عالم برزخ میں آزادی ہے اور نزاع ان کی ارواح کے دنیا میں حاضر ہونے نہ ہونے کا ہے۔ لہٰذا یہ حوالہ بھی ان کو ہرگز مفید نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صوفی صاحب نے ترجمہ کرتے وقت جہالت یا خیانت کا ثبوت بھی دیا ہے کیونکہ اصل عبارت میں بل لاشباحھم (بلکہ ان کی اشباح و امثال کے لئے بھی) کے الفاظ ہیں۔ اجسام کے ساتھ اس کا ترجمہ کرنا نری جہالت یا خیانت ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ مثالی صورتوں کے ساتھ ملاقات خواب میں تو کیا بیداری میں بھی درست ہے مگر اس کا مسئلہ حاضر و ناظر سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔

بذاتِ خود حاضر و ناظر ہونا

خان صاحب نقل کرتے ہیں کہ کیا یہ گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک جگہ موجود تھے باقی جگہ مثالیں؟ حاشا بلکہ شیخ بذاتِ خود ہر جگہ موجود تھے اسرار باطن فہم ظاہر سے وراء ہیں۔ خوض و فکر بے جا ہے۔ بلفظہ۔ (ملفوظات حصہ اول ص ۱۲۱ و طبع جدید ص ۱۲۸) اس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوا کہ امثال نہیں بلکہ بذاتِ خود بزرگ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اس لئے حضرات صوفیاء کرام رم کی صور مثالیہ سے اُن کو کوئی فائدہ نہیں۔

باب ششم

صوفی صاحب نے اس باب میں بزعمِ خامِ خویش مسئلہ حاضر و ناظر کو بلا دلیل ثابت کرنے کا بیڑہ اُٹھایا ہے اور نصِ ٹھوس اور قطعی الدلالۃ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے۔ بس انہی دلائل کا سہارا لیا ہے جو ان کے بڑے پیش کرتے آئے ہیں اور تبرید النواظر میں بحمد اللہ تعالیٰ ان کے دندان شکن جوابات دیئے گئے ہیں مگر صوفی صاحب ان سب سے لاجواب ہو کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر گئے ہیں اور کسی دلیل کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے۔ بس مُفت میں مورچہ فتح کرنے اور اپنے ناخواندہ حواریوں سے دادِ تحسین حاصل کرنے کے لئے چند صفحات ضرور سیاہ کئے ہیں۔ اس باب میں انھوں نے جو استدلالات کئے ہیں، اُن کا نہایت اختصار کے ساتھ تجزیہ اور ان کے جوابات بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ عوام کو مغالطہ نہ لگے اور صوفی صاحب کے دل میں بھی ارمان نہ رہے۔

(۱) وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ اور وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا میں لفظ شہید سے، اور إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا اور إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا میں لفظ شاہد سے حاضر و ناظر پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "تمام عربی لغات میں شاہد شہید کا معنیٰ گواہ دیکھنے والا ہی کیا گیا ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حاضر ہونا اور گواہی کے معنی موجودگی بمعہ مشاہدہ ہے اور مشاہدہ خواہ بصر سے ہو یا بصیرت سے (مفردات امام راغب ص۲۲۹) پھر فرماتے ہیں۔ موجودگی میں صرف حاضر ہونا ہی اولیٰ ہے (مفردات امام راغب ص۲۲۹) ثابت ہوا کہ گواہی میں اولیٰ اور افضل گواہی مع المشاہدہ ہی ہے اور یہ اصل معنی ہیں شہید کے اور شہادت بالتسامع اس سے کم مقام رکھتی ہے۔" (ص۱۰۶)

(۲) فقہاء کرام نے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں۔ فقیہ شمس الدین بن محمد خراسانی؟

فرماتے ہیں۔ شہید یا شہود بمعنی حاضر سے ہے۔ شہادت بمعنی حاضر مع المشاہدہ سے ہے۔ مشاہدہ خواہ بصر سے ہو یا بصیرت سے (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۹) پھر فرماتے ہیں۔ شہادت بمعنی مشاہدہ حاضر ہونے کو کہتے ہیں جیسا کہ مفرداتِ امام راغب میں ہے (جامع الرموز ج ۲ ص ۲۸۲) دُرِ مختار میں ہے۔ تحمل شہادت کی تین شرطیں ہیں۔ وقت تحمل عقل کا مل ہونا اور بصر کا ہونا (یعنی اندھا نہ ہو) اور مشہود بہ معائنہ کرنا۔ مگر ان بعض امور میں جن سے تسامع سے شہادت ثابت ہو جاتی ہے (در مختار کتاب الشہادۃ) پھر فرماتے ہیں۔ اس بات پر اجماع ہے کہ بغیر معائنہ کے گواہی نہ دی جائے مگر دس امور ایسے ہیں کہ ان میں گواہی سُنی سُنائی بھی مقبول ہے۔ اور قدوری ص ۲۱۶ میں ہے کہ نابینا کی گواہی مقبول نہیں۔

فقہاء اکرام کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ گواہی میں اصل حاضری بمعہ معائنہ ہی ہے اور یہ گواہی ہر باب میں مقبول ہے بخلاف سُنی ہوئی گواہی کے، کیونکہ وہ چند بابوں میں مقبول ہے باقی سب میں مردود ہے۔ اور خان صاحب خود تحریر فرماتے ہیں کہ قدوری میں ہے کہ گواہ کے لئے درست نہیں کہ بن دیکھے کسی چیز کی شہادت دے مگر نسب، موت، نکاح، جماع، قاضی اور رج کی تقرری کی شہادت بن دیکھے بھی درست ہے۔ (تبرید النواظر) اور پھر لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یعنی جو چیز کہ تواتر کی وجہ سے مشہور ہو جائے یا کسی ثقہ اور معتبر نے خبر دی ہو تو شاہد کو جائز ہے کہ گواہی دے (تبرید النواظر) ان مذکورہ حوالوں سے بھی ثابت ہے کہ سُنی سُنائی گواہی کا مقام جواز ہی کا ہے اور افضل و اولیٰ گواہی بمعہ معائنہ ہی ہے۔ (ص ۱۰۷ و ص ۱۰۸)

(۳) سو جب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شاہد ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے تو جزوی واقعات خواہ کیسے ہی ہوں ان کے ساتھ قرآن مجید سے معارضہ درست نہیں۔ خان صاحب کو چاہیے کہ جس طرح اہل سُنت کے پاس قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیلیں موجود ہیں، اسی طرح وہ بھی مقابلہ میں قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلائل پیش کریں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شاہد

نہیں ہیں۔ واقعات سے کھینچا تانی کرکے ہرگز آپ کامیابی کا منہ نہ دیکھیں گے (ص۱۰۸)۔

(۴) اور قرآن کریم کی آیت لتکونوا شھداء علی الناس۔ جو کہ صحابہ کے بارے میں ہے یہ بھی ہمارے خلاف نہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی کی یہ گواہی شہادت بالتسامع کے قبیل سے ہے۔ اس سے شہادت کا مفہوم اصلی مراد لینا محض نادانی ہے کیونکہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرام رض انبیاء سابقین کے وقت موجود نہ تھے لہٰذا یہ شہادت مع المشاہد کیسے ہوسکتی ہے؟ اور منکرین تبلیغ کا روز قیامت صحابہ رض پر سوال کرنا کہ تم تو ہمارے وقت میں موجود ہی نہ تھے تو گواہی کیسی اور اللہ تعالیٰ کا منکرین کی اس جرح کو مقبول رکھتے ہوئے صحابہ رض سے اپنی سچائی پر گواہی کا مطالبہ کرنا یہ اس وقت کا بیّن ثبوت ہے کہ گواہی میں حاضری بمعہ معائنہ ہی اصل ہے ورنہ منکرین کو جرح کا موقع ہی نہ دیا جاتا یا ان کی جرح کو مسترد کیا جاتا لہٰذا لتکونوا شھداء علی الناس کے ساتھ معارضہ بے شعوری ہے (ص۱۰۹)

(۵) اور حضرت خزیمہ رض بن ثابت کا واقعہ بھی خانصاحب کو مفید نہیں کیونکہ حضرت خزیمہ رض کی شہادت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ بم تشہد تم کیسے شہادت دیتے جب تم وقت بیع موجود ہی نہ تھے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ گواہی میں اصل حضور مع المشاہدہ ہی ہے۔ پس بحمداللہ تعالیٰ قرآن، حدیث شریف، فقہاء اکرام کے اقوال سے ثابت ہوگیا کہ گواہی میں اصل موجودگی بمعہ معائنہ ہی ہے۔ اس اصل مفہوم کے اعتبار سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت مع المشاہدہ ثابت ہوئی کیونکہ اصل سے عدول بلاوجہ ہرگز ہرگز جائز نہیں جب تک کوئی دلیل قطعی اور قطعی الثبوت ہمیں مفہوم اصلی سے عدول پر مجبور نہ کرے، ہرگز عدول نہ کیا جائے گا۔ لفظ شاہد جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے آیا، اس لفظ کو اپنے اصل معنوں پر قائم رکھنے سے نہ تو کوئی دلیل قطعی مانع ہے اور نہ ہی کوئی محال لازم آتا ہے (ص۱۰۹)۔

الجواب:۔ صوفی صاحب نے تنکوں کا پل بنا کر اس پر سے عوام کو گزارنے کی جو

ناکام اور بے بنیاد سعی کی ہے اس کی حقیقت بھی دیکھتے جائیے۔ ہم ترتیب وار ان کے استدلالات کے جوابات عرض کرتے ہیں۔

نمبر (۱)۔ ان آیاتِ کریمات میں لفظ شاہد وشہید سے مخلوق اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں حاضر و ناظر مراد لینا نہ صرف یہ کہ قطعاً باطل اور مردود ہے اور قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیثِ صحیحہ اور حضرات فقہاء کرام کے صریح فتویٰ کے بالکل خلاف ہے بلکہ قرآن کریم کی صریح تحریف ہے جو سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔ ہم نے تبرید النواظر میں لفظ شاہد اور شہید سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی اور تردید میں قرآن کریم کی متعدد نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ پیش کی ہیں مگر صوفی صاحب ان کا جواب بالکل نہیں دے سکے، اور شیرِ مادر سمجھ کر ان سب کو غٹ غٹ کر کے پی گئے ہیں۔ امام راغبؒ کا حوالہ ہمیں ہرگز مضر نہیں بلکہ ہمارا مؤید ہے نکہ انھوں نے مشاہدہ کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ ایک بالبصر یعنی آنکھ سے دیکھنا اور دوسری رت یعنی دل سے مشاہدہ کرنا جس کا نام علم ہے۔ لیکن چونکہ صوفی صاحب بصیرتِ علمی سے یکسر محروم ہیں اس لئے مشاہدہ بالبصیرت کو نہیں سمجھ سکے۔ اور صراح کے حوالہ سے ہم نے تبرید النواظر میں مشاہدہ بالبصیرت کے معنی دانستن عرض کر دیئے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ (عام اس سے کہ وحی جلی ہو یا وحی خفی) کسی چیز کا علم اور بصیرت عطا فرما دی تو وہ اخبار الغیب اور ابناء الغیب کی مد میں شامل ہو گئی، اس کا کون مسلمان منکر ہے؟ امام راغبؒ نے اپنے مقام پر جو حاضر ہونا اولیٰ لکھا ہے تو کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بغیر مشاہدہ کے کسی مقام میں بھی گواہی جائز نہیں؟ یہ کہاں سے ثابت ہوا؟ صوفی صاحب ٹھوکریں مت کھائیے۔ آپ کو کتبِ لغت سے یہ ثابت کرنا ہے کہ شاہد اور شہید کا معنیٰ (خصوصاً مخلوق کے بارے میں) بغیر حاضر و ناظر کے آتا ہی نہیں ہے۔ اسی طرح صوفی صاحب کا امام راغبؒ کی عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ گواہی میں اولیٰ اور

افضل گواہی مع المشاہدہ ہی ہے، اُن کو کسی طرح سُود مند نہیں ہے کیونکہ یہ الفاظ صاف طور پر بتلاتے ہیں کہ بدون مشاہدہ کے بھی گواہی اور شہادت جائز اور صحیح ہے اور ہمارا مدعی اسی سے ثابت ہو جاتا ہے مزید کاوش کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ پھر صوفی صاحب نے شہادت بالتسامع کو گواہی مع المشاہدہ سے کم درجہ جو کہا ہے اس سے اُن کی کیا مراد ہے؟ کیا عام سچے ثقیوں کی شہادت اور گواہی مراد ہے؟ اگر ایسا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم پر اس سے کیا زد پڑتی ہے؟ اور اگر اس سے اُن کی مراد یہ ہو کہ آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شہادت بالتسامع مشاہدہ سے کم درجہ رکھتی ہے تو یہ اُن کی بڑی حماقت اور نادانی ہے اس لئے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے خبر دی تو اللہ تعالیٰ کی اس خبر میں جو قطعی اور یقینی ہے، مشاہدہ سے کیا کمی واقع ہو گئی ہے کہ اس کو گواہی مع المشاہدہ سے کم درجہ قرار دیا گیا ہے؟ الغرض صوفی صاحب کا یہ استدلال بالکل لایعنی اور بے کار ہے اس میں رتی بھر وزن نہیں ہے البتہ فہم درکار ہے جس سے وُہ محرُوم ہیں۔

نمبر (۲)۔ جامع الرموز اور در مختار وغیرہ کے جملہ حوالے ہمارے مؤید ہیں۔ ان میں شہادت بالبصیرت یعنی علمی شہادت مصرح ہے اور دُرِ مختار میں شہادت بالتسامع کا بھی واضح ثبوت ہے اور ہدایہ کی عبارت تو اور واضح ہے۔ حضرات فقہاء کرام رہ کی ان عبارات میں تصریح ہے کہ گواہی معائنہ ہی میں منحصر نہیں ہے۔ اور خود صوفی صاحب بھی لکھتے ہیں کہ سُنی سُنائی گواہی کا مقام جواز ہی کا ہے الخ۔ جب بغیر مشاہدہ کے گواہی جائز ہے تو شہادت میں حاضر ہونا حتمی طور پر ضروری تو نہ ہوا اور ہمارا مدعیٰ اس سے بلا تکلف اور بلا شبہ ثابت ہے باقی شہادت بالتسامع وہاں مردُود ہے جہاں خبر قطعی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خبر بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی گئی اس کے قطعی ہونے میں کیا شبہ ہے؟ لہٰذا آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی جو خبر ملتی رہی وُہ یقیناً قطعی ہے اور شہادت بالتسامع کی اس

مد میں ہرگز داخل نہیں ہے جو مردود ہے۔ اس سلسلہ میں نبی اور غیر نبی کا فرق ملحوظ نہ رکھنا بڑا تنفقہ ہے اور نابینا کی گواہی بھی مطلقاً مردود نہیں بلکہ وہاں مردود ہے جہاں شبہ پیدا ہوتا ہو۔ مثلاً حدود و قصاص وغیرہ۔ باقی نسب اور موت میں نابینا کی شہادت بالتسامع حضرت امام زفر رح کے نزدیک مطلقاً قبول ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رح کی ایک روایت بھی یہی ہے (ہدایہ ج ۲ ص ۱۵۹) اور شہادت علی المیت کہ فلاں شخص کا اس کے ذمہ اتنا قرض ہے بالاتفاق جائز ہے (حاشیہ ہدایہ ص ۱۵۹) اس کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر نابینا کی گواہی سنی سنائی باتوں میں درست اور صحیح ہے۔

نمبر (۳) :۔ قرآن کریم میں لفظ شاہد و شہید سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر مراد لینا سو فیصدی باطل اور قرآن کریم کی خالص تحریف ہے۔ ان الفاظ کا یہ قرآن کریم میں موجود ہونے کے ثبوت تو یقیناً قطعی ہے لیکن حاضر و ناظر کے معنی پر ان کی دلالت قطعی تو کیا ہوتی، ظنی بھی نہیں، بلکہ خالص تحریف ہے، جو بالکل مردود ہے۔ اور جو واقعات ہم نے قرآن کریم سے حاضر و ناظر کی نفی پر پیش کئے ہیں وہ قطعی الثبوت تو ہیں ہی قطعی الدلالت بھی ہیں۔ کھینچا تانی نہیں ہے۔ ان کا انکار کرنا خالص کفر ہے۔ باقی صوفی صاحب کا یہ لکھنا کہ اہل سنت کے پاس قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیلیں موجود ہیں، ایک بے بنیاد دعویٰ اور خالص سینہ زوری ہے۔ صوفی صاحب کو کان کھول کر سن لینا چاہیئے کہ حتماً زعمہ فیما مسئلہ حاضر و ناظر کے سلسلہ میں صوفی صاحب اور ان کی پوری جماعت کے پاس ایک دلیل بھی قطعی الدلالت نہیں ہے چہ جائیکہ دلیلیں ہوں۔ اور خالص شرک کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ اس کا ثبوت قطعی ہے، اسلام کی بنیادوں کو گرانے کے مترادف ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) صوفی صاحب نے طوطے کی طرح قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ کے الفاظ تو رٹے ہوئے ہیں مگر ان کے معنی اور ان کے بارے میں علمی اصطلاحات سے بالکل نابلد ہیں اگر لفظ شاہد و شہید سے حاضر و ناظر اور علم غیب کا مسئلہ ثابت ہوتا تو حضرات فقہاء کرام رح

کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ اس کے قائل کی بلا جھجک تکفیر کرتے ہیں کیا قرآن کریم سے ثابت شدہ قطعی الدلالت مسائل میں بھی حضرات فقہاء کرام رحمہ تکفیر کی مشق کیا کرتے تھے؟

نمبر (۴) :۔ لتکونوا شہداء علی الناس کے بارے میں صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شہادت بالتسامع ہی ہے کیونکہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضہ انبیاء سابقین کے وقت موجود نہ تھے لہٰذا یہ شہادت مع المشاہدہ کیسے ہو سکتی ہے؟ ہم نے بفضلہ تعالیٰ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نصوص سے تبرید النواظر میں (جن کا جواب صوفی صاحب کے بس کا روگ نہیں اور وہ ان دلائل سے نظر بند کر کے بھولے بگلے کی طرح چپ سادھ بیٹھے ہیں) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وقت موجود نہ ہونے کی پیش کر چکے ہیں مثلاً وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ الآیۃ یعنی اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھا جب حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے قلمیں ڈالیں۔ اور مثلاً یہ کہ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ الآیۃ یعنی تو اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھا جب حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ایک منصوبہ تیار کیا تھا اور مثلاً یہ کہ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی تو اس وقت مغربی کنارے پر نہ تھا جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور تو وہاں حاضروں میں نہ تھا۔ اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ اسکی وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت موجود نہ تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ کی تصریح موجود ہے۔ قرآن کریم تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت شاہد اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی کرتا ہے اور صوفی صاحب اور ان کی جماعت اثبات کرتی پھرتی ہے اور پھر وہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیلیں

موجود ہیں۔ اور یہ دعویٰ کرتے وقت ذرہ بھر شرم اُن کو نہیں آتی۔ ؏

شرم اُن کو مگر نہیں آتی

رہا صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ گواہی میں حاضری بمعہ معائنہ ہی اصل ہے ورنہ منکرین کو جرح کا موقع ہی نہ دیا جاتا یا ان کی جرح کو مسترد کیا جاتا لہٰذا لتکونوا شھداء علی الناس کے ساتھ معارضہ بے شعوری ہے۔ صوفی صاحب بندۂ خدا! کوئی بات تو ہوش و شعور کی کیا کیجئے یا آپ نے بے شعوری کا ٹھیکہ ہی اُٹھالیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے منکرین کو جرح کا موقع اِس لئے دیا ہوگا کہ ان کے دِلوں میں حسرت و ارمان باقی نہ رہے اور اُن کا مجرم اور منکر ہونا علیٰ رؤس الشہاد واضح ہو جائے کہ ہزارہا سال بعد آنے والی اُمت بھی اُن کی تکذیب اور انکار کو جانتی ہے اور کتب الٰہی اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ذریعہ اُن کو کھلی خبر ملی ہے جس پر یقین رکھتے ہوئے وہ شہادت دے رہی ہے اور اس میں یہ بھی متعین کر دیا گیا ہے کہ یہ شہادت بالتسامع کی مد میں ہے، مشاہدہ کی مد میں نہیں ہے۔ مگر ہے بہر کیف اور بہر حال اور بہر صورت شہادت ہی۔ الغرض صوفی صاحب کا ایک ہی آیتِ کریمہ میں لفظ شہید سے اپنی ہوس کی خاطر حاضر و ناظر کا معنیٰ لینا اور اسی آیت میں شہداء علی الناس سے شہادت بالتسامع مُراد لینا بڑا تحکم اور بلا دلیل ہے جو علمی دُنیا میں مسموع تو کیا قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر دیکھنے کے جب اِس اُمت کی گواہی کو شہادت سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کو معتبر قرار دیتے ہوئے انکی شہادت پر پہلی اُمتوں کی قسمت کا فیصلہ صادر فرمائیں گے تو یہ اس بات کی قطعی اور نا قابلِ تاویل دلیل ہے کہ اپنے مقام پر الشہادۃ بالتسامع بھی معتبر اور حجت ہے اور وہ شہادت مع المشاہدۃ سے کسی طرح کم نہیں ہے مگر یہ باتیں تو علم و شعور سے تعلق رکھتی ہیں اور خیر سے اِسی گراں مایہ دولت کی صوفی صاحب اور ان کی جماعت کے حضرات کے پاس کمی ہے ورنہ وہ کیوں شرک و بدعت کے اثبات کے درپے ہوتے۔

نمبر (۵) :- حضرت خزیمہ رضؓ بن ثابت کی شہادت کا جو جواب صوفی صاحب نے دیا وہ انتہائی مضحکہ خیز ہے، جو اُن کی ہٹ دھرمی کا رونا رو رہا ہے کیوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی بن دیکھے گواہی کو شہادت قرار دیا تو یہ اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ مشاہدہ کے بغیر بھی شہادت درُست ہے - باقی آپ نے جب اُن سے یہ فرمایا بم تشهد یعنی جب تو موقع پر نہ تھا تو کیسے شہادت دیتا ہے؟ تو انھوں نے جواب میں یہ فرمایا کہ حضرت آپ سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے؟ جب آپ فرماتے ہیں تو یہ معاملہ بالکل حق اور صحیح ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی الشہادۃ بالتسامع کو معتبر سمجھا اور ان کی اس صدق نیت کی وجہ سے تنہا اُن کی گواہی کو دو شہادتوں کے قائم مقام قرار دیا گیا - آپ کا ان سے بم تشهد سے سوال اس لئے نہ تھا کہ اُن کی شہادت معتبر نہیں یا الشہادۃ بالتسامع شہادۃ نہیں ہوتی بلکہ شہادت کی وجہ، جہت اور شق متعین کروانی تھی سو حضرت خزیمہؓ نے اپنی شہادت کو الشہادۃ بالتسامع کی مد میں رکھ کر بات متعین کر دی اور اُن کی شہادت حجت اور معتبر قرار پائی - الغرض لفظ شاہد و شہید سے حاضر و ناظر کا معنی لینا قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ اور احادیثِ صحیحہ کے خلاف اور حضرات فقہاء کرام رحؒ کے صریح فتووں کے رُو سے کفر ہے اور یہ معنیٰ مُراد لینا نصوص قطعیہ سے متعارض ہے - اور خدا تعالیٰ کے کلام میں تعارض محال ہے - اور نصوصِ قطعیہ صریحہ اس کُفریہ معنی کے لینے سے قطعًا مانع ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قطعی خبر پر یقین رکھتے ہوئے خبر دینا بھی اصل شہادت ہے اور اس میں کسی اصل سے عدُول و اعراض لازم نہیں آیا - یہ سب کچھ صوفی صاحب اور اُن کے ہمنوا بدعت پسند حضرات کی خانہ زاد اختراع ہے کہ اس کو عدُول پر محمول کرتے ہیں نعوذ باللہ تعالیٰ من سوء الفہم

ے وکم من عائب قولا صحیحا وآفتہ من الفہم السقیم

الغرض قرآن کریم میں لفظ شاہد ہو یا شہید ہو یا کوئی اور لفظ ہو - ان میں سے کسی لفظ سے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ہرگز ہرگز مُراد نہیں اور نہ یہ ثابت ہے

اور نہ ثابت ہو سکتا ہے ہاں البتہ سینہ زوری اور دھڑے بندی کا معاملہ ہی الگ ہے۔

پہلا قیاسی شگوفہ مؤلف صاحب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر یوسف بن اسمٰعیل النبہانی کی کتاب جواہر البحار ج ۲ ص۱۱۱ کے حوالہ سے علامہ نور الدین حلبی رح (المتوفی ۱۰۴۴ھ) سے نقل کیا ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے بھی دیکھا پھر بیت المقدس میں بھی دیکھا کہ انھوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ پھر چوتھے یا کسی اور آسمان میں بھی دیکھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ سے کم رتبہ ہو کر متعدد جگہوں میں موجود ہو سکتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں ہر جگہ موجود نہیں ہو سکتے؟ (محصلہ ص۱۱۰ و ص۱۱۱)۔ اور اس کو انھوں نے حاضر و ناظر ہونے کی عقلی صورت اور دلیل قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص۱۱۰)۔

الجواب: یہ استدلال سراسر باطل و مردود ہے اولاً اس لئے کہ عقیدہ کے مسئلہ میں قیاس بے کار اور فضول ہے وثانیاً یہ قیاس نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے بالکل خلاف ہونے کی وجہ سے کلیتہً مردود ہے وثالثاً اگر بالفرض یہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ سے متصادم نہ بھی ہوتا تب بھی حضرات فقہاء کرام رح کے صریح اقوال اور واضح فتوؤں کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل توجہ ہی نہیں ورابعاً حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر مبارک میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ موجود تھے اور آسمانوں میں آپ کی روح مبارک یا جسدِ مثالی تھا اور اسی طرح بیت المقدس میں ایک توجیہ کے مطابق آپ کی روح مبارک آپ کے جسم مبارک کی شکل میں متشکل ہو کر حاضر تھی اور دوسری توجیہ کے موافق اگرچہ آپ کے جسم مبارک کو بقیہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کے لئے خرق عادت کے طور پر حاضر کیا گیا تھا لیکن اس وقت آپ کا جسم مبارک قبر شریف میں نہ تھا۔ من ادعیٰ

ملاف فعلیه البیان بالبرهان جب حضرت مُوسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم مبارک کے ساتھ متعدد جگہ حاضر ہونا ہی ثابت نہیں تو اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ جسم مبارک کے ساتھ حاضر و ناظر ہونے کا قیاس اور استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

حافظ ابن حجرؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) حدیث کأنی انظر الیہ (یعنی گویا کہ میں حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں) کی شرح میں کئی توجیہات بیان کرتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ

ان المنظور الیہ ھی ارواحھم فلعلّھا مُثّلت لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الدنیا کما مُثّلت لہ لیلۃ الاسراء واما اجسادھم فھی فی القبور قال ابن المنیر وغیرہ یجعل اللہ لروحہ مثالاً فیری فی الیقظۃ کما یریٰ فی النوم اھ. (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۶ طبع مصر وفتح الملھم ج ۱ ص ۳۳۲)

بے شک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو دکھائی گئی تھیں وُہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رُوحیں تھیں شاید کہ وُہ آپ کے سامنے اسی طرح مثالی صُورت میں پیش کی گئی ہوں جیسے معراج کی رات آپ کے سامنے مثالی طور پر پیش کی گئی تھیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ قبروں میں تھے۔ علامہ ابن مُنیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی رُوح کی ایک مثال بنا دیتا ہے تو وُہ بیداری میں بھی دیکھی جاتی ہے جیسا کہ نیند میں دیکھی جاتی ہے۔

جن ثقہ اور قابل اعتماد بزرگانِ دین سے یہ منقول ہے کہ اُن کو بیداری میں کئی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہُوئی۔ اُن کا دعویٰ بلاشبہ صحیح ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ کے حوالہ سے یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ بسا اوقات صاحبِ مثال کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہماری کوئی مثال بنائی گئی ہے اور وُہ کہاں ہے؟ اور وُہ کیا کرتی اور کیا بولتی ہے؟ ایسے حوالوں اور ایسی مثالوں سے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر استدلال کرنا اور پھر یہ بے بنیاد دعویٰ کرنا کہ وُہ اپنے جسم مبارک کے ساتھ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، علمی دُنیا

اور اصطلاحاتِ تصوف کے پیشِ نظر پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا ؎

میری شوریدگی پر چارہ گر تجھ کو تحیر ہے!
نہیں دیکھیں جمالِ یار کی نیرنگیاں تونے

دوسرا قیاسی شگوفہ

صوفی صاحب جواہر البحار ج ۲ ص۱۱۶ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ قبر میں جب دو فرشتے میت سے سوال کرنے آتے ہیں تو اس وقت میت سے وہ ما تقول فی ھذا الرجل کے الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور لفظ ھذا کے ساتھ حاضر ہی کو اشارہ کیا جاتا ہے اور یہی اس کے حقیقی معنی ہیں اور حقیقت کو چھوڑ کر حاضر فی الذہن کا مجازی معنی لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ پس واجب ہے کہ آپ اپنے جسمِ مبارک سے ہی حاضر ہوتے ہیں اس میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں۔ نیز صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ جب فرشتے بے شمار قبروں میں موجود ہوتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا کیسے محال ہے اور ان دونوں نقلی دلیلوں کا کوئی اہلِ علم نافع اور صاحبِ عقلِ سلیم انکار نہیں کر سکتا۔ (محصلہ ص۱۱۱ و ص۱۱۲)۔

الجواب:۔ پہلے قیاسی شگوفے کے جواب میں جو اہم باتیں ہم نے عرض کی ہیں وہ سب اس میں بھی ملحوظ رکھیں اور اس پر مستزاد یہ کہ تبرید النواظر میں ٹھوس عقلی اور نقلی دلائل سے ہم نے ہذا الرجل کی مدلل بحث کی ہے، اور متعدد جوابات عرض کئے ہیں مگر صوفی صاحب کبوتر کی طرح عاجز ہو کر سب سے آنکھیں بند کر گئے ہیں اور شیرِ مادر سمجھ کر سب کو پی گئے ہیں۔ ہم قارئینِ کرام سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ تبرید النواظر میں اس کی مکمل بحث ٹھنڈے دل سے ملاحظہ فرمالیں کہ اس حدیث میں عقلی اور نقلی طور پر ھذا کا معنیٰ بغیر حاضر فی الذہن کے اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور حافظ ابنِ حجرؒ سے منقول حوالے بھی ملاحظہ کر لئے جائیں جن کو صوفی صاحب بالکل ہڑپ کر گئے ہیں۔ اور ہم نے واضح حوالوں

سے یہ بات عرض کر دی ہے کہ اس مقام پر ہذا الرجل سے جسم مبارک کے ساتھ حاضر ہونا قطعاً بے بنیاد ہے اور علمی قاعدہ ہے کہ حقیقی معنیٰ متعذر ہوں تو مجازی معنیٰ ہی متعین ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا حاضر و ناظر کے مسئلہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ بڑے دعویٰ سے کیا بنتا ہے؟ اصل کتاب تبرید النواظر میں اس پر مدلل بحث موجود ہے۔ صوفی صاحب نے تغافلِ مجرمانہ کرتے ہوئے اس سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ رہا منکر و نکیر کے اموات کے پاس حاضر ہونے کا مسئلہ تو اس سے بھی اُن کا استدلال صحیح نہیں ہے اوّلاً اس لئے کہ یہ صرف دو ہی فرشتے نہیں جو تمام مُردوں کے پاس حاضر ہوتے ہوں بلکہ کافروں کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں اور مومنوں کے پاس مبشر اور بشیر آتے ہیں (ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۰ و شرح الصدور ص ۱۰ للسیوطی رح و تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۶۲)۔ وثانیاً امام جلال الدین سیوطی رح امام قرطبی رح کے حوالہ سے یہ بھی نقل کرتے ہیں :-

قلت ویحتمل تعدد الملائکۃ المعدۃ لذلک کما فی الحفظۃ و نحوھم ثم رأیت الحلیمی من اصحابنا ذھب الیہ فقال فی منھاجہ والذی یشبہ ان تکون ملائکۃ السؤال جماعۃ کثیرۃ یسمی بعضھم منکرا وبعضھم نکیرا فیبعث الی کل میت اثنان منھم کما کان الموکل علیہ لکتابۃ اعمالہ ملکین انتھی (شرح الصدور ص ۶۰)

میں کہتا ہوں احتمال ہے کہ اس کارروائی کے لئے متعدد فرشتے تیار کئے گئے ہوں جیسا کہ نگران وغیرہ فرشتے متعدد ہیں پھر میں نے دیکھا کہ ہمارے اصحاب میں سے علامہ حلیمی رح اس کی طرف گئے ہیں چنانچہ وہ اپنی کتاب منہاج میں فرماتے ہیں کہ جو چیز حق کے زیادہ قریب ہے وہ یہ ہے کہ سوال کرنے والے فرشتوں کی بہت بڑی جماعت ہے ان میں بعض کو منکر اور بعض کو نکیر کہتے ہیں سو ہر میت کی طرف اس جماعت میں سے دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں جیسا کہ ہر آدمی کے اعمال لکھنے والے (کراماً کاتبین) دو فرشتے ہوتے ہیں۔

اور امام حلیمی رح کا یہ حوالہ علامہ عبد العزیز فرہاروی رح نے بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو....

(النبراس ص۳۱۷) اور حضرت ملا علی ن القاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

ثم ذکر فی الازھار فان قیل کیف یکلم الملکان جمیع المکلفین وکیف یسألانھم فی وقت واحد مع کثرتھم فی الآفاق والاطراف وبُعد المسافة شرقا وغربا وای فائدة من سوال اثنین من واحد قیل[1] یکون لھما اعوان کما لملك الموت وقیل[2] جمیع الارض مکشوف لھما وفی نظرھما کما لملك الموت وان[3] احدھما یسأل المسلمین والآخر الکافرین اھ وفی القول الاخیر نظر ظاھر لانه مخالف نظواھر الاحادیث ویمکن ان یقال حکمة الاثنین لانھما بمنزلة الشاھدین او عوض الملکین الکاتبین واللہ تعالیٰ اعلم انتھٰی (مرقات ج ۱ ص۲۰۰ طبع ملتان)

پھر ازہار (نام ہے کتاب کا) میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ دو فرشتے تمام مکلفین سے کیسے کلام کر سکتے ہیں؟ اور ایک ہی وقت میں باوجود مرنے والوں کی کثرت کے مختلف آفاق واطراف میں اور بُعد مسافت کے شرقاً وغرباً کیسے سوال کرتے ہیں؟ اور ایک ہی سے دو فرشتوں کے سوال کا کیا فائدہ؟ تو اس کے جواب[1] میں یہ کہا گیا ہے کہ ان فرشتوں کے متعدد مددگار ہیں جیسا کہ ملک الموت کے لئے اور یہ بھی کہا[2] گیا ہے کہ تمام زمین اُن کی نظروں کے سامنے ظاہر کر دی جاتی جیسا کہ ملک الموت کے لئے اور یہ بھی کہا گیا ہے[3] کہ ایک مسلمانوں سے اور دوسرا کافروں سے سوال کرتا ہے اور اس آخری قول میں ظاہری طور پر کلام ہے کیونکہ یہ ظاہر احادیث کے مخالف ہے۔ اور ممکن ہے یہ کہا جائے کہ دو فرشتے بھیجنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں بمنزلہ دو گواہوں کے ہیں یا ان دو فرشتوں کے عوض میں ہیں جو اعمال لکھتے ہیں (یعنی کراماً کاتبین)۔

اس عبارت میں تیسرے جواب کو رد کر دیا ہے لیکن پہلے دونوں کو صحیح جواب تصور کیا ہے اور علم عقائد کے مشہور امام ابراہیم بن محمد عرشیا عصام الدین الاسفرائنی (المتوفی ۹۴۴ھ)

لکھتے ہیں کہ :-

والظاهر ان نکیرًا ومنکرًا جنسان والا ففی ساعة واحدة یتفق اموات فی اطراف العالم فلا یمکن ان یسأل الجمیع فی آن واحد انتھٰی (عصام حاشیۂ شرح العقائد ص۲۰)

ظاہر بات ہے کہ نکیر اور منکر دو جنسیں ہیں ورنہ ایک ہی گھڑی میں جہاں کے اطراف میں کئی اموات واقع ہوتی ہیں تو تمام کا ایک آن میں سوال ممکن نہیں ہے۔

جب قبر میں سوال کرنے والے فرشتوں کی بہت بڑی جماعت ہے اور ہر مردہ کے پاس اس جماعت میں سے دو دو فرشتے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض کا نام منکر اور بعض کا نکیر ہے جیسے اندرون ملک حفاظت کرنے والے ہر فرد کو سپاہی اور سرحدوں کی حفاظت کرنے والے ہر فرد کو فوجی کہتے ہیں، اسی طرح قبر میں برائے سوال آنے والے ہر فرشتے کو منکر و نکیر یا مبشر و بشیر کہتے ہیں اور جب یہ فرشتے بے شمار ہیں تو ان کو صرف دو سمجھ کر ان کو ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرنا اور پھر اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر پر استدلال باطل ہے۔

تیسرا قیاسی شگوفہ

صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ موجودات میں سے کسی کو بھی اس بات کا انکار نہیں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام موجودات کی روح ہیں کیا باوجود زندہ ہونے کے انسان کے بدن کا کوئی جزء روح سے خالی ہے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ موجودات کا کوئی جزء بھی آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خالی نہیں " انتھٰی (بلفظہٖ ص۱۱۲)۔

الجواب:- بلاشک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین اور رحمۃ مہداۃ بنا کر بھیجا ہے اور آپ تمام موجودات کی روح ہیں لیکن بایں وجہ کہ آپ کی برکت طفیل اور وسیلہ سے ساری کائنات اور سب موجودات کا نظام چل رہا ہے مگر اس سے یہ کیسے اور کیونکر ثابت ہوا کہ آپ کا جسمِ مبارک یا روحِ اطہر ہر جگہ موجود ہے؟ ہمارے خیال میں صوفی صاحب بھی اپنے لئے اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کریں گے کہ ان کی روح موجودات میں سے ہر فرد

مثلاً خنزیر، کتا، گدھا اور سانپ وغیرہ کے پاس موجود ہو یا وہ دنیا میں ہر پلید اور نجس جگہ اور بیت الخلاء میں ہمہ وقت موجود ہوں۔ اگر سچ مچ ان کے نزدیک یہ کوئی کمال کی چیز ہے تو اس کو وہ صرف اپنی ذات تک ہی محدود رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کے ولیوں کو اس میں ہرگز آلودہ نہ کریں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفیع اور بلند ذات کے بارے میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) ؎

ہوا کرتا ہے مشتق کو ہمیشہ فخر مصدر سے
نبی کی ذاتِ عالی سے بڑھا رتبہ نبوت کا

چوتھا قیاسی شگوفہ

صوفی صاحب جواہر البحار ج۲ ص۱۱۱ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب تنویر الحلک بامکان رؤیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والملک میں لکھتے ہیں کہ عارف ابو العباس الطنجی رح فرماتے ہیں کہ میں استاد احمد رفاعی رح کی خدمت میں سلوک کا طریقہ حاصل کرنے کے لئے گیا۔ انھوں نے مجھے اپنے شیخ عبد الرحیم قناوی رح کے پاس بھیجا۔ انھوں نے مجھے بیت المقدس جانے کا حکم دیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے میری آنکھ سے پردے ہٹا دیئے۔ میں نے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے آسمانوں اور زمین اور عرش و کرسی اور تمام اطراف و اکوان کو بھر رکھا ہے۔ (محصلہ ص۱۱۲) پھر صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ امام سیوطی رح کی جلالت شان کسی اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ اور امام شعرانی رح میزان الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ امام سیوطی رح کو بیداری میں پچھتر مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات نصیب ہوئی۔ حجاب ہماری طرف سے ہے ورنہ آپ ہر جگہ موجود ہیں (محصلہ ص۱۱۴)

الجواب :- صوفی صاحب اور ان کی مانند وہ لوگ جو حضرات صوفیاء کرام رح کی فنی اصطلاحات سے بے خبر اور روحِ شریعت سے بے بہرہ ہیں اسی قسم کے واقعات پر بجائے قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ و متواترہ کے اپنے عقائد کی بنیاد رکھتے ہیں اور اس پر

بے حد فرحاں و شاداں ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں بھی رؤیت و ملاقات حق ہے اور بیداری میں بھی ملاقات صحیح اور درست ہے ہماری جماعت کے اکابر نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (مثلاً ملاحظہ ہو فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴ وغیرہ) لیکن بات صرف سمجھنے کی ہے۔ یہ ملاقات نہ تو جسمِ مبارک سے ہوتی ہے اور نہ روحِ اطہر سے، بلکہ یہ رؤیت اور ملاقات جسمِ مثالی کی ہوتی ہے اور پہلے حضرت مجدد صاحبؒ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ مثالی شکل میں اصل کو خبر تک نہیں ہوتی اور نہ اس سے اُن کے جسم مبارک کے حاضر و ناظر ہونے کا یا روحِ اطہر کے حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ امام سیوطیؒ نے اگر پچھتر مرتبہ آپؐ کی ملاقات کی ہے تو جسدِ مثالی ہی سے کی ہے، لیکن اس کا مسئلہ حاضر و ناظر سے کیا تعلق؟ صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ حجاب ہماری طرف سے ہے، ٹھیک ہے۔ جتنا کسی میں تقویٰ ہوگا اتنا ہی آپؐ سے تقرب حاصل ہوگا۔ آپؐ نے خود فرمایا ہے:۔

ان اولی الناس بی المتقون من کانوا وحیث کانوا (مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵ ومشکوٰۃ ص ۴۴۶ ومجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲) — مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں۔ جیسے بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں (یعنی ایسے ہی لوگوں کو میری رضا اور تقرب حاصل ہے)

لیکن صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شرک و بدعت سے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کبھی راضی نہیں ہوتے۔ اور نہ شرک و بدعت کرنے والوں کو آپ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور نہ صحیح دین ہی کی سمجھ آسکتی ہے۔ باقی صوفی صاحب کا یہ دعویٰ کہ "ورنہ آپ ہر جگہ موجود ہیں" بالکل بے بنیاد دعویٰ اور خالص مشرکانہ عقیدہ ہے۔ اِسی بالا حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یا معاذؓ انک عسیٰ ان لا تلقانی بعد عامی ھذا الحدیث (علامہ ھیثمی رح فرماتے ہیں کہ امام احمد رح نے دو سندوں کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ دونوں سندوں کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں مگر راشدؒ بن سعدرح اور عاصمؒ بن حمیدؒ مگر ہیں وہ دونوں بھی ثقہ ہی (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲) جب آپ سے حضرت معاذؓ

کی جسمانی طور پر لقاء نہیں ہوسکتی تھی تو اور کس کی ہوسکتی ہے؟ علاوہ ازیں ترمذی شریف کے حوالہ سے یہ روایت تبرید النواظر میں بیان ہوچکی ہے۔ آپؐ نے فرمایا لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا جب حضرات صحابہ کرام رضؓ سے آپؐ کی ملاقات جسمانی نہیں ہوسکتی تو بعد کے آنے والوں سے کیسے ہوسکتی ہے؟

پانچواں قیاسی شگوفہ

مئولف صاحب کتاب الابریز ص۲۴۳ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایک معتبر سے مروی ہے کہ وہ بیداری میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے۔ حج کے سلسلہ میں جب وہ آپ کی قبرِ انور پر پہنچے تو ان پر رقت کی حالت طاری ہوگئی۔ انھوں نے اپنے شہر فاس کو نہ جانے کا قصد کیا۔ آپؐ نے قبر مبارک سے آواز دی کہ اگر میں قبر میں بند ہوں تو تم یہاں ہی رہو اور اگر میں اپنے اُمتی کے ساتھ ہوں جہاں بھی وہ ہو تو تم اپنے شہروں کو واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس فاس چلے گئے (محصلہ ص۱۱۳ و ص۱۱۴) نیز جواہر البحار ج۲ ص۷۱ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ سید ابوالعباس مرسیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں آن واحد کے لئے بھی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رؤیت سے رُک جاؤں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں سے نہیں شمار کرتا۔" (ص۱۱۴)

الجواب:- پہلے عرض کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثالی صورت کو بیداری میں بھی دیکھا جاسکتا ہے لیکن حاضر و ناظر سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور قبر مبارک سے آواز کا آنا اگر سنداً واقعہ صحیح ہو تو معجزہ اور خرقِ عادت پر محمول ہے اور بعد از وفات بھی خرقِ عادت اور معجزہ و کرامت کا ظہور ہوسکتا ہے۔ امام محمدؒ بن احمد السرخسی الحنفیؒ المتوفی ۴۸۳ھ) حضرت ابو ایوب الانصاری رضؓ کی بعد از دفن کرامت کا ذکر کرتے ہیں۔

ودفنوہ لیلاً فصعد نور من قبرہ الی	کہ ان کو مسلمانوں نے رات کو دفن کیا تو ان کی قبر
السماء ورأی ذٰلک من کان بالقرب	سے آسمان کی طرف نور بلند ہوا اور اس جگہ کے
من ذٰلک الموضع من المشرکین فجاء	قریب رہنے والے مشرکوں نے اس کو دیکھا۔ جب

رسولهم من الغد فقال من كان هذا الميت فيكم فقالوا صاحب لنبينا فاسلموا بما رأوا (شرح السير الكبير ج ۱ ص ۵۹ طبع دائرة المعارف حيدرآباد الدكن الهند)

صبح ہوئی تو اُن کا قاصد آیا اور اُس نے کہا کہ یہ میت تم میں کون ہے؟ مسلمانوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ سو وہ لوگ یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

باقی رہا آپ کا یہ فرمانا کہ میں اپنے اُمتی کے ساتھ ہوں اور قبر میں بند نہیں تو ٹھیک ہے کیونکہ آپ کی رُوح مبارک کا جسد اطہر سے قبر شریف میں بھی گہرا تعلق ہے لیکن ملأ اعلیٰ علیین جنت اور برزخ میں جہاں چاہے، آپ کی رُوح مبارک سیر کرتی ہے۔ قبر ہی میں بند نہیں ہے ہاں جسم مبارک قبر شریف میں ہے اور اُمتیوں کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا لایا ہوا اسلام اور شریعت ہر جگہ ہے اور جہاں کوئی چاہے اس پر عمل کر کے آپ کا تقرب اور رضا حاصل کر سکتا ہے۔ "ساتھ ہوں" سے حاضر و ناظر ہرگز مُراد نہیں ہے کیونکہ یہ مطلب نصوصِ قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ حضرات فقہاء کرامؒ کے فتویٰ کی رُو سے کفر بھی ہے۔ ابوالعباس مرسی رحؒ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو رؤیت ہوتی رہی وہ بھی جسدِ مثالی کی رؤیت ہے اور بار ہا عرض کیا جا چکا ہے کہ رؤیت مثالی کا معاملہ جُدا ہے اور مسئلہ حاضر و ناظر الگ شئے ہے۔

اپنی جگہ سے سب کا مشاہدہ فرمانا

یہاں تک جتنی دلیلیں صوفی صاحب نے پیش کی ہیں وہ اُن کے خیال اور دعویٰ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ پاک سے ہر جگہ حاضر ہونے کی نقلی و عقلی دلیلیں تھیں مگر آپ نے دیکھ لیا کہ کسی ایک سے بھی اُن کا دعویٰ ثابت نہیں ہوا۔ اب ان کا انوکھا دعویٰ اور نرالی دلیل اور بھی سُن لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اب رہی دُوسری صورت کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی جگہ خاص سے سب کا مشاہدہ فرماتے ہیں یہ بھی نقلاً اور عقلاً جائز اور ممکن ہے۔ دلائل نقلیہ تو یہ ہیں کہ قرآن مجید میں ابلیس لعین کے

بارے میں آیا ہے:۔

انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا تر ونھم۔ — بیشک ابلیس اور اس کا قبیلہ اس حیثیت سے تمہیں دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتے

یعنی ابلیس اپنے مقام سے ہی تمام روئے زمین کے انسانوں کو دیکھتا ہے اور اسی طرح سیدنا عزرائیل علیہ السلام کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے کہ تمام روئے زمین ان کے سامنے ایک طشتری کی طرح ہے۔ وہ اپنے مقام سے ہی سب انسانوں اور حیوانوں کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ سو یہ بات عقلاً بھی بعید نہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مقام سے ہی سب کا مشاہدہ فرماتے ہوں۔" (بلفظہ ص۱۱۴، ۱۱۵)

الجواب:۔ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ خالص شیطانی اور ابلیسی قیاس ہے جس کے موجد غالباً مولوی عبدالسمیع صاحب مؤلف انوارِ ساطعہ تھے اور آپ اس شیطانی اور ابلیسی قیاس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ کبھی اس کو نقلی دلائل کی مد میں لکھتے ہیں اور کبھی عقلی قرار دیتے ہیں جیسا کہ آپ کی عبارت سے بالکل ہویدا ہے۔ اور اس کا بقدر ضرورت جواب پہلے گزر چکا ہے اور تبرید النواظر میں بھی ہے۔ جس کا صوفی صاحب کوئی جواب نہیں دے سکے۔ الغرض اس آیت کریمہ سے یہ ثابت کرنا کہ ابلیس لعین تمام روئے زمین کے انسانوں کو دیکھتا ہے قطعاً غلط ہے۔ آیتِ کریمہ کا مفہوم تو صرف اس قدر ہے کہ شیطان اور اس کی اولاد جنات انسانوں کو دیکھتے ہیں اور انسان ان کو عادۃً نہیں دیکھتے۔ تمام روئے زمین کے انسانوں کا شیطان کے لئے دیکھنا ایک نرا شیطانی اور ابلیسی دعویٰ ہے اور ان کو شرم بھی نہیں آتی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو شیطان لعین پر قیاس کرتے ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) اور اپنے مشرکانہ اور کافرانہ عقیدہ کے اثبات کے لئے پہلے اپنے بابا ابلیس کو مشاہدہ کے طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں اور پھر اس پر قیاس کرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ نہ معلوم ابلیس سے ان کی اتنی دوستی کیوں ہے!

۵ اَب تو تُو ہے اور شُغلِ یادِ دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہوگئی

یہ بات بھی پہلے باحوالہ عرض کی جا چکی ہے کہ جان نکالنے والا فرشتہ ایک نہیں بلکہ متعدد اور بے شمار ہیں۔ ملک الموت صرف ان کے نگران اعلیٰ ہیں اور بس۔

امام سیوطیؒ کا حوالہ

صوفی صاحب نے امام سیوطی رحمہ اللہ کا حوالہ نقل کیا ہے جس کا ترجمہ اُن کی زبانی یہ ہے۔ "تحقیق اس مجموعہ نقول اور احادیث سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی رُوح اور جسم کے ساتھ حیات ہیں اور یہ کہ آپ تصرف فرماتے ہیں جیسا چاہیں رُوئے زمین میں اور ملکوت میں، اور آپؐ اسی حالت پر ہیں جس پر وفات سے پہلے تھے۔ کچھ بھی آپؐ میں تبدیل نہیں ہُوا۔ اور یہ کہ آپ غائب ہیں نظروں سے، جیسا کہ فرشتے غائب ہیں باوجودیکہ وہ اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، جس کے لئے چاہتا ہے، حجاب کو دُور فرما دیتا ہے۔ آں حضرت صلّے اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لئے۔ وہ دیکھتا آپ کو اسی حالت پر ہے جو کہ آپؐ کی تھی۔ پس اس سے کوئی دلیل مانع نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل ہے کہ رؤیت کو رؤیتِ مثال کے ساتھ خاص کیا جائے۔" (تنویر الملک) (ص۱۱، ص۱۶)۔

الجواب:۔ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قبرِ مبارک میں رُوحِ اطہر کے تعلق سے زندہ ہونا تمام اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے اور تسکین الصدور میں اس پر ہم نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ باقی زمین اور ملکوت میں تصرف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ ان کے مدبر ہیں۔ مدبر امر اور تمام کائنات کا مالک و مختار صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا اس کام میں کوئی شریک نہیں ہے۔ ہاں احیاناً آپ کی رُوحِ مبارک کا (بشرطیکہ کسی واضح دلیل سے ثابت ہو) یا جسدِ مثالی کا زمین کی کسی جگہ پر آنا جانا ممکن ہے اور امام سیوطی رحمہ اللہ کی اس عبارت میں تصرف کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:۔

ان المراد برد الروح التفرغ من الشغل وفراغ البال مما هو بصدده في البرزخ من النظر في اعمال امته والاستغفار لهم من السيئات والدعاء بكشف البلاء عنهم والتردد في اقطار الارض لحلول البركة فيها وحضور جنازة من مات من صالحي امته اھ (انباء الاذكیاء ص ۱۲)

رد روح سے مراد آپ کا شغل سے فارغ ہونا اور دل کا ان چیزوں سے فارغ ہونا جن کے درپے آپ برزخ میں ہیں، مثلاً امت کے اعمال کو دیکھنا اور ان کی برائیوں پر ان کے لئے دعا کرنا اور ان سے تکلیف دور ہونے کی دعا کرنا اور زمین میں برکت ڈالنے اور اپنی امت میں سے کسی نیک آدمی کے جنازہ میں شرکت کے لئے زمین میں آنے جانے سے فارغ ہونا

صاف ظاہر ہے کہ تردد فی اقطار الارض اور کسی نیک آدمی کے جنازہ کی شرکت کے لئے زمین میں آنا جانا ہر وقت حضور کو نہیں چاہتا۔ باقی ان کا یہ کہنا کہ یہ جسم مبارک کے ساتھ ہے، یہ بڑا دعویٰ ہے اس کے لئے شرعی دلیل درکار ہے۔ خود امام سیوطی رح فرماتے ہیں کہ اثبات اور نفی دونوں شرعی حکم ہیں جو دلیل اور نقل کے محتاج ہیں (تنزیہ الانبیاء ص ۱۴ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن) بعد از وفات کوئی صحیح دلیل جسم مبارک کے ساتھ دنیا میں آنے کی موجود نہیں ہے اور علامہ آلوسی الحنفی رح نے اس کا رد کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

وما تقدم من ان الانبياء عليهم السلام يخرجون من قبورهم اي باجسامهم وارواحهم كما هو الظاهر ويتصرفون في ملكوت العلوي فمما لا اقول به (روح المعاني ج ۲۲ ص ۳۸)

اور جو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں سے اپنے اجسام اور ارواح کے ساتھ نکلتے ہیں جیسا کہ (عبارت سیوطی رح سے) ظاہر ہے اور عالم بالا میں تصرف کرتے ہیں تو میں اس کا قائل نہیں ہوں۔

اور اس سے قبل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

والذی یغلب علی الظن ان رؤیتہ صلی اللہ تعالیٰ بعد وفاتہ بالبصر لیست کالرؤیۃ المتعارفۃ عند الناس من رؤیۃ بعضھم لبعض وانما ھی جمعیۃ حالیۃ وحالۃ برزخیۃ وامر وجدانی لا یدرک حقیقتہ الامن باشرہ ولشدۃ شبہ تلک الرؤیۃ بالرؤیۃ البصریۃ المتعارفۃ تشتبہ علی کثیر من الرائین انہ رآہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ببصرہ الرؤیۃ المتعارفۃ ولیس کذالک (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۷)

اور وہ چیز جس پر (اپنا) گمان غالب ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آپ کی وفات کے بعد رؤیت آنکھ کے ساتھ نہیں ہے جیسا کہ لوگوں کے ہاں متعارف رؤیت ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں بلکہ یہ حال کی جمعیۃ اور برزخی حالت اور وجدانی معاملہ ہے۔ اس کی حقیقت کو صرف وہی شخص ادراک کر سکتا ہے جس نے اس کا تجربہ کیا ہو اور چونکہ یہ رؤیت آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کی اس رؤیت سے جو متعارف ہے بہت زیادہ مشابہ ہے اس لئے بہت سے دیکھنے والوں پر یہ بات مشتبہ ہو جاتی ہے کہ انھوں نے آنکھ سے متعارف طریقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کی ہے حالانکہ معاملہ یوں نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی رح فسیرانی فی الیقظۃ کی حدیث کی تشریح میں طویل بحث کرتے ہوئے امام غزالی رح کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :-

فمارآہ من الشکل لیس ھو روح المصطفیٰ ولا شخصہ بل ھو مثال لہ علی التحقیق (المواھب مع الزرقانی ج ۵ ص ۲۹۳)

جو شکل دیکھنے والے نے دیکھی وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح ہے اور نہ ذات بلکہ تحقیقی طور پر وہ آپ کی مثال ہے (یعنی مثالی شکل)

اور علامہ زرقانی رح اس سوال کا کہ کوئی دیکھنے والا آپ کو کسی صورت میں دیکھتا ہے اور کوئی کسی صورت میں اور کوئی کسی جگہ دیکھتا ہے اور کوئی کسی جگہ، یہ اختلاف و تفاوت کیسا ؟ اور کیوں ؟ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

فلا يتجه الجواب الا باثبات الامثال وتعددها فالمرئی فی آن واحدٍ فی مکانين مثالان فلا اشکال۔ (زرقانی علی المواهب ج ۵ ص۲۹۵)	جواب درست نہیں ہو سکتا مگر مثالیں اور ان کا تعدد ثابت کرنے کے ساتھ۔ پس جس کو ایک آن میں دو جگہوں میں دیکھا جاتا ہے وہ مثالیں ہوتی ہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی رح اور زرقانی رح لکھتے ہیں :۔

واما رؤيته صلی اللہ علیہ وسلم فی اليقظة بفتح القاف بعد موته عليه الصلوٰة والسلام فقال شيخنا السخاوی لم يصل الينا ذلك عن احد من الصحابة ولا عمن بعدهم کالتابعين ولم يرد فی ذلك شیٔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ما قد يؤخذ من قوله فسيرانی فی اليقظة علی احد الاحتمالات بخلاف حديث رؤيا منام الخ (المواهب مع الزرقانی ج ۵ ص۲۹۵)	بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بیداری میں آپ کی روئیت تو ہمارے شیخ امام سخاوی رح نے فرمایا کہ ہمیں اس کے ثبوت میں حضرات صحابہ رض میں سے کسی سے اور ان کے بعد تابعین میں سے کسی سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ اور اس میں آپ سے بھی کوئی ثبوت نہیں ہے مگر فسیرانی فی الیقظہ کی حدیث سے کئی احتمالات میں سے ایک کے رو سے یہ اخذ کیا گیا ہے (جو خلافِ واقع ہے) بخلاف خواب میں دیکھنے کے (کہ اسکا تواتر سے ثبوت ہے)

الغرض امام سیوطی رح کا یہ کہنا کہ آپ کا دنیا میں آنا جانا جسم عنصری کے ساتھ ہے اور جسم مثالی کی ضرورت نہیں، بالکل خلاف واقع بات ہے۔ قرآن و سنت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اور وہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

وما خالف القرآن والمتواتر من السنة وجب تاويله وان لم يقبل التاويل کان باطلاً (انباه الاذکياء ص۱۰)	جو نظریہ قرآن اور سنتِ صحیحہ کے خلاف ہو اس کی تاویل واجب ہے اور اگر وہ تاویل کو قبول نہ کرے تو باطل ہوگا۔

حافظ ابنِ حجرؒ، علامہ ابن المنیرؒ اور حضرت مجدد الف ثانی وغیرہ اکابر کی عبارات میں رؤیت مثالی کی تصریحات موجود ہیں۔ جن کا باحوالہ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

نور الدین حلبی کی رائے

صوفی صاحب جواہر البحار ج۲ ص۱۱۵ کی عبارت نقل کر کے اس کا یہ ترجمہ کرتے ہیں۔ "بے شک معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا ہے جلال سیوطی رحمہ نے اور اس سے بھی بڑھ کر اور بے شک جس نے دیکھا ہے آپؐ کی ذات کو کہ نہیں خالی آپؐ کے جسم پاک سے کوئی زمانہ" (صوفی صاحب نے یہاں عربی عبارت کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ ان کی منقولہ عربی عبارت یہ ہے: وان الذی اراہ ان جسدہ الشریف لایخلو منہ زمان الخ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بے شک جس کا میں خیال یا گمان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپؐ کے جسم مبارک سے کوئی زمانہ خالی نہیں الخ) "نہ کوئی مکان، نہ کوئی محل، نہ کوئی امکان، نہ عرش نہ لوح نہ کرسی نہ قلم نہ خشکی نہ تری نہ میدان نہ پہاڑ نہ برزخ نہ قبر۔ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے اور یہ کہ پُر کیا ہے آپؐ کی ذات سے عالمِ اعلیٰ کو جیسا کہ پُر کیا آپ سے عالمِ اسفل کو، جیسا کہ پُر کیا آپ کی ذات سے آپ کی قبر انور کو"۔۔۔ بالآخر علامہ علی نور الدین حلبی نے فیصلہ فرمایا ہے کہ بالآخر یہ بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان حسی و معنوی طور پر اور باعتبار جسم اور روح کے اور باطن و ظاہر کے موجود ہیں اور اپنے مقام خاص ہی سے۔ (جواہر البحار ج۲ ص۱۲۴۔ تنویر الخواطر ص۱۱۶)

الجواب: معاذ اللہ تعالیٰ نور الدین حلبی نہ تو نبی معصوم ہیں نہ صحابی اور امام ہیں تاکہ ان کی بات حجت ہو بلکہ ہمارے نزدیک وہ ویسے ہی غالی صوفی ہیں، جیسے صوفی اللہ دتہ صاحب اور ان کے دوسرے ہم عقیدہ وہم مشرب بعض لوگ اس لئے نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء کرام کے صریح فتووں کے مقابلہ میں ان کی بات پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی اور یہ سرے سے مردود و باطل ہے۔ اور صوفی اللہ دتہ صاحب کا زیادہ سہارا ہی جواہر البحار کی ایسی لایعنی اور مردود عبارات پر

ہے۔ ایسی بے بنیاد اختراعی غلطیوں پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھنے کا نتیجہ اور ثمرہ انشاء اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد نکلے گا اور صوفی صاحب اس کا نتیجہ بھگت لیں گے۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں اس کی مناسب تاویل بھی ہم نے کر دی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کی بعثت کے بعد قیامت تک ہر جگہ اور ہر مکان اور ہر زمانہ میں آپؐ ہی کی نبوت اور رسالت ہے، کوئی جگہ اور زمانہ آپؐ کی نبوت اور رسالت کے احکام سے باہر نہیں ہے۔

ترکش کا آخری تیر

دیگر اہل بدعت نے عموماً اور صوفی صاحب نے خصوصاً دوسروں پر حملہ کرتے اور اپنے خانہ ساز عقیدہ حاضر و ناظر کے بچاؤ کے لئے جو آخری تیر چھوڑا ہے وہ یہ ہے۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ۔ "تمام احوال کا مشاہدہ کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے میرے لئے دنیا کو اٹھایا پس میں دیکھتا ہوں اس کی طرف اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے جیسا کہ میں دیکھتا ہوں اپنی اس ہتھیلی کو (مختصر مواہب لدنیہ ص۳۰۵) اس حدیث میں لفظ انظر، جو مضارع کا صیغہ ہے، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مشاہدہ آئندہ بھی جاری ہے یعنی دیکھتا ہوں اور دیکھتا رہوں گا۔" (بلفظہٖ ص۱۱۷)۔

الجواب:۔ اس کا اصولی طور پر بقدر کفایت جواب تبرید النواظر میں دے دیا گیا ہے مگر اس کے جواب سے قاصر ہو کر صوفی صاحب سیخ پا ہوئے ہیں اور بڑا پیچ و تاب کھایا ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اصل روایت کی باحوالہ نشان دہی کرتے ہیں اور پھر اس کی تنقیح کرتے ہیں۔ یہ روایت امام حافظ ابو نعیم احمدؒ بن عبداللہ الاصبہانی رح (المتوفی سنہ ۴۳۰ھ) نے سند کے ساتھ یوں نقل کی ہے:۔

حدثنا سلیمان بن احمد ثنا بکر بن سھل ثنا نعیم بن حماد ثنا بقیۃ عن سعید بن	ہم سے سلیمانؒ بن احمدؒ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بکرؒ بن سہلؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے

سنان ثنا ابو الزاھریۃ عن کثیر بن مرۃ عن ابن عمر رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیٰمۃ کانما انظر الی کفی ھٰذہ جلیان من امر اللہ عزوجل جلاہ لنبیہ کما جلاہ للنبیین قبلہ انتھٰی (حلیہ الاولیاء ج ۶ ص۱۰۱)

ہیں کہ ہم سے نعیم رح بن حماد رح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے بقیہ نے بیان کیا۔ وہ سعید بن سنان سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں ہم سے ابو الزاہریہ نے بیان کیا۔ وہ کثیر رح بن مرہ رح سے اور وہ حضرت ابن عمر رض سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دُنیا اٹھادی ہے سو میں اس کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، دیکھتا ہوں ایسے روشن طریقہ پر جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے منکشف ہوا ہے جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ویسا ہی انکشاف فرمایا جیسا کہ آپ سے قبل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے انکشاف فرمایا تھا۔

یہ روایت مجمع الزوائد ج ۸ ص۲۸۷ میں بھی ہے لیکن اس میں بجائے ابن عمر رض کے عن عمر رض ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لفظ ابن کتابت میں چھوٹ گیا ہو اور یہ روایت مواہب لدنیہ مع شرحہ للزرقانی رح ج ۷ ص۲۰۴ میں بھی ہے۔ اُس میں بھی ابن عمر رض ہے۔

اس سے پہلے راوی سلیمان بن احمد الطبرانی الحافظ الامام العلامہ (المتوفی ۳۶۰ھ) ہیں دُوسرے راوی بکر بن سہل الدمیاطی ہیں۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رح نقل کرتے ہیں کہ لوگوں نے ان سے روایتیں لی ہیں اور وہ مقارب الحال ہیں اور نقل کرتے ہیں کہ امام نسائی رح نے فرمایا کہ وہ ضعیف ہے (لسان المیزان ج ۲ ص۵۱) تیسرے راوی نعیم بن حماد

ہیں جن کے بارے میں حضرات محدثین کرام رح کا خاصہ اختلاف ہے ان کی توثیق کرنے
والے بھی ہیں اور تضعیف کرنے والے بھی۔ امام ابن معین رح فرماتے ہیں کہ حدیث میں وہ
ہیچ ہے لیکن صاحب سنت تھا۔ امام ابوداؤد رح فرماتے ہیں کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم سے بیس روائتیں ایسی بھی نقل کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے (ہو سکتا ہے کہ یہ
روایت بھی اُن ہی میں سے ہو۔ صفدر) امام ابن حبان رح ان کو ثقات میں لکھتے ہوئے بھی
فرماتے ہیں کہ وہ بسا اوقات خطا اور وہم کا شکار ہو جاتے تھے۔ امام نسائی رح فرماتے ہیں کہ
وہ ضعیف ہے اور ان کے غیر نے کہا کہ وہ سنت کی تقویت میں جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔
اور امام ابوحنیفہ رح کی توہین کے سلسلہ میں تو اُس نے ایسی ایسی روایات گھڑی ہیں جو جھوٹ
کا پلندہ ہے۔ امام محمد رح بن سعد رح فرماتے ہیں کہ اس نے ثقہ راویوں سے بہت سی منکر
روایات بیان کی ہیں۔ امام مسلمہ رح بن قاسم رح فرماتے ہیں کہ وہ صدوق اور کثیر الخطاء ہے
اور ملاحم کے بارے میں اُس نے منکر روایات بیان کی ہیں جن میں وہ منفرد ہے۔ امام
ابوالفتح ازدی رح فرماتے ہیں کہ وہ سنت کی تقویت میں جعلی حدیثیں اور امام ابوحنیفہ رح کے
مثالب میں من گھڑت حکایات بیان کیا کرتا تھا۔ جو خالص جھوٹ ہے۔ (ملتقطاً تہذیب
التہذیب۔ ج ١٠ ص ٤٦١، ص ٤٦٢)۔ چوتھا راوی اس کا بقیہ بن الولید ہے۔ حضرات محدثین کرام رح
کے نزدیک اُن کی حیثیت بھی اچھی خاصی متنازع فیہا ہے۔ امام ابوزرعہ رح فرماتے ہیں کہ
سنت کے بارے میں اس کی حدیث مت سنو۔ ہاں ثواب وغیرہ کے بارے میں ہو تو سن
لو۔ (تہذیب التہذیب ج ١ ص ٤٧٤) امام نسائی رح فرماتے ہیں کہ جب وہ حدثنا اور اخبرنا سے
روایت کرے تو ثقہ ہے اور جب عن سے روایت بیان کرے (یہاں بھی عن سے روایت
ہے۔ صفدر) تو اس سے روایت نہیں لینی چاہیئے کیونکہ پتہ نہیں اُس نے کس سے روایت
لی ہے (ایضاً ص ٤٧٥) امام ابوحاتم رح فرماتے ہیں کہ اس سے روایت لکھی تو جا سکتی ہے مگر
اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا (ایضاً) امام ابن خزیمہ رح فرماتے ہیں کہ میں بقیہ سے احتجاج

نہیں کرتا (ایضاً ص۲۷۴) امام ابو مسہر غسانی رح کہتے ہیں کہ بقیہ کی احادیث صاف نہیں ہوتیں سو تم ان سے پرہیز کرو (ایضاً) امام ابن معین رح فرماتے ہیں کہ اگر وہ اہلِ شام سے روایت کرے تو صالح ہے اور اگر اہلِ حجاز اور اہلِ عراق سے روایت کرے تو بہت ہی ضعیف ہے (ایضاً) امام بیہقی رح اپنی کتاب خلافیات میں فرماتے ہیں کہ محدثین رح کا اجماع ہے کہ بقیہ حجت نہیں ہے امام عبد الحق رح اپنی کتاب الاحکام میں فرماتے ہیں کہ بقیہ سے احتجاج درست نہیں ہے۔ ابن قطان رح کہتے ہیں کہ بقیہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرتا ہے اور اس کو جائز بھی سمجھتا ہے۔ اگر یہ درست ہو تو یہ بات اس کی عدالت کو فاسد کر دے گی (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۷۸) پانچواں راوی اس کا سعید بن سنان ہے۔ علامہ نور الدین علی رح بن ابی بکر الہیثمی رح (المتوفی ۸۰۷ھ) حافظ ابن حجر رح کے استاد اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

رواہ الطبرانی ورجالہ وثقوا علی ضعف کثیر فی سعید بن سنان الرھاوی انتھی (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷)

اس کو امام طبرانی رح نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے رجال کی توثیق کی گئی ہے مگر سعید بن سنان الرہاوی میں بہت زیادہ ضعف ہے۔

آپ نے نچلے بعض رواۃ کی توثیق تو ملاحظہ کر ہی لی ہے، اوپر کے دونوں راوی ابو زاہریہ اور کثیر بن مرہ ثقہ ہیں اور حضرت ابن عمر رض تو جلیل القدر صحابی ہیں اگر اس روایت کے تمام راوی بھی بالاتفاق ثقہ ہوتے تب بھی یہ روایت خبر واحد ہی رہتی اور نصوص قطعیہ اور عقائد کے باب میں اس کو پیش کرنا بقول خان صاحب ہرزہ بافی ہوتی مگر راویوں کا حال آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ ایسی روایات سے استدلال کرنا صوفی صاحب اور ان کی بدعت پسند جماعت کا ہی کمال ہو سکتا ہے اور پھر اس روایت کے آخر میں اس کی بھی تصریح ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ہتھیلی کی طرح دنیا و مافیہا روشن کر دی گئی تھی پھر تو اس میں آپ کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ لیکن فریقِ مخالف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تو کیا حضرات اولیاء کرام رح کو بھی حاضر و ناظر

تسلیم کرتا ہے۔ ان کا کھاتہ بالکل کھلا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ طبرانی رح کی جملہ تصانیف کو طبقۂ ثالثہ میں شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "واکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہا نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ" (عجالۂ نافعہ ص۶) جب فقہی مسائل میں حضرات فقہاء کرام رح ایسی احادیث کو قابلِ عمل نہیں گردانتے بلکہ ان کے خلاف ان کا اجماع منعقد ہو چکا ہے تو پھر ایسی روایات کا نصوصِ قطعیہ اور احادیثِ صحیحہ اور حضرات فقہاء کرام رح کے صریح فتووں کے خلاف احتجاج واستدلال کرنے کا کیا معنیٰ؟ اس طبقہ کی بعض روایات سے (کیونکہ حضرت شاہ صاحب رح اکثر کی قید لگاتے ہیں) جو سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہوں اور نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ سے متعارض اور متصادم بھی نہ ہوں۔ فروعی مسائل میں استدلال کرنا جبکہ ان پر اُمت کا تعامل بھی ہو درست اور صحیح ہے۔ اس بات کو خوب سمجھ لیا جائے کیونکہ غلط مبحث علماء کی شان کے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے ؎

بڑے چین میں تھا وہ جب بے خبر تھا\
پڑا مشکلوں میں خبردار ہو کر

مارِ نیم جان

تبرید النواظر کی تالیف کے وقت ہمارے پاس حلیۃ الاولیاء اور مجمع الزوائد نہ تھیں اس لئے ہم نے اپنی دانست کے مطابق اس روایت کو طبقۂ رابعہ میں شمار کیا تھا۔ اسلئے نہیں کہ خطیب قسطلانی رح کا نام طبقۂ رابعہ کے مصنفین میں ہے جس کے بارے میں صوفی صاحب کا نازک مزاج خاصا برہم ہوا ہے۔ کبھی لکھتے ہیں کہ اس حدیث پاک کے جواب میں خان صاحب نے اپنی دجالیت کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔ اور کبھی لکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی عبارت سے کس طرح ثابت ہوا کہ ابن حجر (صوفی صاحب معاف رکھنا یہ ابن حجر نہیں، ان کا نام احمد بن محمد بن ابی بکر ہے اور بستان المحدثین ص۲۰۳ کے حوالہ سے آپ نے خود بھی ص۱۱۹ میں یہی نقل کیا ہے) قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا

شمار طبقہ رابعہ میں ہے جو کہ غیر معتبر ہے اور کبھی حجۃ اللہ البالغۃ اور عجالہ نافعہ کی عبارات نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ان میں جو خطیب ہے، وہ خطیب بغدادیؒ ہے نہ کہ قسطلانی رحؒ۔ اور کبھی یہ اعلان اور چیلنج کرتے ہیں کہ خان صاحب اور پورا طائفہ نجدیہ اگر یہ ثابت کر دے کہ کسی کتاب میں بھی لفظ خطیب بلا وضاحت آیا ہو اور اس سے مصنف کی مراد ابن حجر قسطلانی ہو، ایک صد روپیہ بطور انعام پیش کیا جائے گا۔ اور کبھی لکھتے ہیں کہ بستان المحدثین ص۲۰۳ میں ہے کہ مواہب اللدنیہ اپنے باب میں لاثانی کتاب ہے اور نیز علامہ یوسف نبھانی جواہر البحار ج ۱ ص۱ میں لکھتے ہیں کہ مواہب لدنیہ سے افضل کوئی کتاب نہیں۔ (محصلہ دیکھئے ص۱۱۷، ص۱۱۸، ص۱۱۹)۔

الجواب:۔ مؤلف صاحب نے یہ سب کچھ جہالت اور تعصب کے نشہ میں سرشار ہو کر لکھا ہے۔ ہم نے مواہب لدنیہ کو اس لئے طبقہ رابعہ میں نہیں شمار کیا تھا کہ طبقۂ رابعہ میں جن مصنفین کے ناموں میں الخطیب کا لفظ آتا ہے اس سے خطیب قسطلانی رحؒ مراد ہیں بلکہ ہمارے پیشِ نظر حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی یہ عبارت تھی:۔

طبقۂ رابعہ۔ احادیثے کہ نام و نشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخران آنرا روایت کردہ اند اھ (عجالۂ نافعہ ص۷)۔	طبقۂ رابعہ میں وہ احادیث ہیں جن کا نام و نشان قرونِ سابقہ میں معلوم نہیں اور متاخرین نے ان کو روایت کیا ہو۔

(حافظ ابن حجرؒ علامہ ذہبی رحؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تیسری صدی کے آخر تک متقدمین اور اس کے بعد متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے (لسان المیزان ج ۱ ص۸، ج ۵ ص۲۹۶) اور یہ حدِ فاصل متقدمینؒ اور متاخرین رحؒ میں حضرات محدثین کرام رحؒ کی اصطلاح میں ہے اور یہ روایت طبرانی رحؒ کی ہے جن کی وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی ہے جو متاخرین رحؒ میں شامل ہیں۔ اس وجہ سے طبرانی رحؒ بھی متاخرین میں ہیں) اس وجہ سے ہم نے مواہب لدنیہ کو طبقۂ رابعہ میں شمار کیا تھا کہ وہ متاخرین میں شامل ہیں اور یہ روایت نقل کرتے ہیں نہ کہ بدیں وجہ کہ خطیب سے خطیب قسطلانی

مراد ہیں۔ یہ سارا صوفی صاحب کے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔ اور وہ بلا وجہ اپنے سادے اور بھولے بھالے عوام کو اعلان اور یہ چیلنج کی وجہ سے مطمئن کر کے دادِ تحسین حاصل کرنے کے درپے ہیں جس کے وہ کسی طرح مستحق نہیں ہیں۔ باقی مواہب لدنیہ کے بارے میں مذکورہ بالا بزرگوں نے جو یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے باب میں لاثانی ہے یا اس سے افضل کوئی کتاب نہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ وہ صحت اور ہر ہر واقعہ یا اس میں نقل کردہ ہر ہر حدیث کے قابلِ احتجاج ہونے کے سلسلہ میں لاثانی و افضل ہے حاشا وکلا۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ سیرت کے باب میں جتنا اور جیسا کچھ مواد اس میں جمع کر دیا گیا ہے وہ عموماً دیگر کتابوں میں یکجا طور پر نہیں ملتا اور اس لحاظ سے وہ لاثانی اور افضل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں صحیح کے ساتھ ضعیف اور ثابت الاصل روایات کے ساتھ غیر مقبول اور قابلِ احتجاج روایات کے ساتھ منکر، شاذ اور معلل وغیرہ روایات اور بعض بے اصل واقعات وقصص بھی موجود ہیں اور یہ کتاب رطب ویابس کا ایک مجموعہ ہے جس سے سب کچھ نکل آتا ہے مگر حق پسند معتبر اور خدا خوف علماء اور رطب ویابس کی پرکھ کرنے والے اس میں نقل کردہ صحیح باتوں کی تائید کرتے ہیں اور جو باتیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے متصادم ہیں یا اسلام کے مسلمہ قواعد وضوابط کے خلاف ہیں، ان کو ہرگز قابلِ التفات نہیں سمجھتے اور نہ ان پر اپنے عقائد اور اعمال کی عمارت استوار کرتے ہیں اور یہ بالکل ایک خالص حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ صوفی صاحب نے لفظوں کے چکر سے جو کچھ ثابت کرنا چاہا ہے وہ کسی طرح بھی ان کے مدعیٰ کا اثبات نہیں کرتا۔ بقول شخصے ؎

جو دنیا میں کبھی پوری نہ ہو وہ آرزو میں ہوں
جو عالم میں کبھی حاصل نہ ہو وہ مدعیٰ تم ہو!

فضول بھرتی

صوفی صاحب نے ص۱۱۹ میں مواہب لدنیہ کے حوالہ سے وہ عبارت لا فرق بین موتہ وحیاتہ الخ نقل کی ہے جس کو ہم پہلے ص۱۱۰ میں ان کی تنویر الخواطر ص۵۹ کے حوالہ سے نقل کر کے بقدرِ ضرورت جواب دے چکے ہیں۔ صوفی صاحب نے

پھر دوبارہ اس کو نقل کر کے اپنی بے مغز اور لایعنی کتاب کا حجم خواہ مخواہ بڑھا کر اپنا دل خوش کیا ہے۔ اور پھر مست اونٹ کی طرح جوش میں آکر لکھتے ہیں۔ "یہ ہے ابن حجر قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ۔ (ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ علامہ قسطلانی رہ کا نام احمدؒ بن محمدؒ ہے ابن حجرؒ نہیں ہے اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ہرگز ان کا عقیدہ علم غیب اور حاضر وناظر کا نہ تھا۔ صفدر) اس مواہب اللدنیہ کی شرح کی ہے محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکیؒ نے، انھوں نے بھی بغیر چوں وچناں اس عقیدہ کو قبول فرمایا۔ (نہ تو مواہب اللدنیہ کی عبارت سے یہ عقیدہ ثابت ہے اور نہ اس کو علامہ قسطلانیؒ نے اپنایا ہے اور نہ علامہ زرقانی رہ نے قبول کیا ہے۔ یہ صوفی صاحب کا نرا مفروضہ ہے۔ صفدر) پھر اس مواہب اللدنیہ کا یوسف بن اسماعیل نبہانی نے اختصار کیا ہے انھوں نے بھی اس عقیدہ کو برقرار رکھا۔ (گزر چکا ہے کہ مواہب اللدنیہ سے یہ عقیدہ ثابت ہی نہیں لہٰذا اس کو برقرار رکھنے کا کیا مطلب؟ صفدر) اور یہ تینوں کتابیں روئے زمین پر پھیل چکی ہیں اور تمام امت مسلمہ ان کو عقیدت اور محبت کی نظر سے دیکھتی ہے۔" اھ (ص ۱۲۰)

الجواب:۔ اگر صوفی صاحب خطیب قسطلانی رہ اور علامہ زرقانی رہ کی پوری عبارت نقل کر دیتے جس طرح کہ ہم نے پہلے نقل کی ہے تو اس سے کبھی اشتباہ پیدا نہ ہوتا اور پڑھنے والوں کے سامنے خود بخود حقیقت واضح ہو جاتی۔ مان لیا کہ مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح زرقانی رہ وغیرہ روئے زمین پر پھیل چکی ہے اور تمام امت مسلمہ ان کو عقیدت اور محبت کی نظر سے دیکھتی ہے اور جن کی مجمل مختصر اور محتمل عبارات سے فریق مخالف اپنے اختراعی عقائد ثابت کرنے کے درپے ہے تو صوفی صاحب یہ تو بتائیں کہ کیا قرآن کریم، صحیح احادیث اور کتب فقہ وفتاویٰ بھی روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہیں یا نہیں؟ اور کیا امت مسلمہ ان کو محبت اور عقیدت سے نہیں دیکھتی؟ اور کیا ان میں آپ کے اختراعی عقیدوں کا توڑ نہیں ہے؟ اور آپ ہی یہ فیصلہ صادر کریں کہ کیا قطعی اور مصرح عبارات قابل استدلال اور مرجح ہوتی

ہیں یا ظنی اور محتمل ؟ بلت صاف بتائیں صوفی صاحب ! خطیب قسطلانی رح اور علامہ زرقانی رح کی عبارتیں تو آپ کے دعویٰ کے بالکل خلاف ہیں خطیب قسطلانی رح فرماتے ہیں کہ عالم برزخ میں زندوں کے احوال مومنین کاملین کو غالباً معلوم ہوتے ہیں یقینی کلی طور پر نہیں۔ اور علامہ زرقانی رح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے اور اعلام سے عرض اعمال کی مد میں ان اعمال کی آپ کو خبر ہوتی ہے اور اس میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور زندوں کے ماں باپ درجہ بدرجہ سب شامل ہیں۔ آپ غالباً کے لفظ اور باطلاع اللہ تعالیٰ لہ علیٰ ذالک اور باعلام اللہ تعالیٰ لہم کے واضح جملوں کو کیوں ہضم کر جاتے ہیں ؟ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (اور اسی طرح دیگر بزرگوں کو) پہلے ہی سے یہ حالات معلوم ہوتے اور خصوصاً دنیا میں تو برزخ میں ان کو اللہ تعالیٰ کی اطلاع دینے اور اعلام کا کیا معنیٰ ؟ اور اعمال بھی سب پیش نہیں ہوتے بلکہ بعض پیش ہوتے ہیں جس کی واضح دلیل بخاری وغیرہ کی وہ صحیح حدیث ہے جس میں آتا ہے اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ جس کی بقدر ضرورت تفصیل ازالۃ الریب میں موجود ہے وہیں ملاحظہ کریں کہ یہ حدیث کیا ثابت کر رہی ہے ؟ ؎

کب ہمیں شایاں ہے ہم اسرار کی باتیں کریں
یہ ہمارا منہ کہاں سرکار کی باتیں کریں

حضرت ملا علی ن القاری رح اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح

صوفی صاحب نے ص۱۲۰ میں ان دونوں بزرگوں کے حوالوں کا یہ مفاد کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان کی عبارتیں ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں اور لکھتے ہیں کہ طائفہ نجدیہ اور مؤلف تبرید النواظر ایڑی چوٹی کا زور لگائیں تو بھی کسی مسلّم شخصیت سے آپ کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی ثابت نہیں کر سکتے۔ (محصلہ)

الجواب :۔ صوفی صاحب کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرات صحابہ کرام رضؓ اور حضرات فقہاء کرام رحؒ کی شخصیتیں مسلّم ہیں تو تبرید النواظر اور اس پیشِ نظر کتاب میں ان سے باحوالہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمت کے تمام احوال کا مشاہدہ کرنے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی صراحۃً نفی ثابت کر چکے ہیں، اور ہماری کسی ایک دلیل کا جواب بھی صوفی صاحب نہیں دے سکے اور انھوں نے اپنے باطل دعوی پر جو دلائل پیش کئے ہیں اُن کا حشر بھی قارئین کرام ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ان میں ایک دو غالی صوفیوں کی عبارات کے علاوہ کسی بزرگ کی عبارت ان کی تائید نہیں کرتی اور اگر ان کے علاوہ کوئی دلائل ان کے سینہ یا پٹاری میں ہیں تو مہربانی فرما کر وہ بھی منصۂ شہود پر لے آئیں تاکہ ہم بھی ان کے دلائل کی کائنات اور تانا بانا دیکھ لیں اور نورالدین حلبی وغیرہ غالی صوفیوں کی بعض عبارتیں ضرور صوفی صاحب کے مطلب اور مفاد کی ہیں لیکن اہلِ حق کے نزدیک نصوصِ قطعیہ، احادیث صحیحہ اور کتب فتاویٰ کی تصریحات کے مقابلہ میں قطعًا ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس لئے اہلِ حق کے سامنے ان کی عبارتیں پیش کرنا بے سود ہے۔ ہم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحؒ اور حضرت ملا علی ن القاریؒ کی بقدر ضرورت عبارتیں پہلے عرض کر چکے ہیں جن سے صراحۃً یہ ثابت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے نہ تو علمِ غیب کی صفت قبول کرتے ہیں اور نہ حاضر و ناظر اور اُمت کے تمام اعمال کے مشاہدہ کی۔ الغرض صوفی صاحب کے پاس قطعًا کوئی قابلِ اعتماد اور موجب یقین دلیل نہیں ہے اور بھلا شرک و بدعت کے اثبات کے لئے نفس الامر اور خارج میں دلیل ہو بھی کیا سکتی ہے؟ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِہٖ۔ اور خانہ ساز اور اختراعی دلیلوں سے عقائد کب ثابت ہوتے ہیں؟ ہمارے لئے قرآن و حدیث اور اجماع اُمت ہی باب عقائد میں معیار ہیں۔ ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ؎

در پہ غیروں کے نہ جھکا ہے نہ جھکے گا دانشؔ
میری سرکار میرا رُوئے سخن آپ سے ہے!

دُم چھلہ صوفی صاحب نے بزعم خویش تبرید النواظر میں پیش کردہ دلائل کے جوابات دے کر یہ مورچہ فتح کرلیا ہے (جس کا حشر قارئین کرام ملاحظہ کر چکے ہیں) اس سے فراغت کے بعد صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ اب خان صاحب کے دیگر دلائل کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت زید بن ارقم کا واقعہ:۔ اصل واقعہ تبرید النواظر میں ملاحظہ فرمائیں۔ صوفی صاحب نے اس سے جو چھٹکارا حاصل کیا ہے اس میں اہم باتیں ان کی زبانی یہ ہیں۔ جب حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی بات بارگاہِ رسالت میں پہنچی تو حضرت زید رضؓ اور عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو طلب فرمایا تو سب منافق منکر ہوئے اور سب نے قسمیں کھائیں لہٰذا اصولِ شریعت کے مطابق فیصلہ منکرین کے حق میں ہوا اور حضرت زید کے دعویٰ کو جھوٹا قرار دیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات نازل فرمائیں جن میں فرمایا اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ سے سزا پانے سے بچنا تھی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدم علم کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کو قسمیں بچاتی ہیں تو خان صاحب کا یہ فرمانا کہ آپؐ کو حقیقتِ حال کا علم نہ تھا، بالکل بے شعوری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت زید رضؓ کو جھوٹا کہنے پر آپؐ کو عتاب نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہ فیصلہ ظاہر کے مطابق حق اور درست تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تو اس مُلاں گکھڑوی کو کیا حق حاصل ہے کہ زبان درازی کرے اور خان صاحب کا یہ فرمانا کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید رضؓ کو جھوٹا تصور فرمایا اور ان سے ناراض بھی ہو گئے یہ صریح کذب ہے ان دونوں باتوں کا روایت میں بالکل ذکر نہیں (بلفظہٖ صنؔ ۱۲۰ ۱۲۱)

الجواب:۔ صوفی صاحب کی تضاد بیانی ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ اور حضرت زید رضؓ کے دعویٰ کو جھوٹا قرار دیا گیا اور نیز لکھتے ہیں کہ اور اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت زید رضؓ کو جھوٹا کہنے پر آپؐ کو عتاب نہیں فرمایا اور دوسری طرف یہ لکھتے ہیں کہ خان صاحب کا یہ فرمانا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضؓ کو جھوٹا تصور فرمایا اور ان سے ناراض بھی ہو گئے۔

یہ صریح کذب ہے الخ۔ معلوم نہیں کہ ان کے نزدیک اس تضاد بیانی کا کیا مخلص اور جواب ہے؟ قطع نظر اس سے ہم نے تبرید النواظر میں یہی کہا ہے کہ آپ نے منافقین کی قسموں پر اعتبار کر کے اُن کو سچا سمجھا اور حضرت زید رضؓ کا دعویٰ جھوٹا قرار دیا مگر اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون نازل فرما کر حقیقت بالکل عیاں فرمادی۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر آپؐ کو اس کا علم ہوتا کہ منافقین جھوٹے اور حضرت زید رضؓ سچے ہیں تو آپؐ نے سچے کو جھوٹا اور جھوٹوں کو سچا کیوں قرار دیا؟ اور آپؐ کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرنے کے لئے یہ سورت کیوں نازل ہوئی؟ اس کے جواب سے صوفی صاحب بالکل قاصر رہے ہیں۔ الغرض منافقین کے حق میں آپؐ کا یہ فیصلہ آپ کے عدم علم ہی کی وجہ سے تھا اور حضرت زید رضؓ کے دعویٰ کو جھوٹا قرار دینا بھی آپ کی اصل واقعہ سے لاعلمی کی بنا پر تھا۔ لفظوں کے چکر سے حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ حقیقت آخر حقیقت ہی ہوتی ہے اور اجتہادی مسائل میں حاکم مجتہد پر شرعاً گرفت نہیں ہوتی بلکہ وہ خطا کی صورت میں بھی ماجور ہوتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس میں عتاب کیوں نازل ہوتا؟ ہاں پیغمبر سے اگر اجتہادی غلطی سرزد ہو تو اس کو خطا پر برقرار نہیں رکھا جاتا (بخلاف دیگر مجتہدین کرام رحؒ کے) اسلئے اللہ تعالیٰ نے وحی جلی کے ساتھ اپنی محکم کتاب میں سورت المنافقون نازل فرما کر آپؐ کو غلطی پر آگاہ کر دیا۔ باقی صوفی صاحب کا یہ دعویٰ کہ یہ صریح کذب ہے، ان دونوں باتوں کا روایات میں بالکل ذکر نہیں، ایک خالص جاہلانہ دعویٰ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کتب حدیث شریف سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ہے۔ صرف جواہر البحار اور مواہب لدنیہ وغیرہ کتابوں تک ہی ان کی دسترس ہے۔ خود حضرت زید رضؓ کی روایت میں ہے کہ:۔

فحدثته فارسل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی عبد اللہ بن اُبیّ واصحابہ فحلفوا ما قالوا فکذبنی رسول اللہ

مَیں نے آپؐ کو یہ واقعہ بتلایا۔ پس آپؐ نے عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی طرف پیغام بھیجا۔ انھوں نے قسم اٹھائی کہ انھوں نے کچھ بھی نہیں

صلی اللہ علیہ وسلم وصدقہ فاصابنی ھم لم یصبنی مثلہ قط فجلست فی البیت فقال لی عمی ما اردت الی ان کذبك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومقتك فانزل اللہ تعالیٰ اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ فبعث الیّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقرأ فقال ان اللہ قد صدقك یا زید۔

(بخاری ج ۲ ص ۷۲۷)

کہا۔ سو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور ابن اُبی کو سچا قرار دیا۔ اس پر مجھے اتنا غم ہوا کہ مجھے کبھی ایسا غم نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے گھر ہی میں بیٹھ گیا۔ مجھے میرے چچا نے کہا کہ تو نے کیا ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجھے جھوٹا قرار دیا اور تجھ سے ناراض بھی ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون نازل فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری طرف پیغام بھیجا (میں پہنچا) تو آپ نے یہ سورت پڑھی اور فرمایا کہ اے زید رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے تجھے سچا قرار دیا ہے۔

اور ان کی دوسری روایت میں ہے:۔

فحلفوا ما قالوا فصدقھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکذبنی الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۷۲۸)

تو ان منافقین نے قسم اٹھائی کہ انھوں نے یہ باتیں نہیں کہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو سچا اور مجھے جھوٹا قرار دیا۔

صوفی صاحب! انصاف اور حیا کو پیشِ نظر رکھ کر بتائیں کہ بخاری شریف کی روایت میں فکذبنی اور ومقتك کے الفاظ موجود ہیں یا نہیں؟ اور کیا ان روایات میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دینے اور ان سے ناراض ہونے کا صریح الفاظ میں ذکر ہے یا نہیں؟ صوفی صاحب کس بے حیائی اور ڈھٹائی سے آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ صریح کذب ہے اور ان دونوں باتوں کا روایات میں بالکل ذکر نہیں ہے۔ صوفی صاحب! معاف رکھنا آپ نے اپنے کامل استاد سے بس یہی سبق سیکھا ہے کہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کو (معاذ اللہ تعالیٰ) توڑ مروڑ کر اپنے باطل عقیدہ اور مرضی کے مطابق کر دیا جائے یا سرے سے ان کا انکار ہی کر دیا جائے اور ضعیف

اور بے اصل روایات اور حلبی اور صاوی کی عبارات کو حرزِ جان بنا کر اُن پر ایسا ڈٹا جائے کہ زمین جنبد نہ جنبد گل محمد۔ یہ وتیرہ آپ کو اور آپ کے اُستادوں کو مبارک ہو۔

ے
واصل اب ممکن نہیں اس کا زوال
دل میں پیوستہ محبت ہوگئی

برخود غلط اس کے بعد صوفی صاحب نے اَلَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَیَقُوْلُوْنَ ھُوَ اُذُنٌ الآیۃ نقل کر کے تفسیر خازن معالم التنزیل اور تفسیر مدارک ج۲ ص۱۰۲ سے اور حتیٰ کہ اپنی پیاری اور مفرح قلب تفسیر صاوی ج۲ ص۱۳۲ سے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں منافقین کی شرارتوں اور بدباطنیوں کا ذکر کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ موجودہ زمانے کے منافقین بھی اور سابق زمانہ کے منافق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحیمی و کریمی سے غلط نتیجے نکالتے ہیں اور نکالتے تھے اور پھر موج میں آ کر لکھتے ہیں اگر صرف قرآن مجید کی اس مذکورہ آیت مبارک (صوفی صاحب کی علمِ نحو سے واقفیت تو اتنی ہے کہ صفت و موصوف کی مطابقت کا بھی پتہ نہیں۔ صفدر) اور مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذکورہ اقوال کو ہی پیشِ نظر رکھ لیا جائے تو بھی خانصاحب کی تمام تسوید النواظر کا صفایا ہو جاتا ہے اور کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ (محصلہ ص۱۲۱ تا ص۱۲۵)

الجواب:۔ صوفی صاحب یقین جانیئے کہ تبرید النواظر میں پیش کردہ آیات قطعیات اور احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء کرام رح کے صریح فتووں کا جواب ان منافقانہ باتوں سے ہرگز نہیں ہو سکا اور نہ ہو سکتا ہے۔ تبرید النواظر میں پیش کردہ دلائل تا ہنوز ہمالیہ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑے اور ثابت ہیں۔ آپ تو کیا آپ کے روحانی آباء بھی ان کے جوابات سے قطعاً قاصر اور یقیناً عاجز ہیں۔ ہاں جی بہلانے کو کسی عذرِ لنگ کا نام جواب رکھ لینا اور بات ہے بقول غالبؔ مرحوم ع

دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

نیز صوفی صاحب ہی از راہِ دیانت یہ بتائیں (بشرطیکہ دیانت نام کی کوئی چیز انکے نزدیک ہو بھی)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث کے انکار کرنے سے آپؐ کی شان رحیمی وکریمی منکر کے حق میں باقی رہ جاتی ہے؟ اور کیا آپؐ کی صحیح حدیث کے موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے الفاظ کو کذب صریح کہنے سے آپؐ کے ادب و احترام میں کوئی فرق تو نہیں آیا ہوگا؟ اور کیا آپؐ کی اس صریح حدیث سے غلط نتیجہ اخذ کرنا منافقوں کا کام تو نہیں ہے؟ اور کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے اذیت تو نہ پہنچی ہوگی؟ الغرض اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر میں پیش کردہ تفسیروں کا پورا مفہوم صوفی صاحب پر فٹ بیٹھتا ہے اور اپنے تعصب اور سوءِ مزاج سے جو جو منافقانہ علامتیں وہ دوسروں پر فٹ کرنا چاہتے تھے وہ خود انکا شکار ہیں سچ ہے

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو خود ہی اپنے دام میں صیاد آگیا

دجل

صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ ہم نے قرآن مجید سے دلیل قطعی نقل کی ہے (وَ یُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ) جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایمان داروں کی باتوں پر ہی یقین رکھتے ہیں لہٰذا خانصاحب جب تک قرآن مجید یا حدیث متواتر سے ثابت نہ کریں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منافقوں کی باتوں پر ایمان لاتے تھے تو اسی نوعیت کا کوئی اعتراض مسموع نہ ہوگا بلکہ مردود قرار دیا جائے گا۔ (بلفظہٖ ص ۱۲۵)

الجواب:۔ صوفی صاحب! قطع نظر مسجد ضرار کے واقعہ کے، اور غزوۂ تبوک میں منافقین کے جھوٹے بہانوں میں ان کو سچا سمجھ کر ان کو عدم شرکت کی اجازت دینے کے واقعات کے، جو قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ میں بیان ہوئے ہیں، کیا سورۂ منافقون قرآن مجید کی سورت نہیں ہے؟ اور کیا اس سورت اور بخاری شریف کی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہو چکا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھوٹے منافقوں کو ان کی قسموں اور ان کے بیان سے سچا سمجھ لیا تھا؟ اور کیا آپؐ نے ان کی باتوں کی تصدیق نہیں کی تھی؟ صوفی صاحب آپ کس جہان میں رہتے ہیں اور کیوں بے عقلی کی باتوں پر آپ نے کمر باندھ لی ہے؟ کچھ تو خاق۔

اور مخلوق سے شرم کریں اور پھر آپ کو یہ بات لکھتے ہوئے بھی شرم نہ آئی کہ "لہذا خانصاحب جب تک قرآن مجید یا حدیث متواتر سے ثابت نہ کریں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منافقوں کی باتوں پر ایمان لاتے تھے" الخ۔ صوفی صاحب اگر آپ کو عداوت ہے تو خانصاحب سے ہوگی، اور اگر آپ نیچا دکھانا چاہتے ہیں تو خان صاحب کو دکھانا چاہتے ہوں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ جملہ آپ کے ناپاک قلم سے کیسے صادر ہوا کہ آپ منافقوں کی باتوں پر ایمان لاتے تھے" الخ۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) تف ہے اس عقیدت اور بناوٹی ومصنوعی تصوف پر، جو آپ کو حاصل ہوا ہے۔ کسی کی بات کی تصدیق کرنے اور اس پر یقین کرنے کا اور معنیٰ ہے اور اس کی بات پر ایمان لانے کا اور مفہوم ہے۔ جیسا کہ آپ نے وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ میں تصدیق اور یقین کے معنی کئے ہیں۔ یہاں آپ کو کیوں سانپ سونگھ گیا ہے؟ یہاں تو بہت زیادہ احتیاط کا مقام تھا مگر مبتدعین کو اس سے کیا؟ وہ تو اسکا مصداق ہیں کہ

پہلو میں میرے وہ دلِ ناپاک ہے حضور
میں پاس بیٹھنے کے بھی قابل نہیں رہا

تحریمِ شہد کا واقعہ

اصل واقعہ قرآنِ کریم اور صحیح احادیث میں بیان ہوا ہے۔ اور علم غیب اور حاضر و ناظر کی نفی کے استدلال میں جس حد تک اس کی تشریح وتفصیل کی ضرورت تھی، وہ تبرید النواظر میں نقل کردی گئی ہے وہاں ہی اس کا مطالعہ فرمائیں۔ صوفی صاحب نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں کہ "جواب:- شہد حرام کرلینے کی وجہ تو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادی تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ باقی رہی یہ بات کہ بیویوں کی سازش کا علم نہ ہونا، یہ مردود ہے کیونکہ رؤف و رحیم ذات تو منافقوں کے راز فاش نہ فرماتے تھے بلکہ کریمانہ رویہ ہی اختیار فرماتے تھے جیسا کہ ہم قرآن مجید سے ثابت کر آئے ہیں تو وہ ذات مومنات بلکہ اپنی ازواج پاک کے ساتھ اپنی شان کریمی کے خلاف کیونکر برتاؤ کرتے۔ دوسرا واقعہ

اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا (الی آخرہ) یہ اسی نوعیت کا ہے۔ (انتہیٰ بلفظہٖ ص۱۲۵، ص۱۲۶)۔

الجواب:۔ صوفی صاحب نے جس تلبیس کے ساتھ یہاں دامن چھڑانے کی ناکام کوشش کی ہے وُہ بے حد مذموم ہے اور اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں۔ اولاً اس لئے کہ صوفی صاحب کی گردن پر یہ سوال ابھی تک باقی ہے کہ بیویوں کی اس سازش کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کس دلیل سے ثابت ہے؟ وہ دلیل درکار ہے۔ وثانیاً اِذْ اَسَرَّ الاٰیۃ کے آخر میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی ایک زوجۂ مطہرہ رضہ سے فرمایا کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا۔ انھوں نے غلطی کی اور بتا دی۔ جب آپ نے اس بات کا کچھ حصہ اپنی زوجۂ مطہرہ رضہ کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے خبر دی ہے۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ آپ کو اللہ تعالےٰ کے بتلانے سے پہلے یہ بات بھی معلوم نہ تھی اور نہ اس زوجۂ مطہرہ رضہ کا آپ کے بارے میں علم غیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ تھا جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔ اور اگر آپ کو بیبیوں کی سازش کا علم ہوتا تو آپ کبھی بھی شہد کو اپنی ذات کے لئے حرام نہ کرتے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ نازل ہوتی یہ صوفی صاحب کا کمال ہے کہ وہ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ الاٰیۃ کا آخری حصہ بیان نہیں کرتے اور صرف الیٰ آخرہ لکھ کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور "یہ اسی نوعیت کا ہے" لکھ کر اپنی جان چھڑاتے ہیں۔ مگر ان کو کون چھوڑتا ہے؟ وثالثاً ان کا یہ لکھنا کہ آپ منافقوں کے راز بھی فاش نہ کرتے تھے الخ اس سے اُن کی کیا مُراد ہے؟ اگر یہ مطلب ہے کہ آپ نے کبھی بھی منافقوں کے راز فاش نہیں کئے تو یہ بالکل غلط ہے۔ آپ اللہ تعالےٰ کے سچے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم نازل ہوتا تھا۔ آپ اس کو بیان فرمانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے تھے۔ صوفی صاحب سورۃ التوبہ اور سورۃ المنافقون ہی پیشِ نظر رکھتے اور پھر دیکھتے کہ کیا آپ کے ذریعہ منافقوں کے راز طشت از بام ہوئے ہیں یا نہیں؟ ورابعاً ان کا یہ کہنا کہ پھر آپ اپنی ازواج مطہرات رضہ کے ساتھ شان

کریمی کے خلاف کیوں برتاؤ کرتے ؟ یہ بھی صوفی صاحب کا علمی مغالطہ ہے۔ کئی مقامات پر آپؐ نے حضرات ازواج مطہرات رضؓ سے صریح طور پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ نان ونفقہ کی فراخی کے سلسلے کا مطالبہ جب ازواج مطہرات رضؓ کی طرف سے ہوا تو آپؐ ان سے سخت ناراض ہو کر ایک مہینہ مسجد کے بالاخانہ میں تشریف لے گئے۔ اکیسویں ۲۱ پارے کا آخری رکوع اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور بخاری وغیرہ (مثلاً ج ۲ ص ۷۸۲ وغیرہ) میں اس سخت ناراضگی کی تصریح موجود ہے، اور اسی طرح ایک موقع پر آپؐ حضرت زینبؓ سے ناراض ہو گئے اور کئی ماہ تک ان سے گفتگو تک نہ فرمائی۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۶ و مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۳ وغیرہ) الغرض آپؐ کی شانِ کریمی بالکل بجا ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرات ازواج مطہراتؓ یا دیگر مجرموں کو ان کے جرائم پر تنبیہ بھی نہ کی جائے اور معاملہ جوں کا توں راز میں رکھا جائے جس سے مفاسدِ کثیرہ رونما ہوں۔ غرضیکہ سورۂ تحریم کے اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب، حاضر وناظر اور مختارِ کل ہونے کی صراحۃً نفی ثابت ہے جس کا کوئی جواب صوفی صاحب نہیں دے سکے اور نہ دے سکتے ہیں محض عوام کو فریب دینے کے درپے ہیں مگر حق پر کب تک پردہ ڈالا جا سکتا ہے ؟ ؎

باغباں سے بلبل وگل نے چھپایا تھا جسے
سن رہے ہیں پتہ پتہ سے وہی افسانہ ہم

میں نہ مانوں

تبرید النواظر میں قرآن کریم کی اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ الآیات نقل کر کے حدیث کی روشنی میں بشیر نامی منافق کی چوری کا واقعہ نقل کر کے اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب اور حاضر وناظر کی نفی پر استدلال کیا گیا تھا۔ اصل واقعہ تبرید النواظر میں ملاحظہ فرمائیں۔ تبرید النواظر کی کچھ عبارت نقل کر کے صوفی صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ اصل روایت جو کہ تمام مفسرین قرآن نے نقل فرمائی ہے، وہ یہ ہے (ترجمہ صوفی صاحب کا ہے) ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ

آیت ایک مرد انصاری طعمہ نامی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے اپنے پڑوسی قتادہ کی زرہ چرائی تھی جو کہ ایک تھیلے میں تھی اور اس میں آٹا بھی تھا۔ پس وہ آٹا تھیلے کے سوراخ سے اس کے گھر تک گرتا چلا گیا۔ پھر اسے وہ زید نامی یہودی کے پاس چھپا آیا۔ جب طعمہ سے زرہ طلب کی گئی۔ اس نے قسم کھائی کہ میں نے نہیں لی اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے۔ زرہ کے مالکوں نے کہا کہ ہم نے آٹے کا نشان اس کے گھر تک دیکھا ہے لیکن حلف اٹھا لینے پر اسے چھوڑ دیا۔ پھر آٹے کے نشان کے پیچھے پیچھے یہودی کے گھر پہنچے۔ اُسے باہر نکالا۔ اس نے کہا کہ یہ تو میرے پاس طعمہ کے گھرانے کے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے (فجاء بنو ظفر وھم قوم طعمۃ الخ کے الفاظ کا ترجمہ صوفی صاحب سے چھوٹ گیا ہے یا پی گئے ہیں) اور کہا کہ آپ ہمارے آدمی کی طرفداری کریں۔ اگر آپؐ ایسا نہ کریں گے تو وہ رسوا ہوگا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی پر مواخذہ کرنے کا قصد کیا۔ پھر صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ اصل روایت بھی ملاحظہ فرمائیں اور خان صاحب کے تحریر کردہ الفاظ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقوں کو سچا سمجھ لیا اور حضرت قتادہ رضؓ کو جھوٹا سمجھ کر سخت لہجہ میں جھڑکا) بھی ملاحظہ فرمائیں حالانکہ مفسرین فرماتے ہیں (ترجمہ صوفی صاحب کا ہے) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات سے آپؐ کو منع فرمایا وہ نہیں کی تھی۔ (ترجمہ صوفی صاحب نے غلط کیا ہے صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منع کیا گیا تھا وہ آپ نے نہیں کی) اور نہ ہی طعمہ کی طرف سے آپؐ نے جھگڑا کیا تھا۔ جب آپؐ سے مطالبہ کیا گیا کہ طعمہ سے پھیر کر چوری یہودی کے ذمے لگا دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر رہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی (خازن شریف ج ۱ ص۴۹۴۔ تنویر الخواطر ص۱۲۷ وص۱۲۸)

الجواب:۔ صوفی صاحب اور ان کے استاد مولوی محمد عمر صاحب کے نزدیک کچھ نہ کچھ کہہ دینا اور لکھ دینا ہی استدلال یا جواب تصور ہوتا ہے، فٹ آئے یا نہ آئے اس سے ان کو کوئی غرض نہیں ہوتی۔ صرف خاموش رہنا ان کے نزدیک جرم ہے۔ یہاں بھی انہوں

نے یہی وتیرہ اختیار کیا ہے مگر بالکل بے سود ہے اولاً اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی کی مفصل روایت میں یہ بھی موجود ہے جس کو صوفی صاحب شیر شیریں سمجھ کر نگل گئے ہیں۔

فَانْطَلَقُوْا الی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلاً فقالوا یا نبی اللہ ان صاحبنا بری وان صاحب الدرع فلان وقد احطنا بذلک علماً فاعذر صاحبنا علی رؤس الناس وجادل عنہ فانہ ان لم یعصمہ اللہ بک یھلک فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبرأہ وعذرہ علی رؤس الناس فانزل اللہ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ الآیۃ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵۱ طبع مصر)

پس وہ لوگ رات کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گئے اور انھوں نے کہا۔ یا نبی اللہ! بے شک ہمارا ساتھی چوری سے بری ہے اور زرہ تو فلاں شخص کے پاس ہے اور ہم اس کے پورے معلومات کر کے آئے ہیں، تو آپ لوگوں کے سامنے ہمارے ساتھی کو معذور کر دیں اور اس کی طرف سے مدافعت کریں کیونکہ آپ کی وجہ سے اگر اللہ تعالےٰ نے اس کو نہ بچایا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پس آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے اس کو بری اور معذور کر دیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ الآیۃ نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی کی اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منافقین کی اس غلط بیانی اور مکاری سے متاثر ہو کر بشیر منافق کو چوری سے بری قرار دیا اور بھری مجلس میں اس کے معذور ہونے کا اعلان فرمایا۔ اب صوفی صاحب ہی بتائیں کہ کیا اس روایت کے رُو سے آپ نے جھوٹے اور چور کو سچا نہیں سمجھا تھا؟ وثانیاً حضرت قتادہ رضی کو سخت لہجے میں جھڑکنے کا ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ خود حضرت قتادہ رضی بن النعمان کی طویل حدیث میں یہ بھی مذکور ہے:۔

قال قتادۃ فاتیت رسول اللہ صلے اللہ

حضرت قتادہ رضی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم فکلمتہ فقال عمدت الیٰ اھل بیت ذکر منھم اسلام وصلاح ترمیھم بالسرقۃ علیٰ غیر ثبت ولا بینۃ قال فرجعت ولوددت انی خرجت من بعض مالی ولم اکلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک الحدیث (ترمذی ج ۲ ص ۱۲۹)

تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا پس میں نے آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے ایسے گھرانے کی طرف قصد کیا جن کا اسلام اور صلاحیت ذکر کی جاتی ہے تو نے بغیر ثبوت اور بغیر گواہوں کے ان پر چوری کا الزام لگایا۔ حضرت قتادہ رض فرماتے ہیں پس میں لوٹ آیا اور میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے بعض مال سے محروم ہو جاتا اور اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو نہ کرتا۔

اور ان کی ایک روایت میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :۔

وجئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکلمتہ فجبھنی جبھا شدیدا وقال بئس ماصنعت وبئس ما مشیت فیہ عمدت الیٰ اھل بیت منکم اھل حسب وصلاح ترمیھم بالسرقۃ وتابنھم فیھا بغیر بینۃ ولا تثبت فسمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما اکرہ الحدیث (مستدرک ج ۴ ص ۳۸۶)

میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے گفتگو کی تو آپ نے مجھے بڑی سختی سے جھڑکا اور فرمایا۔ تو نے بہت ہی برا کیا ہے اور بری ہے وہ کارروائی جس کے لئے تو چلا ہے۔ کیا تو نے اپنے میں سے ایک ایسے گھرانے کی طرف قصد کیا جو حسب و صلاحیت والا ہے۔ تو نے اس پر چوری کا الزام لگایا اور بغیر گواہوں اور ثبوت کے تو نے ان پر چوری کا اتہام لگایا الغرض میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وہ کچھ سنا جس کو میں پسند نہ کرتا تھا۔

فرمایئے متوفی صاحب! جو الفاظ خان صاحب نے نقل کئے ہیں وہ حدیث میں ہیں یا نہیں؟ دل کی کہنا؟ یہ روایت درِ منثور۔ ج ۲ ص ۲۱۶ وغیرہ میں بھی بسط سے بیان ہوئی ہے۔

اور صوفی صاحب نے بزعم خود جو روایت تمام مفسرین قرآن سے نقل کی ہے اسکے آخر میں یہ بھی ہے کہ:۔

فھم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان یعاقب الیھودی۔ پس رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودی پر مواخذہ کرنے کا قصد کیا۔

سوال یہ ہے کہ جب اس چوری میں اُس یہودی کا کوئی جرم اور قصور نہ تھا تو آپؐ نے علم غیب حاصل ہونے اور حاضر وناظر ہونے کے باوجود اس یہودی کو سزا دینے کا قصد کیوں کیا؟ اگرچہ آپؐ نے پہلے یہودی پر مواخذہ کرنے کا قصد فرمایا لیکن اس کو عملی جامہ نہیں پہنایا اور اس میں توقف کیا جیساکہ صوفی صاحب کے نقل کردہ تفسیر خازن کے حوالہ سے ظاہر ہے اور خود صوفی صاحب تفسیر خازن کی عبارت کا مطلب بالکل نہیں سمجھے۔ دراصل یہاں تین امر ہیں۔ ایک یہ کہ منافق چور کو اس کی منافق برادری کے بیانات کے پیش نظر آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چوری سے بری الذمہ قرار دینا۔ اس کا ثبوت آپ پڑھ چکے ہیں۔ دوسرا حضرت قتادہ رضؓ کو زوردار الفاظ میں جھڑکنا۔ یہ بھی ثابت ہے اور اس کا حوالہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اور تیسرا اس چوری کو یہودی کے گلے مڑھ دینا۔ اس میں آپ نے توقف کیا ہے اور خازن کی عبارت کا یہی مطلب ہے۔ صوفی صاحب اس کو دوبارہ پڑھ لیں یا کسی قابل اُستاد سے سمجھ لیں ؎

علومِ ظاہری کے بحر میں غوطہ لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہے دِل طاہر نہیں ہوتا

ہوائی فائر

صوفی صاحب بخیال خویش مذکورہ حوالے پیش کرنے کے بعد اپنی تحقیق انیق کا نچوڑ اور خلاصہ یُوں نکالتے ہیں۔ خانصاحب کا اعتراض چند وجوہ کی بنا پر مردود ہے۔ اولؔ یہ کہ ہماری پیش کردہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ طعمہ کے ساتھیوں کا مطالبہ کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منع فرما دیا۔ تیسرے یہ کہ جب آپؐ کو یہ پتہ ہی نہ تھا کہ خائن کون ہے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان لا تکن للخائنین خصیما یہ تکلیف مالایطاق ہے تو چاہیئے تھا کہ پہلے فریقین کے حال سے آگاہ کیے جاتے پھر حکم

صادر ہوتا۔ چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان لا تجادل عن الذین یختانون انفسھم اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باطنی خیانتوں سے آگاہ ہیں۔ باقی رہا اللہ تعالیٰ کا فرمان واستغفر اللہ وہ اس لئے تھا کہ آپ اپنی شانِ رحیمی وکریمی کے تقاضہ کی بنا پر طعمہ کے ساتھیوں کا مطالبہ پورا کرنے کی طرف مائل ہو گئے تھے تو یہ سب آپ کے منصبِ عالی کی بنا پر آپ کے حق میں ذنب کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ انتہی بلفظہ ص۱۲۹

الجواب:۔ اس مضمون میں بھی صوفی صاحب نے اپنی عادتِ مألوفہ کے مطابق دفع الوقتی، علمی خامی اور تضاد بیانی کا واضح ثبوت دیا ہے۔ ترتیب وار جواب ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر ۱:۔ راقم کا پیش کردہ استدلال بحمد اللہ تعالیٰ نص قرآنی کے عین مطابق ہے وہ کسی طرح اس کے خلاف نہیں اور روایات حدیثیہ وتفسیریہ اس کی مؤید ہیں۔ تبرید النواظر میں استدلال کی عبارت کو نص قرآنی سے ملا کر دیکھیں، انشاء اللہ تعالیٰ سرِ مو بھی اس میں مخالفت نہیں ہے مگر علم دیانت اور انصاف شرط ہے۔

نمبر ۲:۔ آپ حدیث کے حوالہ سے یہ پڑھ چکے ہیں کہ طعمہ کے ساتھیوں نے رل مل کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے طعمہ کی برأت کا مطالبہ کیا تھا اور آپ نے اس کو مجمع عام میں بری قرار دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہی اس کے بعد نازل ہوئی۔ ہاں تفسیر خازن کے حوالہ کے پیشِ نظر طعمہ کے ساتھیوں کے اس مطالبہ کو آپ نے پورا نہیں کیا تھا کہ چوری کا الزام یہودی پر رکھ دیں جیسا کہ بقدرِ ضرورت پہلے گزر چکا ہے۔

نمبر ۳:۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی صوابدید کے مطابق طعمہ اور اس کے ساتھیوں کو سچا سمجھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقتِ حال سے آگاہ فرمایا کہ وہ لوگ خائن ہیں آپ ان کا ساتھ نہ دیں اور نہ ان کی طرف سے جھگڑا کریں۔ اس میں کونسی تکلیف مالایطاق ہے؟ باقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہی کا نزول شرعاً وعقلاً وعرفاً ہرگز اس پر موقوف نہیں کہ پہلے آپ ان کو خائن جانتے پھر نہی نازل ہوتی، جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔ نیز صوفی صاحب کا یہ

جملہ بھی نہایت مہمل اور جہالت کا پلندہ ہے کہ پہلے فریقین کے حال سے آگاہ کیے جاتے پھر حکم صادر ہوتا۔ یہ کس علم اور اصول کا مسئلہ ہے؟ کہ نہی میں پہلے آگاہ کیا جائے پھر حکم صادر ہو؟ صوفی صاحب! آپ قرآن کریم اور حدیث شریف کے نواہی میں کہاں کہاں اس خودساختہ ضابطہ کو فٹ کریں گے؟

نمبر۴: صوفی صاحب بھی اپنے بڑوں کی طرح مجموعۂ تضاد ہیں۔ کبھی تو وہ لکھتے ہیں کہ جب آپ کو یہ پتہ ہی نہ تھا کہ خائن کون ہے الخ۔ اور کبھی یہ بے بنیاد دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باطنی خیانتوں سے آگاہ ہیں۔ معلوم نہیں اِن میں اُن کا کون سا قول سچا ہے؟ صوفی صاحب کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باطنی خیانتوں سے آگاہ تھے تو قرآن کریم کی یہ آیات جو دو رکوع پر مشتمل ہیں، کیوں نازل ہوئیں؟ ہمارے نزدیک تو بات بالکل واضح ہے کہ آپ کو خیانت کاروں کا علم نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو انکی خیانتو سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ ان کی طرف سے آپ جھگڑا نہ کریں کیونکہ وہ خیانت کار ہیں۔ صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ "واستغفر اللہ" کہ وجہ یہ ہے کہ آپ طعمہ کے ساتھیوں کا مطالبہ پورا کرنے کی طرف مائل ہو گئے تھے، اس لئے آپ کے منصبِ عالی کے پیشِ نظر یہ بھی ذنب کی حیثیت رکھتا تھا، لہٰذا اس کا حکم ہوا (محصلہ) تو یہ محض رجمًا بالغیب ہے کیونکہ آپ باحوالہ یہ پڑھ چکے ہیں کہ آپ نے طعمہ کے ساتھیوں کا یہ مطالبہ کہ طعمہ چوری سے بری الذمہ ہے، بالکل پورا کر دیا تھا۔ نہ یہ کہ صرف آپ اس کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ گویہ آپ کی اجتہادی لغزش تھی جو نہ صغیرہ کی مد میں ہے نہ کبیرہ کی مد میں لیکن آپ کے منصبِ عالی کے پیشِ نظر اس پر بھی استغفار کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ دیگر ایسے متعدد مقامات میں ہوا ہے۔ ؎

کچھ نہ پوچھو کیا ہوا کیونکر ہوا
اس کو پوچھو آشنائے راز سے

مسجدِ ضرار صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ مسجدِ ضرار کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کریمانہ طور پر ان کی حقیقت سے پہلو تہی فرماتے ہوئے وہاں پر نماز پڑھ لیتے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ تھی۔ لہٰذا ان کی قسموں کے خلاف خود گواہی دے دی۔ تاکہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روکنے کی بنا قائم ہو باقی اُن کو سچا جان لینا نص قرآنی یومن للمؤمنین کے خلاف ہے لہٰذا استدلال مردود ٹھہرا۔ انتہٰی بلفظہٖ (ص ۱۲۹)

الجواب: لایعنی باتیں کرنے والے تو دُنیا میں بے شمار لوگ ہیں لیکن اس فن میں جو مہارت مفتی صاحب اور ان کے آنجہانی اُستاد کو حاصل ہے وہ صرف اُنہی کا حصہ اور قسمت ہے۔ اس مقام پر بھی انھوں نے بہت کچھ کیا ہے مگر یہ لایعنی باتیں سراسر مردود ہیں۔ اوّلاً اسلئے کہ قرآن کریم کی یہ آیات کریمات صراحت کے ساتھ صاف طور پر بتلاتی ہیں کہ ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد ضرار کے بارے میں منافقوں کے وہ باطل نظریات معلوم نہ تھے، جن کے تحت انھوں نے یہ مسجد بنائی تھی۔ انھوں نے اس مسجد میں نماز کی افتتاح کیلئے وعدہ لیتے وقت اپنی درخواست پر جو لیبل لگایا تھا وہ یہ تھا کہ یا رسُول اللہ ہم نے مسجد بنائی ہے تاکہ بیمار، ضرورت مند اور بارش سردی کی رات لوگ وہاں نماز پڑھ سکیں۔ ہم استدعا کرتے ہیں کہ آپ ضرور تشریف لائیں اور اس میں نماز پڑھیں تاکہ اس میں برکت ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں (غزوہ تبوک کے) سفر کے لئے پابرکاب ہوں اور مصروف ہوں۔

ولو قد قدمنا ان شاء اللہ تعالیٰ اتیناکم فصلینا لکم فیہ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۸)	اگر ہم غزوہ سے واپس آگئے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم تمہارے پاس آئیں گے اور تمہیں نماز پڑھائیں گے

اتنی تفصیل کے ہوتے ہوئے بھی یہ دعویٰ کرنا کہ آپؐ کو اصل حقیقت معلوم تھی لیکن کریمانہ طور پر پہلو تہی فرماتے رہے، علم و تحقیق کا منہ چڑانا ہے وثانیاً اسکی بھی تصریح موجود ہے

فلما اقفل علیہ السلام راجعًا الی المدینۃ من تبوک ولم یبق بینہ وبینھا الا یوم او بعض یوم نزل علیہ جبرائیل بخبر	کہ جب آپؐ تبوک سے مدینہ طیبہ کی طرف واپس لوٹے اور مسجد ضرار میں نماز پڑھنے کے وعدہ میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو حضرت جبرائیل

مسجد الضرار وما اعتمدہ بانوہ من الکفر والتفریق بین جماعۃ المؤمنین الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۹)

علیہ السلام نازل ہوئے اور انھوں نے آپ کو مسجد ضرار کی غرض اور اس کے بنانے والوں نے کفر اور مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اسکی خبر دی۔

یہ روایت صاف طور پر بتلاتی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے سے قبل آپ کو مسجد ضرار کی غرض وغایت اور اصل حقیقت معلوم نہ تھی مگر صوفی صاحب کے گونگے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ کو علم تھا مگر کریمانہ طور پر آپ پہلو تہی فرما رہے تھے۔ وثالثاً اور ایک روایت میں اسطرح آتا ہے کہ آپ نے ان منافقین کے سرغنہ یخدج سے دریافت فرمایا کہ اس مسجد سے تمھارا کیا مقصد ہے؟ تو اس نے کہا: یارسول اللہ

واللہ ما اردت الا الحسنیٰ وھو کاذب فصدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (درمنثور ج ۳ ص ۲۷۶)

خدا کی قسم میرا مقصد اس مسجد کی تعمیر سے صرف نیکی ہے۔ حالانکہ وہ جھوٹا تھا مگر آپ نے اس کو سچا سمجھ کر اس کی تصدیق فرمادی۔

الغرض نصوص قرآنیہ احادیث اور روایات تفسیریہ اس حقیقت کو بالکل الم نشرح کرتی ہیں کہ مسجد ضرار کی حقیقت کو آپ پہلے نہ جانتے تھے اور اسی وجہ سے آپ نے اس مسجد میں نماز پڑھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا یا آپ حاضر وناظر ہوتے تو آپ پر ان کا کوئی منصوبہ اور میٹنگ مخفی نہ رہتی۔ آخر میں جب حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور آپ پر مسجد ضرار کی غرض وغایت ظاہر ہوئی تو آپ نے اس کو جلانے کا حکم دیا اور اس کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ تبرید النواظر میں اختصاراً باحوالہ اس کا ذکر ہے۔ ورابعاً صوفی صاحب کا یہ لکھنا کہ "باقی ان کو سچا جان لینا نص قرآنی یؤمن للمؤمنین کے خلاف ہے لہٰذا اعتراض مردود ٹھہرا" خود مردود ہے کیونکہ نص قرآنی اور حدیث اور تفسیری روایات اس امر کو صاف طور پر متعین کرتی ہیں کہ آپ نے ابتداء میں ان منافقین کو سچا سمجھ کر مسجد ضرار میں نماز پڑھانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اگر حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل نہ ہوتے تو آپ ضرور اپنا وعدہ پورا کر دیتے۔

رہا صوفی صاحب کا یُؤمن للمؤمنین کے مفہوم مخالف سے استدلال کرنا تو یہ مختلف فیہ ہونے کے علاوہ یہاں بالکل غیر متعلق ہے، خود اسی واقعہ میں اور دیگر سابق واقعات میں اسکی تصریح گزر چکی ہے کہ آپ نے متعدد مقامات پر اپنی صوابدید کے مطابق منافقوں کو سچا سمجھا جب وحی الٰہی نازل ہوئی تو پھر آپ پر اصل حقیقت منکشف ہوئی۔ صوفی صاحب! کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے کچھ نہیں بنتا اور نہ اس طرح حقیقت کو سراب بنایا جاسکتا ہے ؎

مانیں جو اب بھی حق تو یہ ہے آپ کا کرم
حق یہ ہے حق تو کچھ تجھے حاصل نہیں رہا!

سرکش منافقوں کی عدم شناخت

تبرید النواظر میں وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ الآیۃ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی پر استدلال کیا گیا تھا۔ اصل استدلال تبرید النواظر میں ملاحظہ فرمائیں۔ صوفی صاحب نے اس استدلال کے دو جواب دیئے ہیں پہلے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ محمد میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰکَھُمْ فَلَعَرَفْتَھُمْ بِسِیْمٰھُمْ الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان منافقوں کو خوب پہچانتے تھے اور وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کو نہیں جانتے تھے لہٰذا دونوں آیتوں میں تطبیق ضروری ہے اور مفسرین کرام رح نے فرمایا ہے کہ نفی علم بالدلائل کی ہے اور ثبوت علم بالفراست کا ہے۔ آگے تفسیر بیضاوی، تفسیر خازن اور معالم التنزیل کے حوالوں سے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے اور معالم التنزیل کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضؓ نے فرمایا کہ سورۂ محمد کی آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منافقوں کی کوئی چیز بھی پوشیدہ نہ رہی۔ ثابت ہوا کہ نفی علم بالدلائل کی ہے نہ کہ معرفت اسرار کی۔ لہٰذا اس آیت سے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ محصلہ (ص۱۳۰، ص۱۳۱)۔

الجواب:۔ صوفی صاحب اور ان کے بڑوں سے سمجھ کی توقع ہی نہیں کیونکہ شرک و

بدعت کے ساتھ فہم و بصیرت کافور ہو جاتی ہے۔ قارئین کرام خود سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہاں نفی اور اثبات کا محل ایک نہیں تاکہ تعارض پیدا ہو اور پھر تطبیق کی ضرورت پیش آئے۔ نفی ہے علم کی اور اثبات ہے چہرے بشرے اور وضع قطع اور طرزِ گفتگو سے فراست کے ساتھ پہچاننے کی اور فراست ظن اور تجربہ کا نام ہے، علم نہیں ہے۔ الغرض وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ الآية میں علمِ قطعی کی نفی ہے اور اس کا اثبات قرآن کریم کی کسی دوسری آیت سے نہیں ہے۔ سورۂ محمد کی آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان منافقین کی ذوات اور اعیان ہم آپ کو بتا دیں (مگر ایسا کرنا خلافِ حکمت و مصلحت ہے) ہاں آپ ان کو وضع قطع اور بات کے ڈھب سے فراست سے پہچان لیں گے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض اور آپس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت میں علم کی نفی ہے اور دوسری آیت

لان هذا من باب التوسم فيهم بصفات يعرفون بها لا انه يعرف جميع من عنده من اهل النفاق والريب (تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۳۸۴)

توسم یعنی چہرے بشرے اور علامات سے پہچاننے کے بارے میں ہے کہ آپ ان کو ان علامات سے پہچانتے ہیں نہ یہ کہ تمام ان منافقین اور شک کرنے والوں کو جو آپ کے پاس ہیں، آپ پہچانتے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ ہی وَلَوْ نَشَاءُ لَاَرَيْنَاكَهُمْ الآية کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ولو نشاء يا محمد لاريناك اشخاصهم فعرفتهم عيانا ولكن لم يفعل تعالى ذلك فى جميع المنافقين سترا منه على خلقه وحملا للامور على ظاهر السلامة وردا للسرائر الى عالمها (تفسير ابن كثير ج ۴ ص ۱۸۰)

یعنی اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر ہم چاہیں تو منافقین کو ان کی شخصیتوں کے ساتھ متعین کر کے آپ کو دکھلا دیں اور آپ ان کو نام بنام پہچان لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام منافقوں کے بارے میں از روئے تستر اور امور کو ظاہری سلامت روی پر رکھتے ہوئے اور ان کے بھیدوں کو ان کے جاننے والے کے سپرد

کرتے ہوئے ایسا نہیں کیا۔

الغرض اس آیت کریمہ کا مسئلہ علم غیب اور حاضر و ناظر سے گہرا تعلق ہے بلکہ اس سے ان مسئلوں کی بالکل بیخ کنی ہو گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ صوفی صاحب میں نہ مانوں کی رٹ کو متاعِ عزیز سمجھ کر ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوں ؎

گم ہوا ہوں حسن کے انوار میں
محو رہتا ہوں خیالِ یار میں

صوفی صاحب کا دوسرا جواب۔ خانصاحب کے طرزِ استدلال پر یہ ہے کہ مقدم النزول سورت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ منافقوں کو ان کی علامتوں کے ذریعے پہچانتے ہیں اور چرب زبانی سے بھی پہچان لوگے اور مؤخر النزول سورۃ توبہ میں فرماتا ہے کہ بعض منافقوں کو آپ نہیں جانتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان میں ہی بعض منافقوں کا نفاق آپ سے مخفی تھا جن میں کوئی علامت بھی نفاق کی نہ تھی اور نہ ہی کوئی قول اور فعل ان سے ایسا سرزد ہوا تھا جو ان کے نفاق پر دلیل ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنا نفاق چھپانے میں کمال درجہ کے ماہر تھے۔ اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے اعمال سے بھی بے خبر تھے کیونکہ یہ بات تسلیم کرنا کہ ان کا نفاق درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا مگر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم نہ تھا۔ سو یہ بات مقدم النزول آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں منافقانہ علامتوں اور روش سے پہچان لینا ثابت ہے لہٰذا یہ مؤخر النزول آیت ہمارے عقیدہ کے خلاف نہیں کیونکہ حاضر و ناظر وہی دیکھتا ہے جو کسی سے وقوع میں آتا ہے۔ انتہیٰ (ملقطہ ص۱۳۱، ص۱۳۲)

الجواب: قارئین کرام بار بار اس کو پڑھیں اور ملاحظہ کریں کہ صوفی صاحب نے یہ کیا جواب دیا ہے؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان کے گلے میں لقمہ اٹکا ہوا ہے نہ نگلتے بنتی ہے اور نہ اگلتے۔ یا جیسے چور اور مفرور مجرم پولیس کے گھیرے میں آجائے تو اس کو راہِ فرار کہیں نظر نہیں آتی یہی حال صوفی صاحب کا ہے کہ نہ اقرار کر سکتے ہیں اور نہ انکار۔ ان کی

عبارت کو توجہ تو کیا سرسری پڑھنے سے بھی یہ تضاد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اس عبارت میں صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے اعمال سے بھی بے خبر تھے الخ، نہ معلوم یہ کس بات پر مبنی ہے؟ کیا منافقین کا اپنے نفاق پر ڈٹ جانا جس کو اللہ تعالیٰ نے مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ سے تعبیر فرمایا ہے، ان کا عمل نہ تھا اور کیا اس عمل کی آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر تھی؟ اگر تھی تو اللہ تعالیٰ نے کیوں لَا تَعْلَمُهُمْ فرمایا ہے؟ اسی طرح صوفی صاحب کا یہ لکھنا کہ "کیونکہ یہ بات تسلیم کرنا کہ ان کا نفاق درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا مگر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم نہ تھا سو یہ بات مقدم النزول آیت کے خلاف ہے کیونکہ اسی آیت میں منافقانہ علامتوں اور روش سے پہچان لینا ثابت ہے لہٰذا یہ مؤخر النزول آیت ہمارے عقیدہ کے خلاف نہیں الخ۔ اس عبارت میں صوفی صاحب نے معاذ اللہ تعالیٰ اللہ تعالےٰ کے صریح حکم لا تعلمھم کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارت سے بالکل ظاہر ہے۔ پھر منافقانہ علامتوں اور روش سے ان کو پہچاننا اور بات ہے اور علم کی نفی اور حقیقت ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لہٰذا ان کا تعارض پیدا کرنا، پھر مقدم اور مؤخر کا سوال اٹھانا علم و فہم سے کوسوں دور ہے۔ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مؤخر النزول آیت آپ لوگوں کے عقیدہ کے صرف خلاف ہی نہیں بلکہ آپ کے بے بنیاد اور باطل عقیدہ کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کی ضامن بھی ہے۔ آخر میں صوفی صاحب نے جو بات کہی وہ سب سے نرالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کیونکہ حاضر و ناظر وہی دیکھتا ہے جو کسی سے وقوع میں آتا ہے۔ صوفی صاحب کا اسی کتاب میں، جس کے ورق عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے بلا وجہ سیاہ کئے ہیں، یہ دعویٰ بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اور آپ سے کوئی ذرہ مخفی نہیں ہے اور پھر آپ دلوں کے اسرار اور بھید بھی جانتے ہیں جیسا کہ ان کے حوالے پیش نظر کتاب میں ہم نے باحوالہ عرض کئے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ ان کی دھجیاں فضائے آسمان میں اڑائی ہیں۔ پھر آپ نے یہ کیونکر اور کیسے لکھ دیا کہ حاضر و ناظر وہی دیکھتا ہے جو کسی سے وقوع میں آتا ہے؟ یا تو آپ کا سابق دعوےٰ

جھوٹا ہے اور یا یہ دلیل باطل ہے۔ لاریب فیہ۔ صوفی صاحب! کیا آپ کو اپنی لکھی ہوئی بات بھی یاد نہیں رہتی؟ مگر سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد۔ اور یا وہ جھوٹ کو چھوڑنا اور خفا کرنا ہی نہیں چاہتے۔ ؎

تمھیں تو مدتوں پالا ہے آغوشِ تمنا میں
ہمیں سے چل دیئے اے حضرتِ دل تم خفا ہو کر

حضرت کعبؓ بن مالکؓ کی حدیث

تبرید النواظر میں نفی (علم غیب و حاضر ناظر پر حضرت کعبؓ بن مالکؓ کی حدیث سے بھی استدلال کیا گیا تھا (اصل الفاظ تبرید النواظر میں دیکھ لیں) اس کے جواب میں صوفی صاحب سیخ پا ہو کر لکھتے ہیں۔

جواب: خانصاحب تو مردہ ضمیر ہیں مگر اس طائفہ کے ایک بھی فرد کا ضمیر زندہ نہیں، جو خانصاحب کو ملامت کرے کہ ایسی کذب بیانی سے شرم کھائیں۔ یہ خط کشیدہ عبارت اگر کسی حدیث میں ثابت کر دیں تو منہ مانگا انعام پائیں ورنہ انعام الٰہی لعنۃ اللہ علی الکاذبین قبول کرنے میں توقف نہ فرمائیں۔ حدیث میں تو صرف یہ الفاظ ہیں:۔

فما رجل یرید ان یتغیب الا ظن انہ سیخفیٰ لہٗ مالم ینزل فیہ وحی

کوئی شخص غیب رہنے کا ارادہ نہ کرتا مگر یہ گمان کرتے ہوئے کہ میرا غائب ہونا آپ پر مخفی رہے گا جب تک میرے بارے میں وحی نازل نہ ہو۔

یہ عامیوں کا گمان پر معنی وارد اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا تو اس جملے سے کثرتِ لشکر بیان کرنا مقصود ہے ورنہ تو کیا غائب ہونے والا ہُدہُد سے بھی چھوٹا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا سلیمان علیہ السلام سے بھی کم بصارت کے مالک ہیں۔ کیا مسلمانوں کا یہ لشکر سلیمان علیہ السلام کے لشکر جس میں انسان، جن، پرندے درندے شامل تھے، اس سے زیادہ تھا۔ اللھم اھد الوھابیۃ انھم لا یعلمون شان محبوبک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دائماً ابداً ابداً (بلفظہ ص ۱۳۶، ص ۱۳۳)۔

الجواب :- بحمداللہ تعالیٰ خانصاحب بڑے زندہ ضمیر ہیں ۔ اگر مُردہ ضمیر ہوتے تو آپ کے اور آپ کے بڑوں کی تحریفات اور تلبیسات اور دجل وفریب طشت از بام نہ کرتے اور خانصاحب کے طائفہ کے لوگ بھی بڑے ہی زندہ ضمیر واقع ہوئے ہیں کہ انھوں نے خانصاحب کو ایسا کرنے کا مشورہ دیا اور جب کتابیں منصۂ شہود پر آچکیں تو بے شمار خطوط کے ذریعے دادِ تحسین دی اور مبارکباد کے گرامی نامے لکھے جو اُن کے زندہ دِل ہونے کا واضح ثبوت ہے اور دیگر حوالوں کی طرح اس میں بھی خانصاحب نے کوئی کذب بیانی نہیں کی ۔ یہ صوفی صاحب کا سفید جھوٹ ہے اور وہی اپنے پیارے اور لذیذ انعام لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے سزاوار اور مستحق ہیں ۔ اُن کی کسی عبارت پر خط نہیں ہے تاکہ خط کشیدہ عبارت کی تعیین اور پھر اس میں کذب بیانی معلوم ہو سکے ۔ ہم بخاری شریف کی روایت کے بقدر ضرورت الفاظ نقل کرتے ہیں ، ملاحظہ فرمائیں ۔ حضرت کعبؓ بن مالک غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ روانگی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

والمسلمون مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر ولا یجمعھم کتاب حافظ یرید الدیوان قال کعبؓ فما رجل یرید ان یتغیب اِلّا ظنّ انہ سیخفٰی لہٗ مالم ینزل فیہ وحی اللہ الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۶۳۴)	مسلمان آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ تھے اور ان کو کوئی رجسٹر جمع نہیں کر سکتا تھا حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص جو غیر حاضری کا ارادہ کرتا تو اس کا یہ گمان بالکل درست ہوتا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل نہ ہو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس کی غیر حاضری مخفی رہتی ۔

بتلائیے صوفی صاحب ! کیا یہ الفاظ بخاری شریف میں ہیں یا نہیں ؟ اور بتلائیے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا تمغہ کس کو ملتا ہے ؟ حضرت کعبؓ اس ظن کی نسبت اُن حضرات صحابہ کرامؓ کی طرف کر رہے ہیں جو غزوۂ تبوک میں تنگی کی گھڑی میں آپؐ کے ساتھ شریک جہاد ہوئے تھے اور جن کی مدح وتوصیف قرآنِ کریم میں بیان ہوئی ہے ۔ آپ ان پاک نفوس کے گمان کو عامیو

کا گمان کہہ کر اپنے دلِ ماؤف کی تسکین چاہتے ہیں تو بڑے پیار سے کریں مگر اس سے بخاری شریف کی اس روایت اور نفس الامری حقیقت پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی اور بلاشک حضرت کعب رضؓ بن مالک لشکر کی کثرت ہی بیان فرماتے ہیں لیکن اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب اور حاضر و ناظر ہونے کی نفی بھی کرتے ہیں۔ باقی ہُدہُد کے واقعہ کو بے موقع اور بے محل چھیڑ کر خواہ مخواہ کی بھرتی سے صوفی صاحب کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بقدر ضرورت ہُدہُد کا واقعہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ منصوص اور عقیدہ کے مسائل کو قیاس کے چکر میں لانا نرا جاہلانہ نظریہ ہے جو صوفی صاحب اور ان کے بڑوں کا ہی حصہ ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اہلِ بدعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی قدر و منزلت نہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) ورنہ وہ ان کے صریح احکام میں اپنے نفسِ امارہ کی شرارتوں کو ہرگز شامل نہ کرتے اور حقیقۃً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اہلِ بدعت کے لئے بالکل پورا ہو گیا ہے کہ :-

ان اللہ حجب التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ	بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ
(رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح غیر ھرون بن موسیٰ الفروی وھو ثقۃ، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۸۹)	بند کر دیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اُن پر توبہ کا دروازہ ہی بند کر دیا ہے تو پھر اُن کو ہدایت کہاں سے حاصل اور نصیب ہو سکتی ہے؟ ؎

انھیں ذلتوں کا نہیں کوئی کھٹکا جہاں عزتیں تھیں وہاں خواریاں ہیں

گلو خلاصی صوفی صاحب نے نہایت معصومانہ اور متصوفانہ انداز میں تبرید النواظر میں باحوالہ پیش کردہ بعض روایات سے جو سستے طریقہ پر گلو خلاصی چاہی ہے وہ اہلِ علم کے لئے قابلِ دید ہے۔ انہی کے الفاظ میں ہم اُن کی درماندگی کی رام کہانی عرض کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام بھی لطف اندوز ہوں۔

صوفی صاحب لکھتے ہیں :- "خان صاحب کے وُہ دلائل جن سے بے شعوری کی بنا پر نبی اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے غیر حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کیا ہے۔

(۱) خروج دجال کے متعلق وان یخرج ولست فیکم فکل امرأ حجیج نفسہ اگر دجال نکلا اور مَیں تم میں نہ ہُوا تو ہر شخص اپنا اپنا ذمّے دار ہے (تسوید النواظر ص۹۶)

(۲) وددت انا قد رأینا اخواننا مجھے یہ بات پسند تھی کہ مَیں نے اپنے بھائیوں کو دیکھا ہوتا۔ (تسوید النواظر ص۱۳۳)

(۳) قلنا کیف تعرف من لم تر من امتك یوم القیمۃ آپ اپنی اُمّت کے جو لوگ نہیں دیکھے قیامت کے روز انھیں کیسے پہچانو گے؟ (تسوید النواظر ص۹۷)

(۴) قالوا یا رسول من رأیت ومن لم تر۔ صحابہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! جس کو آپ نے دیکھا اور جسے نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ ہاں من رأیت ومن لم ار (ص۹۸)

(۵) دو گروہ ایسے ہیں کہ جو دوزخ میں جائیں گے لم ارھما مگر ہم نے انکو نہیں دیکھا۔ (ص۹۸)

(۶) ما شان ثابتؓ بن قیس لا نراہ ثابت بن قیس کا کیا حال ہے؟ ہم اُسے دیکھتے نہیں۔ (ص۹۹)

(۷) وان کنت لم ارمنازلھم حین نزلوا بالنھار اگرچہ مَیں نے اُن کی وُہ جگہیں نہیں دیکھیں، جہاں جہاں وُہ دن کو اُترتے ہیں۔ (ص۱۰۰)

(۸) لعلی لا اراکم بعد عامی ھذا شاید کہ مَیں تمھیں اس سال کے بعد نہ دیکھ سکوں (ص۱۰۰)

(۹) فانی لا ادری لعلی لا القاھم بعد عامھم ھذا بے شک مَیں نہیں جانتا کہ مَیں ان سے سال کے بعد ملاقات نہ کر سکوں۔ (ص۱۰۰)

(۱۰) یا ایھا الناس انی واللہ لا ادری لعلی لا القاکم بعد یومی ھذا بمکانی ھذا اے لوگو! خدا کی قسم مَیں نہیں جانتا۔ شاید کہ مَیں تم سے آج کے دن کے بعد اس جگہ ملاقات نہ کر سکوں (ص۱۰۱)

یہ ہیں احادیث کے بعض ٹکڑے جن سے خانصاحب نے اپنے عقیدہ پر دلیل پکڑی

ہے۔ ان سب کا اجمالی جواب عرض کردیتے ہیں۔ ان اجزاء میں بعض وُہ ہیں جس سے نہ دیکھنا اور ملاقات نہ کرنا مفہوم ہے سو وُہ بقید حیاتِ دُنیاوی اور چشمِ بصارت سے دیکھنا اور بعض وُہ ہیں جن میں نہ جاننا مفہوم ہے، سو وُہ از رُوئے درایت کے ہے اور معنےٰ درایت کے یہ ہیں امام الاحناف علی قاری ح فرماتے ہیں الدرایۃ اکتساب علم الشیٔ بحیلۃ (مرقات ج۱۰ صـ۲۲) درایت اٹکل کے ساتھ کسی چیز کا علم حاصل کرنے کو کہتے ہیں سو یہ باعلام اللہ کے منافی ہیں۔ انتہیٰ بلفظہٖ (تنویر الخواطر صـ۱۳۳، صـ۱۳۴)۔

الجواب:۔ صوفی صاحب معاف رکھنا آپ کے اس مبہم منتر سے ان صحیح اور صریح احادیث کا قطعاً کوئی جواب نہیں نکلتا مگر آپ تو مولوی محمد عمر صاحب کے شاگرد ہیں جن کے نزدیک تعلق اور مطابقت ہو یا نہ ہو، کچھ نہ کچھ لکھ دینا ہی جواب تصور ہوتا ہے لیکن آپ کو یقین کر لینا چاہیئے کہ آپ کے تعاقب میں خانصاحب ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو منکر و نکیر کی ملاقات تک نہیں چھوڑے گا، پھر وُہ جانیں اور آپ۔

صوفی صاحب نے پہلا دجل تو یہ کیا کہ احادیث کے جن ٹکڑوں اور جن اجزاء سے جس طرز اور جن الفاظ سے استدلال تبرید النواظر میں کیا گیا ہے وُہ طرز اور الفاظ انھوں نے ہڑپ کرلئے ہیں۔ اگر تبرید النواظر کی پُوری عبارت ہی وُہ نقل کر دیتے تو قارئین کرام خود کافی حد تک حقیقت کو سمجھ لیتے اور ہمیں جواب دینے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی اور پھر دُوسرا دجل یہ کیا کہ محض اپنی طرف سے حیاتِ دُنیاوی اور چشمِ بصارت کی قید لگا کر ان صحیح اور صریح احادیث کے جواب سے رُستگاری حاصل کرلی جو سراسر مردُود ہے اوّلاً اس لئے کہ حیاتِ دنیاوی اور چشمِ بصارت کی قید ان احادیث میں کہاں ہے؟ اور کن کن حضرات ائمہؒ حدیث اور شراحِ حدیث سے یہ قید منقول اور مروی ہے؟ ذرا ہمت کرکے ان کا حوالہ تو بتائیے؟ آپ کو اپنی طرف سے حدیث میں قید لگانے کی کون اجازت دیتا ہے؟ وثانیاً ص۳، ص۴ میں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے اُمّتیوں کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم (اعضاء

وضوء کی درخشندگی سے (جیسا کہ صحیح روایات میں اس کی تصریح موجود ہے قالوا یا نبی اللہ تعرفنا؟ قال نعم لکم سیماء لیست لاحد غیرکم تردون علیّ غرًّا محجلین من آثار الوضوء مسلم ج ۱ ص ۱۲۶) پہچانیں گے۔ حضرات صحابہ کرام رضؓ کے سوال کا یہی منشاء تھا کہ جن کو آپؐ نے حیاتِ دُنیوی میں دیکھا ہے ان کو بھی پہچان لیں گے اور جن کو دُنیوی زندگی میں نہیں دیکھا ان کو بھی پہچان لیں گے؟ تو آپؐ نے جواب اثبات میں دیا۔ وفاتِ حسرت آیات کے بعد جس رؤیت کی اثبات یا نفی کا ذکر ہے وُہ یقیناً چشمِ بصارت کی رؤیت نہیں ہے بلکہ رُوحانی رؤیت اور بصیرت کی رؤیت ہے تو یہ صحیح روایات حیاتِ دُنیوی اور چشمِ بصارت کی قید کی خود نفی کرتی ہیں پھر اس فضول اور باطل قید کو کون تسلیم کرتا ہے۔ وثالثاً صُوفی صاحب کو چاہئے تھا کہ وُہ درایت کا معنیٰ سمجھنے کے لئے اولاً قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے پھر کسی اور حوالہ کی طرف مراجعت کرتے۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے جس چیز کی بذریعہ وحی (جلی یا خفی) آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو خبر دی گئی ہے اس پر بھی درایت کا اطلاق ہوُا ہے۔ صُوفی صاحب سُورۃ القدر اور سُورۃ القارعہ میں وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شہر الاٰیات اور وما ادراک ما القارعۃ یوم یکون الناس کالفراش المبثوث الاٰیات ہی پڑھ لیتے جن میں اللہ تعالےٰ کے آنحضرت صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو بتانے اور خبر دینے پر بھی درایت کا لفظ بولا گیا ہے اس سے معلوم ہوُا کہ درایت صرف اٹکل سے حاصل کئے ہوئے علم پر ہی نہیں اطلاق ہوتا بلکہ علمِ قطعی اور یقینی پر بھی بولا جاتا ہے اور حضرت مُلّا علی ن القاری رحؒ کا حوالہ (باوجود اس کا معنیٰ غلط کرنے کے) صُوفی صاحب کو مفید اور ہمیں مضر نہیں کیونکہ الدرایۃ اکتساب علم الشئ بحیلۃ۔ کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی چیز کا علم کسی تدبیر اور ذریعہ سے حاصل ہو اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ عام مخلوق کے حصُولِ علم کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے۔ مگر آنحضرت صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو جو علم حاصل ہوتا رہا، وُہ وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا رہا اور اس پر بھی درایت کا اطلاق درست ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں مذکور ہے :-

ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ۔ جس کا معنیٰ آپ کے اعلحضرت احمد رضا خان صاحب یہ کرتے ہیں۔" اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل" ایمان کی تفسیر احکام شرع سے صحیح ہے یا غلط؟ قطع نظر اس سے خان صاحب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے وحی کے نزول کے بعد جو علم حاصل ہوا ہے اُس پر درایت کا لفظ تسلیم کیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے بلکہ ادریٰ کا جملہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی قرآن کریم میں وارد ہوا ہے قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ۔ خانصاحب اس کا معنیٰ یوں کرتے ہیں۔" تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا۔ نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا" ادریٰ کا مادہ بھی درایت ہے۔ اگر ہر مقام پر درایت کا مطلب یہ ہو کہ حیلہ، اٹکل اور تدبیر سے علم حاصل کیا جائے تو ان مقامات پر یہ ثابت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی اٹکل سے حاصل ہو اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم بھی (معاذ اللہ تعالیٰ)

آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:۔

لتأخذوا عنی مناسککم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ (م) عن جابر صحیح (الجامع الصغیر ۲ ص ۱۲۲)	البتہ تم مجھ سے اپنے حج کے افعال و مناسک لو اور سیکھو کیونکہ میں نہیں جانتا شاید کہ اس حج کے بعد میں اور حج نہ کرسکوں۔

کتبِ لغت میں درایت کے معنیٰ علم کے کئے گئے ہیں مثلاً مشہور لغوی ابوالفضل محمد بن عمر الجمال القرشی ؒ لکھتے ہیں:۔

دِرایۃ بالکسر دانستن۔ دریتہ ودریت بہ ای علمت بہ ولا ادری ای لا اعلم (صراح ص ۵۴۹)	درایت کسرہ کے ساتھ ہے جس کے معنے جاننے کے ہیں۔ دریتہ و دریت بہ کا معنی ہے اس کو تو نے جان لیا اور لا ادری کا معنی ہے لا اعلم میں نہیں جانتا

غرضیکہ صوفی صاحب نے ان صحیح اور صریح احادیث کے جواب سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے جس طرح راہِ فرار اور مخلص تلاش کیا ہے علمی طور پر وہ انتہائی شرمناک طریقہ ہے اور

ان کی بے بسی کا رونا رو رہا ہے۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ الآیۃ

صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ خان صاحب کی ایک اور حماقت ملاحظہ فرمائیے:۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔

جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ رسولوں کو کہے گا تم کو اپنی اُمت کی طرف سے کیا جواب دیا گیا۔ وہ بولیں گے ہم کو خبر نہیں تو ہی ہے غیب دان۔

تمام پیغمبر اس سے لاعلمی کا اظہار کریں گے رہا اس لاعلمی کے اظہار کو تواضع پر حمل کرنا جیسا کہ بعض مفسرین کرام (بلکہ تمام مفسرین مجیب) نے کہا ہے تو درست نہیں کیونکہ اگر کوئی اور نص قطعی ایسی ہوتی جس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بغیر استثناء کے ہر چیز معلوم ہے تو ہم تواضع پر حمل کر سکتے تھے (بلفظہٖ تسوید النواظر ص ۱۴۴) واہ خانصاحب ہم نے بھی بہت دیکھے ہیں مگر آپ سے کم۔ سوال تو ہوگا اُمتوں کے جوابوں کے بارے میں اور خانصاحب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جواب لا علم لنا کو تواضع پر محمول کرنے کے لئے بغیر استثناء کے ہر چیز کے علم پر نص قطعی کے ثبوت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ بعض انبیاء اور ہمارے نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو جواب دیئے گئے، وہ تو قرآن میں آج بھی موجود ہیں اور قرآن کی برکت سے تمام اُمت کو بھی علم ہے تو جن کو جواب دیئے گئے ان کو علم کس طرح نہیں۔ اگر لا علم لنا کو تواضع پر محمول نہ کیا جائے تو اس جواب کی اور کون سی وجہ ہوگی ہمیں یقین ہے کہ خانصاحب مبہوت ہیں ورنہ ضرور کوئی وجہ اپنی کتاب میں تحریر کرتے۔ (انتہیٰ بلفظہٖ تنویر الخواطر ص ۱۳۴، ص ۱۳۵)۔

الجواب:۔ صوفی صاحب کا یہ جواب نرا ہذیان ہے اور خیال ہے کہ وہ خود بھی اس مہمل جواب کو نہیں سمجھے ہوں گے۔ تبرید النواظر کے الفاظ بحمد اللہ تعالیٰ معنی خیز ناطق اور بالکل واضح ہیں۔ ہم نے اس آیت کریمہ کی تفسیر باحوالہ اپنی کتاب ازالۃ الریب ص ۱۹۸ تا

ص ۲۰۶ طبع اول میں نقل کر دی ہے۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ راقم نے جس مدرسہ (دار العلوم دیوبند ادامها الله تعالىٰ الیٰ یوم القیٰمة) میں تعلیم حاصل کی ہے اور جن اساطین علم سے خوشہ چینی کی ہے ان کے طفیل سے کسی مسئلہ میں مبہوت نہیں رہا۔ اگر کوئی اشکال پیش آیا بھی ہے تو تھوڑی بہت جدوجہد اور کاوش کے بعد بفضل تعالیٰ وہ مسئلہ بالکل الم نشرح ہو جاتا رہا ہے اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ سے یہی امید ہے وما ذالك على الله بعزیز۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

معناه لا علم لنا كعلمك فيهم لانك تعلم ما اضمروا وما اظهروا فعلمك فيهم انفذ من علمنا وابلغ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۸۹)	اس کا مطلب یہ ہے کہ اے باری تعالیٰ ہمیں ان کے بارے میں تیری طرح کا علم نہیں ہے۔ کیونکہ تو ان کے پوشیدہ اور ظاہری سب حالات کو جانتا ہے اور تیرا علم گہرا اور زیادہ بلیغ ہے۔

اور خطیب شربینی رحمہ تحریر فرماتے ہیں:۔

لا علم لنا بما انت تعلمه انك انت علام الغيوب فتعلم ما اجابوا وما اظهروه لنا ولا نعلمه مما اضمروه فی قلوبهم (السراج المنیر ج ۱ ص ۴۰۶)	ہمیں اس چیز کا علم نہیں جس کا تجھے ہے کیونکہ تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے پس تو ہی جانتا ہے جو انھوں نے جواب دیا اور جو انھوں نے ہمارے سامنے ظاہر کیا اور تو ہی جانتا ہے جس کو انھوں نے اپنے دلوں میں مخفی رکھا۔ ہم نہیں جانتے۔

امام رازی رحمہ فرماتے ہیں:۔

هو الاصح وهو الذی اختاره ابن عباس رضہ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۶۵)	یہی قول صحیح ہے اور اسی کو حضرت ابن عباسؓ نے اختیار کیا ہے۔

ان تفاسیر سے تواضع کے علاوہ صحیح وجہ بھی معلوم ہو گئی اور راقم کا استدلال بھی واضح ہو گیا۔

اور صوفی صاحب نے تمام مفسرین کرام رحکا تواضع پر حمل کرنے کا جو بین القوسین شوشہ چھوڑا ہے وہ بھی سراسر باطل ہو گیا اور ہمارا ہر چیز کے علم پر نص قطعی کا مطالبہ اپنی جگہ پر صحیح اور برقرار ہے۔ رہا بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی اپنی امت کے بعض بعض جوابات کا علم جو قرآن کریم سے ثابت ہے تو علی الرأس والعین وہ بالکل صحیح ہے لیکن وہ صرف چند ظاہری حالات کا علم ہے، دلوں کے راز نہیں ہیں جیسا کہ حضرات مفسرین کرام رح اور حضرت ابن عباس رض کی تفسیر سے بالکل عیاں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے دلوں کے راز نہیں جانتے تھے اور پہلے مفصل گزر چکا ہے کہ مسجدِ ضرار کی غرض و غایت اور مدینہ طیبہ میں رہنے والے منافقین کے نفاق کا آپ کو علم نہ تھا۔ اور یہ حقیقت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور اسی طرح دیگر کئی امور کے علم کی نفی قرآن کریم کی آیات کریمات سے ثابت ہے اور تبرید النواظر میں باحوالہ ان کا ذکر ہے جن سے صوفی صاحب نے بالکل آنکھیں بند کرلی ہیں جیسے کہ وہ صُمٌّ بُکمٌ عمیٌ کے زمرہ میں شامل ہیں اور خیر سے وہ اپنی کوئی آرزو اور دعویٰ ثابت نہیں کر سکے اور بجز حسرت کے اُن کے پاس اور کچھ نہیں۔ ؎

یاس ہی اب دل کی فطرت ہو گئی
آرزو جو کی وہ حسرت ہو گئی

اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ کی حدیث سے سستا چھٹکارا

تبرید النواظر میں مشہور اور صحیح حدیث

اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کی نفی اور علمِ غیب کلی کی نفی پر استدلال کیا گیا تھا جو بالکل واضح اور روشن ہے۔ صوفی صاحب اپنے اکابر کی طرح اس استدلال سے بھی خاصے پریشان اور برہم ہوئے ہیں اور عالمِ جذب وجنون میں جو باتیں کہی ہیں، ان کا خلاصہ اختصاراً یہ ہے :-

(۱) اس حدیث پاک سے یہ استدلال مردود ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ کے خلاف ہے کہ جو برائی تمھیں پہنچتی ہے وہ آپ کو ازحد گراں گزرتی ہے۔ اگر امت کی برائیوں پر آپ کو اطلاع نہیں تو گراں گزرنا چہ معنی دارد؟

(۲) یہ عرض اعمال والی حدیث کے بھی معارض ہے۔

(۳) یہ طبرانی شریف کی اس روایت کے بھی خلاف ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ انی انظر الیھا وما ھو کائن الی یوم القیمۃ

(۴) مسلم شریف کی روایت میں اما شعرت ما عملوا بعدک کے الفاظ ہیں اس لئے لا تدری میں بھی ہمزہ استفہام مقدر ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ کیا آپؐ نہیں جانتے؟ باوجود علم ہونے کے آپؐ ان کو اس لئے اپنا رہے ہوں گے کہ بالمؤمنین رؤف رحیم ہیں۔

(۵) خانصاحب سے مسلم شریف کی روایت کا جواب نہ بن سکا ہے اور نہ بن سکتا ہے خانصاحب نے اس کے جواب میں دو حیلے تراشے ہیں اوّل یہ کہ یہ روایت مسلم کے درجہ دوم کے روات سے ہے حالانکہ خود لکھا ہے کہ بخاری و مسلم صحیح ہیں۔ دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوامامہ رضؓ سے فرمایا اما شعرت کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ جنت میں مریم بنت عمران کا نکاح کر دیا ہے۔ حضرت ابوامامہ رضؓ کو آپؐ کے بتانے سے قبل کیا خبر تھی؟ لیکن خان صاحب کا یہ قیاس مع الفارق ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جن کو اولین اور آخرین کا علم دیا گیا، امتی پر قیاس کرتے ہیں۔

(۶) احوالِ امت سے مطلع ہونا لوازمات نبوت میں سے ہے۔ خواب نبوت کے چھیالیس جزوں میں سے ہے جن کی تفصیل میں سیدنا عبدالعزیز دباغ رحؒ فرماتے ہیں کہ:۔ نواں جزو یہ ہے کہ (نبی کی) بصارت اس کمال کی ہوتی ہے کہ دور دراز سے بھی دیکھ لیتا ہے جس کو دوسرا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ دسواں یہ ہے کہ زمین کے دوسرے کنارے سے بھی بات سنتا ہے۔ جو کوئی دوسرا نہیں سن سکتا۔ بیالیسواں یہ ہے کہ غیب پر اطلاع ہوتی ہے جو اس سے پہلے کسی سے منقول نہ ہو۔ تینتالیسواں یہ کہ آئندہ ہونے والے واقعات پر اطلاع ہونا چوالیسواں

یہ کہ انسانوں کے اسرار اور پوشیدہ باتوں پر اطلاع ہونا پھر آگے ان کی طویل عبارت میں نبی کے غیر نبی سے ممتاز ہونے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں بلکہ معلومات کی کثرت اور یقین کی زیادتی اور تحقیق ایسی رکھتا ہے کہ غیر نبی کو نہیں ہوتی اور نبی کی ایک صفت ہوتی ہے کہ اس سے غیب میں ہونے والے واقعات کا ادراک کرتا ہے اور اس سے لوحِ محفوظ کا مطالعہ بھی کرتا ہے۔

(۷) سیدنا احمد بن ادریس رحؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں چبھتا کانٹا تم میں سے کسی کے پاؤں میں مگر میں اس کی تکلیف پاتا ہوں الخ۔ (العقد النفیس مندرجہ فی جواہر البحار ج ۲ صفحہ ۴۹) آگے جوش میں آکر صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ قرآن مجید، احادیث شریف، اولیاء کاملین کی تحقیق اور علماء وارثین کے ارشادات کو نظر انداز کر کے خانصاحب گکھڑوی کی بیکار باجے کی سی ٹپ ٹپ کون سنتا ہے؟ (صفحہ ۱۳۶ تا صفحہ ۱۳۹)

الجواب:۔ صوفی صاحب نے صحیح مشہور بلکہ متواتر حدیث کے نہ تسلیم کرنے کیلئے اپنے لئے جو راہِ فرار اختیار کی ہے اور اس کے لئے جو طویل چکر کاٹا اور بلاوجہ فضول بھرتی کی ہے یہ ان کو کسی طرح بھی مفید نہیں ہے۔ ہم ترتیب وار جوابات عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) اس آیت کریمہ کا اثباتِ علمِ غیب اور حاضر و ناظر کے مسئلہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اور اس سے ان مسائل پر استدلال کرنا خالص تحریف ہے۔ اس سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جو جو امورِ امت کے لئے تکلیف دہ ہیں شرعی طور پر ہوں یا تکوینی طور پر، مثلاً شرک و بدعت، چوری اور شراب نوشی وغیرہ یا مثلاً بیماری اور فقر و غربت وغیرہ، آپ کو ان امور سے کلفت ہوتی ہے۔ رہا ان تکالیف کے افراد کا افرادِ انسانی کے ساتھ قیام کا علم، تو اس سے ہرگز اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

(۲) اس حدیث کا عرضِ اعمال کی حدیث سے کوئی تعارض و تصادم نہیں۔ کیونکہ

عرض اعمال سے صرف بعض امور کا اجمالی طور پر عرض مراد ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تمام کلی اور جزئی اعمال کا عرض مراد نہیں تاکہ اس روایت سے تعارض اور تخالف ثابت ہو جیسا کہ صوفی صاحب کا باطل نظریہ ہے۔

(۴) طبرانی شریف کی روایت بالکل ضعیف ہے۔ کما مرّ اور یہ حدیث صحیح بلکہ مشہور و متواتر ہے۔ ضعیف حدیث کو صحیح کے مقابلہ میں پیش کر کے اس سے تخالف ثابت کرنا صوفی صاحب اور ان کی لائق جماعت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ سچ ہے ؎

میں وہ جوان ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

(۵) مسلم شریف کی چار روایتوں میں إنك لا تدري ما احدثوا بعدك کے الفاظ ہیں (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۴۹، ص ۲۵۰) اور ایک روایت میں ہے وهل تدري ما احدثوا بعدك (ملاحظہ ہو ج ۱ ص ۱۲۶) یہ سب روائتیں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کی نفی پر نص قطعی ہیں۔ ہاں البتہ ایک روایت میں اما شعرت کے الفاظ ہیں (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۴۹) لیکن اس کا جواب شیخ الاسلام علامہ بدر الدین العینی الحنفی رح (المتوفی ۸۵۵ھ) سے سن لیں وہ اما شعرت انا لا ناکل الصدقة (بخاری ج ۱ ص ۲۰۲) کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔

هذه اللفظة تقال في الشئ الواضح التحريم ونحوه وان لم يكن المخاطب عالما به اي كيف خفي عليك مع ظهوره اه (عمدة القاری ج ۴ ص ۴۳۹)	یہ لفظ ایسی چیز کے بارے میں کہا جاتا ہے جس کی حرمت وغیرہ (مثلاً اہل بدعت کے لئے قیامت کے دن سفارش کرنا) بالکل واضح ہو اگرچہ مخاطب اس کو نہ جانتا ہو۔ یعنی یہ بات باوجود ظاہر ہونے کے تجھ پر کیسے مخفی رہ گئی ہے؟

لیجئے علامہ عینی رح سے تو جواب بن گیا ہے آپ اسی کو تسلیم کر لیں۔ ضرورت تو نہیں لیکن صوفی صاحب کی اطلاع کے لئے ہم ایک اور حوالہ بھی عرض کئے دیتے ہیں تاکہ ان کی الرّون ختم ہو جائے۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی رح (المتوفی ۶۷۶ھ)

یث اما علمت انا لا نأکل الصدقۃ (مسلم ج ۱ ص ۳۴۴) کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

ھٰذہ اللفظۃ تقال فی الشیٔ الواضح التحریم ونحوہ وان لم یکن المخاطب عالماً بہ وتقدیرہ عجب کیف خفی علیک ھذا مع ظھور تحریمہ (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۳۴۴)	یہ لفظ اس چیز کے بارے میں بولا جاتا ہے جس کی تحریم وغیرہ واضح ہو اگرچہ مخاطب اس کو نہ جانتا ہو اور اس کی تقدیر یہ ہے کہ تعجب ہے تجھ پر یہ چیز باوجود اس کی حرمت کے ظاہر ہونے کے کیسے تجھ پر مخفی رہی؟

لیجئے صوفی صاحب علم عربی کے لحاظ سے اما علمت کے لفظ سے بھی علم ثابت نہیں ہو رہا چہ جائیکہ اما شعرت سے ثابت ہو۔ اب آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ جواب بنا ہے یا نہیں؟ صوفی صاحب کی یہ توجیہ بھی انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ باوجود علم ہونے کے آپ ان کو اس لئے اپنا رہے ہوں گے کہ آپ بالمؤمنین رؤف رحیم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ کو علمِ غیب حاصل ہوگا اور آپ ان مرتدوں اور بدعتیوں کو جانتے ہوں گے تو آپ ان کے بارے میں سفارش کیوں فرماتے ہوں گے؟ اور ان کو مؤمن کیوں تصور فرماتے ہوں گے؟ یہ کہاں کے مؤمن ہوں گے کہ آپ ان کے لئے رؤف و رحیم ہوں گے؟ اور اگر آپ ان کو اپنی دانست اور اعضاء وضوء کی کچھ روشنی کی وجہ سے اپنے اُمتی تصور کرتے ہوں گے اور حقیقت میں وہ مُرتد اور بدعتی نکلیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علم کے بعد آپ فسحقاً فسحقاً فرمائیں گے کہ ان منحوسوں کو دُور کرو دُور کرو تو ہمارا مُدعا ثابت ہے اور صوفی صاحب کا عُذر لنگ مردود ہے جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔

(۵) شق اوّل کا جواب صوفی صاحب حضرات محدثین کرام رح اور حضرت امام مسلم رح کی اصطلاح ہی کو نہیں سمجھے جس کا حوالہ ہم نے دیا ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ امام مسلم رح درجہ اوّل میں ایسے متقن اور ضابط راویوں کی روایات لاتے ہیں جو جچے تُلے الفاظ میں ضبط و اتقان کے ساتھ الفاظ بیان کرتے ہیں اور درجۂ دوم میں ایسے راویوں کی روایات نقل

کرتے ہیں جو پہلوں کی طرح ضابط اور متقن نہیں ہوتے وہ پہلوں سے متفاوت الفاظ بیان کر دیتے ہیں لیکن بیشتر روایات میں ان کا مفہوم بھی وہی ہوتا ہے جو پہلوں کے الفاظ کا ہوتا ہے اور اس وجہ سے ان کی روایت مردود نہیں ہو جاتی مثلاً اسی روایت میں ضابط اور متقن راوی اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ کے الفاظ بیان کرتے ہیں اور دوسرے اما شعرت کے الفاظ نقل کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلوں کی روایت کا ہے جیسا کہ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس فنی بحث سے مسلم کی روایتوں کو غیر صحیح سمجھ لینا جیسا کہ صوفی صاحب نے اس کا مظاہرہ کیا ہے، فنِ حدیث سے بے خبری ہے۔ دوسری شق کا جواب اگر قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کلی اور حاضر و ناظر کی نفی ثابت نہ ہوتی اور خود اس روایت میں اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا احدثوا بعدك کے صریح الفاظ موجود نہ ہوتے اور ہم صرف حضرت ابو امامہ رضؓ کی روایت پر قیاس کرتے تو ضرور قیاس مع الفارق ہوتا کیونکہ نبی اور غیر نبی کے علم میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ہم نے تو صرف ایک قرینہ ہی عرض کیا ہے، قیاس نہیں ہے۔ بے شک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین اور آخرین کی بے شمار خبروں کا علم دیا گیا ہے لیکن کلی طور پر ہر ہر چیز کا علم نہیں دیا گیا جیسا کہ صوفی صاحب کا مدعیٰ ہے اس لئے کہ یہ نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے۔

(۶) لوازمات نبوت سے تمام مغیبات کا علم نہیں اور علمِ عقائد کی کتابوں میں اس پر تصریحات موجود ہیں۔ ہم صرف ایک حوالہ یہاں عرض کئے دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:۔ قاضی عضد الدین عبد الرحمٰنؒ بن احمد الایجی رح (المتوفی ۷۵۶ھ) اور اس کے شارح سید شریف علی رح بن محمد الجرجانی الحنفی رح (المتوفی ۸۱۶ھ) فلاسفہ کے غلط نظریہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں (جنھوں نے غلطی سے تمام مغیبات کا علم لوازماتِ نبوت سے سمجھا ہے)

قلنا ما ذکر تم مردود بوجوہ اذ الاطلاع علی جمیع المغیبات لا یجب للنبی اتفاقا	ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے وہ کئی وجوہ سے مردود ہے کیونکہ تمام مغیبات پر نبی کا مطلع ہونا

منا ومنکم ولہذا قال سید الانبیاء وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ الخ (موافقہ مع الشرح ص ۲۶۳ طبع نولکشور لکھنو)

واجب نہیں ہے۔ اس پر ہمارا اور تمہارا فریقین کا اتفاق ہے اور یہی وجہ ہے کہ سید الانبیاء (علیہ وعلی جمیعہم الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سی بھلائی حاصل کر لیتا اور مجھے تکلیف نہ پہنچتی۔

اور اُمت کے احوال میں سے بعض پر مطلع ہونا حق اور ثابت ہے۔ اس کا کوئی منکر نہیں لیکن اس سے صوفی صاحب اور ان کی جماعت کو کچھ فائدہ نہیں جیسا کہ بالکل واضح اور روشن ہے اور حضرت عبد العزیز دباغ رح کی عبارت سے بھی یہی مراد ہے۔ اسی طرح نویں اور دسویں جزو میں ان کا یہ فرمانا کہ نبی دُور دراز سے بھی دیکھ اور سن لیتے ہیں، اگر احیاناً بعض باتوں کا دیکھنا اور سننا مراد ہے تو بجا ہے اور ان کی مراد بھی یہی ہے اور اگر ہمہ وقت ہر چیز کا دیکھنا اور سننا مراد ہے تو یہ بالکل مردود ہے کیونکہ نصوص قطعیہ اس کا رد کرتی ہیں۔ اور اسی طرح غیب پر اطلاع اور آئندہ آنے والے واقعات اور انسانوں کے اسرار اور پوشیدہ باتوں پر اطلاع پانے سے کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے سے بعض بعض امور پر اطلاع پانا مراد ہے۔ ہر ہر چیز کا علم صرف عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ کو ہے اور اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور خود حضرت شیخ رح کی عبارت میں نبی کے غیر نبی سے ممتاز ہونے کے سلسلہ میں یہ جملہ کہ بلکہ معلومات کی کثرت اور یقین کی زیادتی اس کا واضح قرینہ ہے کہ نبی کے غیر نبی سے ممتاز ہونے کے لئے معلومات کی کثرت نمایاں فرق ہے۔ کل معلومات کا علم اس کی شرط نہیں ہے اور اسی طرح غیب کے واقعات کے ادراک کا یہ مطلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے بعض امور کا ادراک کرا دے۔ اور واقعات کا لفظ اس کا قرینہ ہے الغرض ان کی عبارات میں کسی جملے سے صوفی صاحب کا دعویٰ ہرگز ثابت نہیں، اور بھلا نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء کرام رح کے صاف اور صریح فتوؤں کے مقابلہ میں تصوف کی کتاب سے ثابت بھی کیا ہو سکتا ہے؟ اگر ان کی عبارتوں میں مناسب

تاویل نہ ہوسکتی ہو تو بقول حضرت مجدد الف ثانی رہ حضرات صوفیاء کرام رہ معذور تصور کیٔے جائیں گے نہ یہ کہ ان کی عبارات پر نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

لوحِ محفوظ کا مطالعہ

حضرت شیخ عبدالعزیز صاحب دباغ رہ کی عبارت میں لوحِ محفوظ کے مطالعہ کا ذکر بھی ہے اگر احیاناً بطور معجزہ کسی وقت لوحِ محفوظ پر اللہ تعالیٰ نبی کو مطلع کردیں اور سرسری طور پر ان کی نگاہ اس پر پڑ جائے تو اس کا معاملہ الگ ہے بشرطیکہ کسی قطعی اور صریح دلیل سے اس کا ثبوت ہوجائے (ولم یوجد) باقی ہر وقت لوحِ محفوظ کا نبی کے پیشِ نظر رہنا، یہ فلاسفہ کا غلط نظریہ ہے اور سید الفلاسفہ والمتکلمین امام محمد رہ بن محمد الغزالی الشافعی رہ (المتوفی ۵۰۵ھ) نے ان کے اس غلط نظریہ کا پُرزور رد کردیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

وزعموا ان النبی ایضاً یطلع علی الغیب بھذا الطریق (ای لاتصاله باللوح المحفوظ ومطالعته ملخ) الی ان قال والجواب ان نقول بما تنکرون علی من یقول ان النبی یعرف الغیب لتعریف الله عزوجل علی سبیل الابتداء وکذا من یری فی المنام فانما یعرف بتعریف الله او تعریف ملك من الملائكة فلا احتیاج الی شئ مما ذکرتموه فلا دلیل فی ھذا (تہافت الفلاسفہ للغزالی رہ ص۲۱)

فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ نبی غیب پر اس طریق سے بھی مطلع ہوتا ہے (کہ لوحِ محفوظ کے ساتھ ان کا تعلق ہوتا ہے اور وہ ان کے مطالعہ میں رہتا ہے) ..... اس کے جواب میں ہم یُوں کہتے ہیں کہ تم کس دلیل سے اس شخص کی بات کا انکار کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ نبی کو اللہ تعالیٰ ابتداءً غیب پر مطلع کرتا ہے اور اسی طرح نیند کی حالت میں خواب دیکھنے والے کو اللہ تعالیٰ خود حقیقتِ حال پر مطلع کردیتا ہے (نہ کہ لوحِ محفوظ سے وہ اخذ کرتا ہے) یا کوئی فرشتہ اس کو القاء کردیتا ہے۔ تمہارے مذکورہ طریقہ (لوحِ محفوظ کے مطالعہ) کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس پر کوئی دلیل موجود ہے۔

صوفی صاحب حضرت امام غزالی رہ کی اس عبارت کو بغور پڑھیں اور پھر فلاسفہ سے پوری کگے

ہوئے اپنے باطل اور غلط نظریہ کو اس عبارت کی روشنی میں پرکھیں کہ بات کیا ہے۔
کہیں آپ نے یہ سبق تو نہیں پڑھ لیا کہ ؎

گم گشتۂ حیرت بھی کوئی مجھ سا نہیں ہے!
میں خود ہوں کہیں دل ہے کہیں ہوش کہیں ہے

(۷) جناب احمدؒ بن ادریسؒ کی نقل کردہ حدیث سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب اور حاضر و ناظر ثابت کرنا ایک بے حقیقت بات ہے اولاً اس لئے کہ مفتوتی صاحب اور ان کی جماعت کے ذمہ یہ بات ہے کہ وہ اس حدیث کی سند اور سند کا اتصال اور کتب اسماء الرجال سے رواۃ کی ثقاہت اور پھر کم از کم دو معتبر محدثین کرام رحمہم اللہ سے اس کی تصحیح نقل کریں ورنہ ایسی بے سروپا حدیثوں سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ عقیدہ اور وہ بھی نصوص قطعیہ اور صریحہ کے خلاف۔ یہ آپ لوگوں کا ہی کمال ہے کہ غیر ثابت روایات سے استدلال کرتے ہیں ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

وثانیاً اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمت کے حق میں رؤف و رحیم ہیں، اُمت کو کوئی بڑی تکلیف تو درکنار اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں کیا شک ہے۔ رہا یہ کہ آپ کو اس کا علم ہو کہ کس کو کس وقت کانٹا چبھا ہے؟ اس کا اس سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ خواہ مخواہ کی اختراع اور کشید کا نام حدیث فہمی نہیں ہے۔ ؎

ترا دل ہے ہر وقت محوِ تماشہ
فدا تیری غفلت پہ بیداریاں ہیں

واقعۂ افک کا پس منظر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر افک کا واقعہ اور ان کی صفائی کا ذکر قرآنِ کریم اور صحیح احادیث میں مذکور ہے۔

تبریدالنواظر میں اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب اور حاضر و ناظر کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے جو بالکل ایک خالص حقیقت ہے۔ صوفی صاحب نے اس کے جواب میں جو قابلِ توجہ باتیں کہی ہیں، وہ اختصاراً یہ ہیں :-

(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجمعِ صحابہ رضؓ میں منبر پر فرمایا۔ اے گروہِ مسلمین! تم میں سے کون میری طرف سے اُس شخص سے انتقام لے گا (من یعذرنی من رجل کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ اگر میں اس شخص سے انتقام لوں تو کون مجھے اس کارروائی میں معذور سمجھے گا اور ملامت نہ کرے گا؟ اور بعض نے یہ معنیٰ بھی کیا ہے کہ کون میری مدد کریگا ہامش بخاری ص۵۹۵) جس نے مجھے میری اہلیہ کے بارے میں اذیت دی ہے قسم ہے خدا کی میری اہلیہ کے بارے میں میرے علم میں سوائے بھلائی کے اور کچھ بھی نہیں الخ۔ اور قسم بھی ہمیشہ مخاطب کو یقین دلانے کے لئے کھائی جاتی ہے۔ بھلا ان وہابیوں سے پوچھیئے کہ جو بات مشکوک ہو یعنی یقین نہ ہو، اس پر بھی کوئی قسم کھاتا ہے؟ بالخصوص اللہ تعالیٰ اور اس کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(۲) تحقیق و تفتیش تو لوگوں کے ایمان اور یقین آزمانے کے لئے تھی۔

(۳) جب ایمان دار صحابہ رضؓ نے بھی منافقوں کے خلاف گواہی دی کیا تب بھی آپ کو یقین نہ آیا حالانکہ قرآنِ کریم میں یُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ آمَنُوْا ۔ آیا ہے۔

(۴) حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ میں یقیناً منافقوں کی اس بات کو جھوٹا سمجھتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بدن مبارک پر مکھی بیٹھنے کو گوارا نہیں کیا تو کیا معاذ اللہ تعالیٰ ایسی برائی سے آپؐ کی بیوی کو ملوث ہونے دیا۔ اور حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا سایہ زمین پر پڑنا گوارا نہیں کیا تاکہ اس پر کسی کا پاؤں نہ آجائے تو العیاذ باللہ تعالیٰ کیا آپؐ کی بیوی ایسے گناہ سے آلودہ ہو سکتی ہے؟ اور حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جوتی سے نجاست لگی ہوئی تھی تو جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو آکر خبر دی اگر حضرت

عائشہ رضؓ میں معاذ اللہ تعالیٰ یہ عیب ہوتا تو ان کو نکالنے کا حکم کیوں نہ ہوتا (تفسیر مدارک ج۳ ص۱۰۳)

(۵) باقی رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ عائشہ رضؓ کو فرمانا، اگر تو بری ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ برأت ظاہر کر دے گا۔ اگر تجھ سے کوئی گناہ (صغیرہ) سرزد ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ (بخاری ج۲ ص۵۹۶) سو یہ سیدہ کی دلجوئی اور مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ کے پیش نظر تھا۔

(۶) الممت بذنب کا معنی اگر تو گناہ کے قریب بھی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللمم بغیر وقوع کے مقاربۃ گناہ کو کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لمم کا معنی گناہ صغیرہ ہے۔ (حاشیۂ بخاری ج۲ ص۵۹۶) نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد بالکل واضح ہے۔

(۷) حاجی امداد اللہ صاحب کی شمائم امدادیہ حصہ دوم ص۶۱ کا حوالہ جس میں ہے۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کے معاملات سے خبر نہ تھی، اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے۔

(۸) خان صاحب نے سورتوں کے نزول کے تقدم و تاخر کا سہارا بھی اکثر لیا ہے۔ سو ہم کہتے ہیں کہ سورۂ النور سے سورۂ احزاب پہلے نازل ہوئی ہے (تفسیر اتقان ص۲۵) اور اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ ثابت ہوا کہ واقعہ افک سے پہلے ازواج پاک کے حق میں آیت تطہیر نازل ہو چکی تھی کیا سید الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واقعہ افک کے موقع پر یہ آیت بھول گئے تھے؟ جو کہ ازواج پاک کی پاکیزگی کی قطعی دلیل ہے کیا اس آیت کے ہوتے ہوئے سیدہ عائشہ رضؓ کی پاکیزگی کا یقین نہ تھا؟ (محصلہ ص۱۴۰ تا ص۱۴۴)۔

الجواب:- صوفی صاحب نے اصل حقیقت پر جس طرح پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی جو لاحاصل سعی کی ہے وہ انتہائی شرمناک ہے۔ ہم ترتیب وار جوابات عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:-

(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اہلیہ محترمہ کی پاکدامنی کے سلسلہ میں جو قسم اٹھائی وہ اپنی دانست اور اپنے معلومات کی بنا پر اٹھائی واللہ ما علمت علیٰ اھلی الا خیرًا کے الفاظ اس امر کو بالکل واضح کرتے ہیں اور شرعی و فقہی طور پر اپنے معلومات کی بنا پر قسم اٹھائی جا سکتی ہے۔ لیکن بعض اوقات قسم اٹھانے والے کے معلومات نفس الامر اور واقع کے مطابق نہیں ہوتے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور اکثر قسم مخاطب کو یقین دلانے کے لئے ہوتی ہے اور مشکوک بات پر بھی قسم نہیں اٹھائی جا سکتی لیکن قسم اٹھانے والا مخاطب کو یقین تو اپنے معلومات کی بنا پر ہی دے سکتا ہے۔ نفس الامر اور حقیقت تو اس کے بس میں نہیں ہوتی وہ تو علیم بذات الصدور کے اختیار میں ہے لہٰذا اس قسم سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو نفس الامر کا علم تھا۔ ورنہ آپ کو ایک ماہ تک پریشانی ہرگز لاحق نہ ہوتی اور بخاری شریف کی روایت میں آپ کی پریشانی صراحۃً مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بھول کر عصر کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ حضرت ذوالیدین رضہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ حضرت! کیا نماز اب کم ہو چکی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ کچھ بھی نہیں ہوا (نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کم ہوئی ہے کل ذالک لم یکن) انھوں نے کہا۔ حضرت کچھ تو ہوا ہے۔ آپ نے لوگوں کی طرف توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتا ہے؟ انھوں نے کہا۔ ہاں حضرت ٹھیک کہتا ہے۔ آپ نے اس کے بعد نماز پوری کی اور سجدۂ سہو نکالا۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۳۷) و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۶ اور نسائی ج ۱ ص ۱۳۹ کی روایت میں ایسے ہی سہو کے سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

انما انا بشر انسیٰ کما تنسون	پختہ بات ہے میں بشر ہوں، بھول جاتا ہوں جیسے
فاذا نسیت فذکرونی	تم بھول جاتے ہو جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دہانی کرایا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے ایک رائے قائم کی جو صحیح نہ نکلی اور بعد کو اس

سے رجوع فرمایا۔

(۲) صوفی صاحب! پیغمبر کا ظاہر و باطن، قول و فعل اور گفتار و کردار ایک سا ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اندر کچھ ہو اور باہر کچھ ہو۔ آپؐ نے تحقیق و تفتیش اس قطعی علم کے حاصل ہونے کے لئے کی تھی جس کا علم قطعی آپؐ کو بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ہُوا اور آپؐ کی تفتیش و تحقیق کا مرکزی نقطہ اور محور یہی بات تھی۔ یہ نہیں تھا کہ آپؐ کو قطعی علم پہلے سے حاصل تھا مگر لوگوں کو دکھانے کے لئے ظاہر داری کرتے رہے (معاذ اللہ تعالیٰ)

(۳) ایماندار صحابہ کرام رضؓ کی گواہی سے جو منافقوں کے خلاف انھوں نے دی تھی، اسی حد تک یقین آپؐ کو حاصل ہُوا اور ہو سکتا تھا جو مخلوق کے اپنے علم اور دانست تک محدود ہوتا ہے۔ اس سے قطعی اور یقینی علم کا ثبوت کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اور اصل بات بھی اسی میں ہے صوفی صاحب کی عبارت ایماندار صحابہ کرام رضؓ سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں غیر ایماندار بھی تھے (معاذ اللہ تعالیٰ)

(۴) حضرت عمر رضؓ، حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ وغیرہ حضرات کے ارشادات بھی علی الرّاس والعین سب درست اور صحیح ہیں مگر ان کے ارشادات بھی قرائن و شواہد حُسن ظنی اور ذاتی معلومات تک محدود ہیں۔ ان سے اس قطعی اور یقینی علم کا ہرگز ثبوت نہیں ملتا جس کی نفی ثابت ہے۔

(۵) اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قطعی طور پر حضرت عائشہ رضؓ کی برأت کا علم تھا تو پھر یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ اگر تو بری ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تجھے بری کر دے گا؟ اور اگر تجھ سے گناہ سرزد ہُوا ہے (گو صغیرہ ہی سہی)، تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ؟ علم قطعی اور یقینی کے بعد اس طرح کی گفتگو اور ارشاد کا کیا معنیٰ؟ اور پھر کیا اس طرح کے انداز گفتگو سے حضرت عائشہ رضؓ کی دلجوئی ہوتی ہے یا معاذ اللہ تعالیٰ دل آزاری کا پہلو نکلتا ہے؟ مگر افسوس ہے کہ صوفی صاحب کو تو کچھ نہ کچھ کہنا ہی ہے۔ بات درست ہو یا نہ ہو اور پھر وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ الآیۃ کا اس موقع پر پیش کرنا ہی بے موقع اور غیر متعلق بات ہے کیونکہ جو تکلیف حضرت

عائشہ رضؓ (وغیرھا حضرات) کو پہنچی تھی اِس کا مداوا اور تسکین ان الفاظ سے ہرگز نہیں ہوتی جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے کہ اگر تو بری ہے تو یہ ہوگا اور اگر گناہ ہوا ہے تو یوں کر۔ کسی بھی عاقل سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی؟ مگر بے موقع اور بے محل باتیں کرنا اور کہنا صوفی صاحب اور ان کے اُستاد کا پیشہ اور وطیرہ ہے۔ ع

ہاں تجھ کو تیرے پیر نے کامل بنا دیا

(۶) اَلْمَمَتِ کا معنی گناہ سے قریب ہونا مراد ہو یا گناہ صغیرہ مراد ہو۔ کچھ بھی ہو، آپ کا اس نہج پر یہ خطاب فرمانا ہی علم قطعی کی نفی کی واضح دلیل ہے پھر لفظوں کے چکر سے کیا بنتا ہے؟

(۷) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحؒ کی عبارت کا مطلب ہم اسی کتاب کے صفحہ ۹ میں بقدر ضرورت عرض کر چکے ہیں وہاں ہی ملاحظہ فرمالیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۸) مضمونِ تطہیر کا نزول سورۃ النور سے پہلے بھی ہو اور یہ مضمون اوّلاً و بالذات حضرات ازواجِ مطہرات رضؓ ہی کو شامل ہو جیسا کہ اہل السنت والجماعت اور اہل حق کا صحیح مسلک ہے، پھر بھی اس میں اجمالی اور مبہم طور پر تطہیر کا ذکر ہے۔ علی التعیین حضرت عائشہ رضؓ ہی کی تطہیر کا ذکر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منافقین کی الزام تراشی کے بعد تشویش بھی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو رکوع نازل فرما کر حضرت عائشہؓ کی براءت بھی کی۔ اگر علی التعیین قطعی طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضؓ کی براءت کا علم ہوتا تو پھر آپؐ پریشان کیوں ہوئے؟ اور حضرت عائشہ رضؓ سے اس انداز سے آپؐ نے گفتگو کیوں فرمائی جس کا ذکر ہو چکا ہے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اور حضرات صحابہؓ کرام رضؓ کی پریشانی دور فرمانے کے لئے وحی کیوں نازل فرمائی؟ کیا قطعی الدلالت حکم کے بعد بھی ایسا ہو سکتا ہے؟ مضمونِ تطہیر آپؐ کو یاد بھی تھا اور قرآنی حکم کی وجہ سے قطعی الثبوت بھی تھا مگر حضرت عائشہ رضؓ پر اس بے بنیاد الزام کے رد کے لئے علی التعیین قطعی الدلالت

نہیں تھا اس لئے آپ کو بھی اور حضرات صحابہ کرام رض کو بھی، جن کے سامنے یہ مضمون تلہیر تھا، خاصی پریشانی ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد نازل ہوا تو پھر سب کی پریشانی رفع ہوئی اور سب کو دائمی خوشی اور مسرت حاصل ہوئی ؎

مشکلیں عاشق کو ہیں بس قبل از تسکینِ دل

کچھ دنوں غم سہہ لیا پھر عمر بھر مسرور ہے

ظالموں کی مجلس میں شریک نہ ہونے کا حکم

ہم نے تبرید النواظر میں فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ سے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر نہ ہونے پر استدلال کیا تھا جو بالکل حق، بجا اور صحیح ہے (تبرید النواظر میں استدلال کا انداز ملاحظہ فرمالیں) اس کے جواب میں صوفی صاحب لکھتے ہیں :- "جواب۔ خانصاحب نے ترجمہ میں تحریف کی ہے مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ تو کافر اور مشرک لوگوں کی مجالس (ہیں) دوسرے یہ حکم دنیاوی حیات میں بنفسِ نفیس شریک ہونے کے بارے میں ہے کیونکہ آپ کی حیات ظاہرہ میں خلافِ شرع کوئی مجلس ہوتی ہی نہ تھی (سبحان اللہ۔ صفدر) لہٰذا نیک اور پاک مجالس میں شریک ہونے اور دیگر مجالس کا اپنی جگہ خاص سے معائنہ فرمانے کے منافی نہیں" بلفظہٖ (ص۱۴۴)

الجواب :- الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کا محاورہ اس مقام پر صوفی صاحب پر بالکل فٹ آتا ہے۔ خانصاحب نے ظالمین کا جو ترجمہ اور تفسیر بیان کی وہ صحیح ہے اور خود صوفی صاحب تحریف کر رہے ہیں۔ ظالموں کی مد میں کافر اور مشرک اور سب بے دین لوگ اور خلافِ شرع تمام مجالس داخل ہیں، صرف کافر اور مشرک لوگوں کی مجالس ہی مراد نہیں جیسا کہ صوفی صاحب نے عوام کو خالص دھوکہ دیا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس مقام پر متعدد تفسیروں کو نقل کر کے صوفی صاحب کی غلطی اور جہل مرکب

کا ازالہ کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کا تفسیری حاشیہ یہاں نقل کردیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مسئلہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی جس مجلس میں دین کا احترام نہ کیا جاتا ہو مسلمان کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ کفار اور بے دینوں کے جلسے جن میں وہ دین کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، ان میں جانا سننے کے لئے شرکت کرنا جائز نہیں اور رد و جواب کے لئے جانا مجالست نہیں بلکہ اظہار حق ہے، وہ ممنوع نہیں۔ جیساکہ اگلی آیت سے ظاہر ہے۔ بلفظہٖ (صفحہ ۱۹۷) غرضیکہ اس آیت کریمہ کے مفہوم میں کفار اور بے دین لوگوں کی خلاف شرع تمام مجالس داخل ہیں۔ صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ حکم دنیاوی حیات میں بنفس نفیس شریک ہونے کے بارے میں ہے نرا مغالطہ اور خالص ڈھکوسلہ ہے اس لئے کہ آپ جس طرح دنیوی زندگی میں خلاف شرع مجلسوں میں شرکت گوارا نہیں کرتے تھے اسی طرح بعد از وفات بھی قصداً ایسی مجلسوں میں شرکت کرنا ہرگز گوارا نہیں فرماتے اور نہ اس شرکت کا کسی شرعی دلیل سے کوئی ثبوت ہے۔ صوفی صاحب کا یہ صوفیانہ شوشہ بھی عجائب گھر بلکہ چڑیا گھر کے بڑے دروازہ پر آویزاں کرنے کے قابل ہے کہ آپ کی حیات ظاہرہ میں خلاف شرع کوئی مجلس ہوتی ہی نہ تھی۔ نہ معلوم اس سے صوفی صاحب کی کیا مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ غیر مسلموں اور منافقوں کی کوئی مجلس خلاف شرع نہ ہوتی تھی تو یہ نرا جھوٹ اور خالص افتراء ہے اس لئے کہ غیر مسلموں اور منافقوں کی کم و بیش ہر مجلس خلاف شرع اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کے لئے ہی ہوتی تھی اور اسی طرح آپس میں ایک دوسرے کو کفر پر پکا کرنا، کیا یہ اسلام کی خدمت تھی؟ اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی بھی مجلس خلاف شرع نہ ہوتی تھی تو یہ بات تفصیل طلب ہے۔ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مجلس سے شالامار کا میلہ مراد نہیں نہ پاکپتن شریف کا عرس مراد ہے کہ مخلوق خدا امڈ کر جمع ہو جائے بلکہ جہاں کوئی اکیلا شخص بھی کوئی نیکی اور بدی کا کام کرے گا وہ اس کی مجلس ہے۔ صوفی صاحب ہی بتلائیں کہ حضرت

ماعزؓ بن مالک سے جس مجلس میں زنا سرزد ہُوا تھا کیا وہ خلافِ شرع مجلس نہ تھی؟ یہ الگ بات ہے کہ اُنھوں نے خدا تعالیٰ کے خوف اور آخرت کے ڈر سے متاثر ہو کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اقرار کیا اور بالآخر وہ سنگسار کئے گئے (ملاحظہ ہو بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۸ ومسلم ج ۲ ص ۶۷ وغیرہ) اور کیا اسی قسم کا ایک واقعہ بنو غامد کی ایک عورت سے سرزد نہ ہُوا تھا جس نے خود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اقرار کیا اور پھر رجم کی گئی (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۱ ومسلم ج ۲ ص ۶۸) اور کیا بنو مخزوم کی حضرت فاطمہ رضؓ نامی بی بی سے چوری کا فعل سرزد نہیں ہُوا تھا جس کا ثبوت کے بعد ہاتھ کاٹا گیا۔ (ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص ۵۲۸ وج ۲ ص ۱۰۰۳ وج ۲ ص ۱۰۰۳ ومسلم ج ۲ ص ۶۴) اور کیا نعیمان رضؓ یا ابن نعیمان رضؓ سے شراب نوشی کا واقعہ رُونما نہیں ہُوا تھا جن کو سزا بھی دی گئی (ملاحظہ ہو بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۲ وغیرہ) اور کیا حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ کی آپس میں وہ میٹنگ جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو حضرت زینب رضؓ کے پاس جانے سے منع کرنے کا پروگرام تھا جس کے بارے میں قرآن کریم میں اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا کا ارشاد نازل ہُوا، خلافِ شرع مجلس نہ تھی؟ اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے پاس ملازم تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے۔ ثبوت کے بعد اس کے بیٹے کو جو کنوارا تھا، سو درے لگے اور ایک سال جلاوطن کیا گیا اور دُوسرے شخص کی بیوی کو اس کے اعتراف کے بعد رجم کیا گیا (بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۸ وغیرہ)۔ کہاں تک ایسی مجالس کا تذکرہ کیا جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابۂ کرامؓ کی یہ تمام لغزشیں معاف فرمادی ہیں اور ان کو اپنی رضا کا مستند پروانہ مرحمت فرمایا ہے لیکن یہ دعویٰ کہ آپ کی حیاتِ ظاہرہ میں خلافِ شرع کوئی مجلس ہوتی ہی نہ تھی، خالص جھوٹ ہے۔ اسی طرح صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ نیک اور پاک مجالس میں شریک ہونے اور دیگر مجالس کا اپنی جگہ خاص سے معائنہ فرمانے کے منافی نہیں، خالص متصوفانہ مغالطہ ہے۔ کیونکہ

کسی بھی شرعی دلیل سے نہ تو آپ کا ہر پاک مجلس میں شریک ہونا ثابت ہے اور نہ دیگر مجالس میں اپنی خاص جگہ سے معائنہ کرنا ثابت ہے۔ محض دعویٰ سے کچھ نہیں بنتا۔ اس کا ثبوت درکار ہے۔ جن بے جان شبہات اور غیر معصوم اوہام سے صوفی صاحب اور ان کی جماعت کو اس امر کا ثبوت ملتا ہے، ان کا تانا بانا بھی اسی کتاب میں آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ مؤلف انوار ساطعہ (جن کی کتاب اہل بدعت کو سہارا دیتی ہے اور مداری کی پٹاری ہے) لکھتے ہیں۔ "اور تماشہ یہ ہے کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے، ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے" الخ (انوار ساطعہ صـ ۱۷۱) امید ہے کہ آپ کے گھر کی واضح شہادت کے بعد آپ کو اب کسی مزید حوالہ کی ضرورت باقی نہ رہے گی ؎

دِل میں بھری ہے حسرتِ دیدار کیا کریں
فرمایئے حضور! گُناہ گار کیا کریں

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود مانع عذاب ہے

تبرید النواظر میں نفی حاضر و ناظر پر وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ سے استدلال کیا گیا تھا اور نیز لکھا تھا کہ اگر بقول اہل بدعت فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا مراد ہو تو پھر مختلف قسم کے عذاب کیوں دنیا میں آتے ہیں؟ صوفی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔ "جواب:۔ اس عذاب سے عذاب استیصال مراد ہے جو کہ قیامت تک نہیں آسکتا اور اگر عذاب کو عام رکھا جائے تو یہ حکم دنیاوی حیات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے (صـ ۱۴۵)۔

الجواب:۔ صوفی صاحب نے اس مقام پر عذاب کو استیصال کے ساتھ مقید

کرکے ایک گونہ قرآنِ کریم کی تحریف کی ہے اور مطلق عذاب کو اپنے نفسِ امّارہ کی پیروی میں مقید کیا ہے جو بالکل مردود ہے۔ اور جواب کی دوسری شق تو نِری مجذوبانہ بڑ ہے اس لئے کہ اولاً حیات کو دنیاوی کی قید سے مقید کرنا بھی ایجاد بندہ اور نِری سینہ زاد اختراع ہے وثانیاً آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی برکت جیسے زندگی میں تھی، بعدازوفات بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں جہاں آپؐ کا وجود مبارک مدفون ہے نہ تو طاعون کا عذاب آئے گا اور نہ دجّال لعین داخل ہوگا (ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص۲۵۲ و مسلم ج ۱ ص۴۴۴) اس لئے یہ نکمّی تاویلیں یکسر مردود ہیں جن کا سمجھنا کسی پر بھی مخفی نہیں۔ ؎

کر کر کے سہل وہ وہ دقائق بیان کئے
نافہم جاہلوں کو بھی عاقل بنا دیا

قبور میں آپؐ کا حاضر و ناظر نہ ہونا

تبرید النواظر میں آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے قبور میں حاضر و ناظر نہ ہونے کے سلسلہ میں استدلال کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ اگر آپ حاضر و ناظر ہوں تو پھر کسی کو عذابِ قبر نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے جواب میں صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ جواب ا۔ جس قبر میں آپ رونق افروز ہوتے ہیں بوقت سوال منکر ونکیر وہ شخص ہرگز معذب نہیں بلکہ اس کو ارشاد ہوتا ہے۔ سو جا جیسے دُلہن سوتی ہے۔ باقی رہا منافقوں اور کافروں کا معاملہ، سو آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے حصولِ نفع کے لئے ایمان شرط ہے، بُری مجالس بُری جگہوں مشرکین کے گھر اور قبروں میں اور ہر ایسی جگہ جہاں آپؐ کا بنفسِ نفیس حاضر ہونا کسرِ شان ہے۔ بایں معنیٰ آپ حاضر ہیں کہ آپ اپنے آستانہ عالیہ سے ان کا معائنہ کرتے اور وہ تمام مقامات انکے سامنے موجود ہیں جیسا کہ عزرائیل علیہ السلام کے لئے روئے زمین امام الاحناف ملا علی ن القاریؒ فرماتے ہیں، روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اہل اسلام کیونکہ جو تعلق اہل اسلام کے ساتھ ہے وہ کسی دوسرے سے نہیں۔ اگر وہابیوں کے گھروں میں آپ کی روح مبارک موجود نہیں تو وہ فکر

کریں کہ وہ کس گروہ سے ہیں (محصلہ ص۱۴۵، ص۱۴۶)

الجواب :۔ تبرید النواظر اور اس پیشِ نظر کتاب میں باحوالہ یہ بحث کی جا چکی ہے کہ کسی صحیح حدیث سے آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا قبر میں حاضر ہونا ثابت نہیں ہے۔ مخالفین کو لفظ ہذا الرجل سے مغالطہ ہوا ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ الغرض نہ تو آپ سوالِ نکیرین کے وقت قبور میں حاضر ہوتے ہیں اور نہ بعد کو۔ رہا یہ کہ منافقوں اور کافروں کا آپ سے منتفع ہونا ایمان سے مشروط ہے، تو اتنی بات بجا ہے لیکن وہ نفع حاضر وناظر ہونے کے سلسلہ میں ہرگز نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود ہے۔ بلکہ یہ نفع نجات و تقربِ خداوندی اور اعمال کی قبولیت وغیرہ کے سلسلہ میں ہے اور اس سلسلہ کے لئے آپؐ پر ایمان لانا ایک بنیادی امر ہے۔ بُری مجالس مشرکوں اور کافروں کے گھروں اور اُن کی قبروں میں آپؐ کا بنفسِ نفیس حاضر نہ ہونا تو الگ امر ہے۔ ہر نیک مجلس میں بھی آپؐ کا بنفسِ نفیس حاضر ہونا ہرگز کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ مسلمانوں کی مجلس اور پھر نکاح کی مجلس جو ایک خالص دینی مجلس ہوتی ہے اس میں بھی آپؐ کا حاضر وناظر ہونا تو درکنار بلکہ حضرات فقہاء کرام رحؒ کے نزدیک آپ کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ خالص کفر ہے جس کی بحث پہلے باحوالہ گزر چکی ہے اور اسی طرح آپ کا آستانہ عالیہ پر حاضر رہ کر تمام مقامات کو دیکھنا بھی خالص مبتدعانہ اختراع ہے۔ کسی شرعی دلیل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ بات بھی باحوالہ پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ جان قبض کرنے والا فرشتہ ایک نہیں، اچھی خاصی جماعت ہے لہٰذا یہ قیاس بھی بڑا نکما اور بے وزن ہے۔ حضرت ملا علی ن القاری رحؒ کی عبارت میں حرف لَا کے رہ جانے سے غلط مطلب کشید کرنا اہلِ بدعت ہی کو زیب دیتا ہے۔ ان کی عبارت کا مطلب اسی کتاب میں پہلے گزر چکا ہے اور انوار ساطعہ کے حوالہ سے اہلِ بدعت کے نقطۂ نظر سے بھی اس کا معنیٰ عرض کیا جا چکا ہے، وہیں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ملا علی ن القاری رحؒ کی عبارات کے پیشِ نظر

وہابیوں کو تو مطلقاً بحمد اللہ تعالیٰ کوئی فکر نہیں کیونکہ ان کا عقیدہ قرآنِ کریم، صحیح احادیث، اجماعِ اُمت اور حضرات فقہاء احناف رح اور خود حضرت مُلا علی ن القاری رح کے صریح فتویٰ اور عقیدہ کے عین مطابق ہے، سرِ مُو تفاوت نہیں ہے۔ البتہ صوفی صاحب اور اُن کے بدعت پسند گروہ کو اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر غور کرنا چاہیئے کہ ان پر حضرت مُلا علی القاریؒ کا کیا فتویٰ لگتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کی بحث

اہلِ بدعت نے اَلَمْ تَرَ کے جُملہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کیا ہے۔ جس کی قرآن کریم کی قطعی آیات اور حضرات مفسرین کرام رح کی واضح عبارات سے تبرید النواظر میں تردید کی گئی ہے جس کا جواب دینے سے صوفی صاحب بالکل عاجز اور یقیناً قاصر رہے ہیں مگر کتاب میں فضول بھرتی کر کے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے چند صفحات سیاہ کر کے اپنے ناخواندہ اور حقیقت ناشناس حواریوں کو ضرور خوش کرنے کی کوشش کی ہے کہ خانصاحب کے دلائل کا جواب ہم نے دے دیا ہے۔ ہم ان کی اس فضول اور طویل بحث کا بلالحاظ ترتیب تجزیہ کرتے ہیں پھر جوابات عرض کرتے ہیں۔

(۱) خانصاحب نے آپ کی ولادت باسعادت سے قبل نفی حاضر و ناظر پر جو آیتیں پیش کی ہیں مثلاً وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اور وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وغیرھا تو یہ سب آیات عالمِ جسمانی کے پیش نظر ہیں اور عالمِ روحانی کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھ جو بھی واقعات پیش آئے، آپؐ اُن پر حاضر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے نذیر بنا کر بھیجا ہے لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا اور آپؐ کو كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بنا کر بھیجا اور حدیث میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں پیدائش کے لحاظ سے تمام انسانوں سے اوّل ہوں اور بعثت کے لحاظ سے آخر۔ ابن سعد عن قتادہ

قال الشیخ حدیث صحیح (السراج المنیر ج ۳ ص ۱۰۳) اور علامہ عزیزی رح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی حقیقت بنایا کہ ہماری عقل اس کی معرفت سے قاصر ہے۔ اور اسی وقت سے آپ کو وصف نبوت عطا فرمایا۔ پس یہ از روئے باطن تھا پھر آپ کا ظہور ہوا اور ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نبی تھا حالانکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ علامہ مناوی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول سے كُنْتُ نَبِيًّا فرمانا اور نہ فرمانا کہ میں انسان تھا اور نہ فرمایا کہ میں اس جسم سے موجود تھا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی نبوت اوّل زمانہ میں عالم غیب میں موجود تھی نہ کہ عالم شہادت میں۔ جب آپ کا وہ باطن کا زمانہ ختم ہوا تو آپ جسم اور روح کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ پس روزِ اوّل سے باطنی طور پر آپ ہی کا حکم تھا ان تمام شرائع میں جو انبیاء اور رسولوں کے ہاتھوں ظاہر ہوئے (شرح جامع صغیر للمناوی ؒ)

(۲) خانصاحب اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ جس واقعہ پر اَلَمْ تَرَ داخل ہوا ہے وہ واقعہ اَلَمْ تَرَ کے ماقبل مذکور ہوتا ہے یا مابعد، اس بات پر تو خود قرآن مجید شاہد ہے کہ واقعہ اَلَمْ تَرَ کے بعد ہی مذکور ہے تو خانصاحب کے خیالات کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا تو آپ نے جان لیا تو بتلانے سے پہلے اَلَمْ تَرَ سے استفہام کیسا؟

(۳) اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ الآیۃ میں الذی کے ساتھ اس شخص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جب مشار الیہ کا مخاطب کو علم ہی نہیں تو اشارہ سے گفتگو کیسی؟ چونکہ رؤیت ثابت ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے واقعہ کو اِذْ قَالَ سے شروع فرمایا ہے اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ اِذْ سے ماقبل اُذْكُرْ فعل مقدر ہے اور معنی یہ ہیں کہ یاد کریں جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اور یاد دلانا جب ہی صحیح ہوتا ہے کہ مخاطب نے وہ واقعہ دیکھا ہو۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ فرمایا ہے (اور اگرچہ آپ ہمارے اس بیان سے پہلے اس قصہ سے

غافل تھے) یہ نہ فرمایا وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْجَاهِلِيْنَ چونکہ آنحضرتؐ اس واقعہ پر روحانی شاہد تھے لیکن توجہ اس طرف نہ تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ شروع میں فرماتا ہے:۔
اِذْ قَالَ يُوْسُفُ یعنی یاد کرو جب یوسف علیہ السلام نے کہا۔

(۵) اگر کوئی کہے کہ اگر یہ بات ہے تو صرف واقعہ کی طرف توجہ دلانا ہی کافی تھا۔ پورا واقعہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اللہ اتنی ہی بات کی طرف توجہ فرماتا ہے جتنی بات کی طرف توجہ کا حکم ہو بغیر حکمِ الٰہی اللہ تعالیٰ کا نبی کسی بات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ (محصلہ ص۱۴۶ تا ص۱۴۹)

الجواب:۔ صوفی صاحب نے نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ حقائق سے بھاگنے کے لئے اپنے لئے جتنے چور دروازے تلاش کئے ہیں، وہ کسی ایک سے بھی نہیں بھاگ سکتے۔ کیونکہ بفضلہ تعالیٰ خانصاحب چوکیدار ہے۔ خونچہ صوفی صاحب بھاگے کہاں؟ شق وار جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جن آیات کریمات سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل حاضر و ناظر کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے وہ بالکل قطعی الدلالۃ ہیں اور وہ پکار پکار کر سابقہ ادوار میں آپؐ کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی ثابت کرتی ہیں۔ اس میں رتی بھر شک وشبہ نہیں ہے۔ صوفی صاحب کا یہ دعویٰ کہ آپؐ جسمانی طور پر حاضر نہ تھے روحانی طور پر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات آپؐ کے پیشِ نظر تھے اور آپؐ ان پر حاضر تھے، خالص جھوٹ صریح کذب اور نرا بہتان ہے۔ کوئی ایک دلیل بھی اس پر موجود نہیں ہے۔ نرے کافرانہ اور مشرکانہ عقیدہ کے دعویٰ سے کچھ نہیں بنتا۔ نہ آپؐ جسمانی طور پر اس وقت حاضر تھے نہ روحانی طور پر۔ اللہ تعالیٰ ان مضامین میں وحی سے پہلے آپؐ سے علم کی نفی فرماتے ہیں اور علم و حضور کی نفی تب ہی ہو سکتی ہے کہ آپؐ جسمانی اور روحانی، کسی طرح سے وہاں حاضر و موجود نہ ہوں جو بالکل واضح ہے۔ لِيَكُوْنَ

لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا اور کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا سے یہ ثابت کرنا کہ آپؐ ان لوگوں کے لئے بھی نذیر و بشیر تھے جو آپؐ کی ولادت سے قبل دُنیا میں آتے رہے لہٰذا آپؐ اُن کے حق میں حاضر و ناظر بھی ہیں، ایک خالص صُوفیانہ دھوکا اور گمراہانہ مغالطہ ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض ان لوگوں کے لئے بھی آپؐ کی نبوت و رسالت عام ہو اور آپؐ ہی سبھی اُمّتوں کے نبی و رسُول ہوں تو دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اُن قوموں کی طرف بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر قرآن کریم میں بار بار یہ کیوں آتا ہے کہ انھوں نے مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام وغیرہم حضرات کی تکذیب کی اور تباہ و برباد ہوئے۔ یہ کیوں نہ ارشاد فرمایا گیا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب و مخالفت کی لہٰذا تباہ ہوئے؟ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی بعثت کے بعد قرن اسرافیل عؑ تک تمام اقوام اور سب زمانوں کیلئے نبی اور رسُول ہیں لیکن کیا آپؐ کو ان کے سب حالات کا علم حاصل ہے اور آپؐ ہر ایک کے حق میں حاضر و ناظر ہیں؟ بعثت عامہ اور علم غیب اور حاضر و ناظر کے مسئلہ میں کون سا شرعی اور عقلی تلازم ہے؟ نیز صُوفی صاحب ہی از رُوئے انصاف یہ فرمائیں کہ جب آپؐ ان لوگوں کے لئے بھی نذیر و بشیر تھے تو کیا وہ لوگ آپؐ کی شریعت (قرآن کریم اور حدیث شریف) پر عمل کرتے تھے؟ پھر اس اُمّتِ مرحُومہ کی اُن پر فضیلت اور مزیّت کیا رہی؟ اور کیا یہ حکمت کے تقاضا کے مطابق ہے کہ کتاب و شریعت بعد کو نازل ہو اور عمل کرنے والے اس پر پہلے ہی عمل پیرا ہو جائیں؟ صُوفی صاحب! بشیر و نذیر ہونے کے لحاظ سے آپؐ کی بعثت نبوت و رسالت ملنے کے بعد قیامت تک کی مخلوق کے لئے ہے پہلوں کیلئے نہیں ہے۔ ہاں اس لحاظ سے آپؐ نبی الانبیاء ہیں (علیہ وعلیٰ جمیعہم الصلوٰۃ والسلام) کہ اُن تمام سے (اور ان کی وساطت سے اُن کی اُمّتوں سے) اللہ تعالیٰ نے یہ عہد و میثاق لیا ہے کہ تم سب کے بعد ایک نبی دُنیا میں تشریف لانے والے ہیں (جن کے پاس آتشین

شریعت ہوگی) تم ان پر ایمان لانے کے پابند ہو اور ان کی تصدیق کا اقرار کرو۔ سو یہ اقرار سب نے کیا ہے اور قرآن کریم کے تیسرے پارے کے آخری رکوع وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ میں اسی کا تذکرہ ہے۔ ابن سعدؒ کے حوالہ سے جو روایت متوفی صاحب نے نقل کی ہے اس میں انھوں نے دجل یہ کیا کہ عن قتادۃ مرسلاً میں مرسل کے لفظ نقل نہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ مرسل حدیث سے احتجاج و عدم احتجاج میں حضرات محدثین کرامؒ کا خاصا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ وغیرہ اس سے احتجاج کے قائل نہیں ہیں تو پھر عقیدہ کے مسئلہ میں اس کا کیا اعتبار؟ اور پھر یہ روایت دوسری روایت کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد کی طرح ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں۔ ہمارے اکابر اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک پیدا فرمائی اس لحاظ سے آپؐ اول مخلوقات ہیں (ملاحظہ ہو مرقات ج ۱ ص ۱۶۷ وحاشیہ نشر الطیب ص ۵ وغیرہ) لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپؐ اس وقت ان لوگوں کے لئے نبی اور رسول تھے کہ آپؐ کے احکام کی اطاعت ان پر لازم ہوتی اور بصورتِ دیگر وہ نافرمان تصور ہوتے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت سے یہ لکھ دیا گیا ہے (جیسا کہ تقدیر اور لوح محفوظ میں خلقت و ظہور اور پیدائش سے پہلے سب مخلوق کے بارے میں ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات لکھ دیئے گئے ہیں) کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے ہاں (اپنے وقت کے) نبی ہیں اور اس کی تشریح وہ روایت کرتی ہے جو حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اِنّی عند اللّٰہ فی اول الکتاب لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ الحدیث (مستدرک ج ۲ ص ۶۰۰ قال الحاکم والذہبی صحیح)	بیشک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلی نوشت میں جبکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گارے میں پچھاڑے اور گوندھے ہوئے تھے البتہ خاتم النبیین تھا

بالکل واضح امر ہے کہ آپؐ کا خاتم النبیین ہونا تو اپنے زمانہ کے لحاظ سے تھا لیکن یہ خبر لکھی

ہوئی پہلے سے تھی کہ آپ خاتم النبیین ہوں گے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین۔ اور انہی کی ایک روایت میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انی عبد اللہ وخاتم النبیین وابی منجدل فی طینتہ الحدیث (مستدرک ج ۲ ص ۶۰۰ قال الحاکم والذہبی صحیح)

علامہ عزیزی رح کی عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات، شخصیت اور ہستی کو کوئی نہیں پہچان سکتا کیونکہ یہ مطلب نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ اور اجماع اُمّت کے خلاف ہے۔ آپ بشر۔ انسان۔ اللہ تعالیٰ کے بندے رسول اور نبی تھے ہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مناقب فضائل اور مزایا عطا فرمائے وہ اور کسی کو نہ دیئے اور نہ کسی کے مقدر میں تھے اور وہ اس قدر بے حد وحساب ہیں کہ ہماری عقل ان کے احصاء وشمار سے قاصر وعاجز ہے۔ الغرض ولادت باسعادت اور نبوت ورسالت مرحمت ہونے سے قبل آپ کی آمد کی بشارت تھی اور ظہور بعد میں ہوا اور آپ کی روح مبارک اس وقت بھی ہر جگہ حاضر وناظر نہ تھی۔

علامہ مناوی رح کا یہ ارشاد کہ آپ نے فرمایا کہ میں نبی تھا اور یہ نہ فرمایا کہ میں انسان تھا یا اس جسم سے موجود تھا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی نبوت اول زمانہ میں عالم غیب میں تھی نہ کہ عالم شہادت میں۔ جب وہ دور ختم ہوا تو آپ جسم وروح دونوں سے متصف ہو کر ظہور پذیر ہوئے۔ پس روز اول سے باطنی طور پر تمام شرائع میں آپ ہی کا حکم تھا (محصلہ) یہ عبارت تفصیل طلب ہے۔ اگر اس سے یہ مراد ہے (اور ہے بھی یہی) کہ آپ جب تک عالم ظہور میں تشریف نہیں لائے تھے آپ صرف روحانی طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاں وصف نبوت سے متصف تھے اور عادۃً انسان کا لفظ جسم اور روح دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے یہ نہ فرمایا کہ میں اس وقت انسان تھا اور نہ یہ فرمایا کہ میرا جسم اس وقت موجود تھا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ ارشاد عالم خاک وگل میں ظہور پذیر ہونے کے بعد ہی کہا جا سکتا تھا اور اس طرح آپ کی نبوت عالم غیب میں تھی نہ کہ عالم شہادت میں۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ کی نبوت عالم اجسام میں بھی ظاہر

ہوئی اور اصولی حکم مثلاً توحید و رسالت اور معاد وغیرہ کا آپؐ نے پیش فرمایا اور وہی حکم تمام شرائع میں تھا اور تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس کو اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی قوموں کو واشگاف الفاظ میں پہنچاتے رہے تو یہ مراد بالکل حق اور صحیح ہے کیونکہ خود آپؐ کا ارشاد ہے :۔ الانبیاء اخوۃ لعلات امھاتھم شتّٰی ودینھم واحد بخاری ج ۱ ص ۴۹۰

یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام علاتی بھائی ہیں۔ ان کی مائیں جُدا جُدا اور دین (اصول دین) سب میں مشترک تھے۔ جو اصول ایک نبی نے بیان کئے وہی دوسروں نے بیان کئے۔ ہاں فروع جُدا جُدا تھے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپؐ نے اپنی انسانیت کی نفی فرمادی ہے اور آپؐ کے مِن وعن تمام احکام کے پہلے لوگ مکلف و پابند تھے، تو یہ مطلب بالکل غلط اور باطل ہے اور بقدر ضرورت اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

(۲) استفہام کے بارے میں جو نرالی اور ہوائی تقریر صوفی صاحب نے تحریر کی ہے وہ بھی ایک اعجوبہ ہے۔ واقعہ اَلَمْ تَرَ سے ماقبل ہو یا مابعد، اس کا کیا اثر پڑے گا؟ اس واقعہ کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے پر موقوف ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بتا دے علم ہو جائے گا۔ ہمزۂ استفہام طلب تصدیق ایجابی اور مضارع استقبالی کے لئے بھی آتا ہے (متن متین ص ۲۷۶) اور ابطال و توبیخ کے لئے بھی آتا ہے (حاشیہ متن متین ص ۲۷۶) اور استفہام ایسے مقام پر بھی آتا ہے جس کا وقوع ابھی تک نہیں ہوا ہوتا جیسے ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ کیا میں بچہ جنوں گی؟ اور حالانکہ میں بڑھیا ہوں (حضرت سارہ ؓ کا یہ مقولہ قرآن کریم میں نقل کیا گیا ہے) حالانکہ بچہ کی ولادت کا وقوع ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ اور ایسے مقام پر بھی استفہام آتا ہے جس کا پوچھنے کے بعد بھی علم کسی کو نہیں دیا گیا ہوتا، جیسا ارشادِ خداوندی ہے :۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا کہ تجھ سے یہ لوگ قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کب اس کا قیام ہوگا؟ حالانکہ اس کا علم بجز پروردگار کے اور کسی کو نہیں ہے۔ الغرض اگر اَلَمْ تَرَ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس واقعہ کا علم دیا ہو تو پھر بھی

نحوی طور پر اور عربیت کے لحاظ سے استفہام کا آنا درست ہے اِس میں کسی قاعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔

(۳) صوفی صاحب کا علمِ نحو بھی ان کے خود ساختہ عقائد اور اختراعی بدعات کی طرح بالکل نرالا ہے۔ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اَلَّذِیْ موصول ہے اشارہ نہیں ہے۔ اور نحوی طور پر موصول اور اشارہ کے احکام الگ الگ ہیں۔ اشارہ کے لئے مشار الیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور موصول اپنے صلہ و عائد کے ساتھ مل کر جزو تام بنتا ہے۔

تبرید النواظر میں ہم نے تفسیر معالم التنزیل اور خازن وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے (جس کو صوفی صاحب کو کا کو لا سمجھ کر پی گئے ہیں) کہ وہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہمارے بتانے سے آپ کو معلوم نہ ہوا؟ اس میں بھی اَلَّذِیْنَ کا لفظ موجود ہے اور یہ ان مفسرین کرام رح کے سامنے بھی ہے۔ پھر بھی وہ یہ معنی کرتے ہیں کہ ہمارے بتانے سے آپ کو علم ہوا پہلے نہ تھا۔ اگر کسی مقام پر موصول کے صلہ کا اور جملہ خبریہ کا علم مخاطب کو پہلے سے ہو، جس کے لئے واضح دلیل اور قرینہ موجود ہو تو اس کا انکار بھی نہیں ہے لیکن اس مقام پر اَلَمْ تَرَ سے مراد رؤیت بصری نہیں رؤیت علمی ہے۔ اور وہ بھی رب تعالیٰ کے بتانے سے اور وحی کے بعد نہ کہ پہلے۔ صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ مفسرین رح کا اتفاق ہے کہ اِذْ سے ما قبل اُذْکُرْ فعل مقدر ہے اور معنی یہ ہے کہ یاد کریں اور مخاطب کو جب علم نہیں تو یاد دلانا کیسا؟ (محصلہ) یہ بھی صوفی صاحب کی علمِ تفسیر سے بے خبری کی واضح علامت ہے۔ علامہ زمخشری رح اِذْ قَالَ رَبُّكَ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اِذْ اُذْکُرْ سے منصوب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ لفظ قالوا سے (جو اس کے بعد آرہا ہے) منصوب ہو (تفسیر کشاف ج ۱ ص ۱۲۴) اور علامہ ابو البقاء رح فرماتے ہیں کہ اِذْ اُذْکُرْ سے منصوب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اذ قال خبر ہو مبتدا محذوف کی (جو اِبْتِدَاءُ خَلْقِیْ ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے لفظ اذ ہی زائد ہے (ہامش جلالین ص ۶)

قاضی بیضاوی رح فرماتے ہیں کہ لفظ اِذْ منصوب ہے لفظ قالوا کے ساتھ یا اُذْکُرْ کے ساتھ یا اس کا عامل مضمر ہے جو بَدَأَ خَلْقَکُمْ ہے اور معمر رح (ابوعبیدہ استاد امام بخاری رح و مسلم رح) فرماتے ہیں کہ لفظ اذ زائد ہے (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص۵۲) حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں کہ اذ کے زائد ہونے کی توجیہ کو امام ابن جریر رح امام قرطبی رح اور تمام مفسرین کرام رح نے رَد کیا ہے بلکہ امام زجاج رح نے اس کو جسارت قرار دیا ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۶۹) مُغنی اللبیب وغیرہ میں اِذْ کے استعمال کے چار طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ اور اُذْکُرْ کی توجیہ کے علاوہ تین اور ہیں لہٰذا صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ مفسرین رح کا اتفاق ہے کہ اِذْ سے ماقبل اُذْکُرْ فعل مقدر ہے، بالکل غلط ہے۔ اور صوفی صاحب کا یہ کہنا بھی بے معنی ہے کہ اُذْکُرْ کے معنی ہیں یاد کریں اور جب مخاطب کو علم ہی نہیں تو یاد دلانا کیسا؟ (محصلہ) کیونکہ مطلب یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم یہ واقعہ آپ کو بتلاتے ہیں۔ آپ اس کو یاد کریں اور اپنی قوم کے سامنے اس کو بیان کریں، چنانچہ حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں:-

واذکر یا محمد اذ قال ربّک للملائکۃ واقصص علیٰ قومک ذٰلک (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۶۹)	اور یاد کر اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا اور اس واقعہ کو اپنی قوم سے بیان کر۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یاد کرنا اس لئے ہے کہ قوم کو بلاکم وکاست یہ قصہ سنایا جائے یہ مطلب نہیں کہ آپ کو پہلے ہی یہ معلوم ہے اور آپ نے اس کو دیکھا ہے اور اب اس کو یاد کریں جیسا کہ صوفی صاحب اور ان کے استادوں اور ان کے ٹولہ نے یہ سمجھ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تعصب، بدعقیدتی اور سوء فہم سے بچائے جس کے وسیع بیابان میں وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ؎

جو ہر سمت پھرتا ہے کھویا ہوا سا
نہ جانے کسے ڈھونڈنا چاہتا ہے

(۴) صوفی صاحب کا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں یہ لکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغَافِلِیْنَ فرمایا ہے لَمِنَ الْجَاھِلِیْنَ نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ آپ اس واقعہ پر رُوحانی شاہد تھے یعنی آپ کو اس کا علم تھا لیکن اس طرف توجہ نہ تھی اسی لئے شروع میں اِذْ قَالَ یُوْسُفُ فرمایا یعنی یاد کرو۔ (محصلہ) یہ بھی ایک بڑا مفروضہ ہے اور بھاگنے کے لئے راہِ فرار اختیار کرنا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے قبل اس کا علم تو تھا مگر توجہ نہ تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کو اس واقعہ کی اس سے قبل خبر ہی نہ تھی۔ اگر صوفی صاحب کو ہمارے ترجمہ اور مطلب پر یقین نہیں آتا تو ہم ان کو مجبور نہیں کرتے اپنے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ترجمہ ہی دیکھ لیں۔ وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ "اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی" (ص ۳۴۰)

(۵) صوفی صاحب بزعم خویش دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ایک سوال قائم کر کے اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگر پہلے آپ کو یہ واقعہ معلوم تھا تو پورا قصہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی اتنی ہی بات کی طرف توجہ فرماتا ہے جتنی بات کی توجہ کا حکم ہو۔ بغیر حکمِ الٰہی نبی کسی بات کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ مگر یہ بھی سراسر مُنہ زور لنگ ہے اوّلاً اس لئے کہ آپ کے خانصاحب بریلوی فرماتے ہیں کہ آپ کو اس سے قبل خبر نہ تھی۔ اتنے واضح معنی کے بعد یہ شوشہ کیا معنیٰ رکھتا ہے کہ آپ کو خبر تو تھی مگر توجہ نہ تھی۔ وثانیاً توجہ دلانے کے لئے اشارہ یا واقعہ کا کچھ حصہ بیان کرنا ہی کافی ہوتا ہے اوّل سے آخر تک سارا اور پورا قصہ بیان کرنا تحصیل حاصل ہے وثالثاً صوفی صاحب کی عبارت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے اذنِ الٰہی نہ تو نبی کی ہر بات کی طرف توجہ ہوتی ہے اور نہ ہر بات ان کو معلوم ہوتی ہے تو پھر ان کے لئے علمِ غیب کے دعویٰ کا معنیٰ؟ غرضیکہ صوفی صاحب نے جو سوال قائم کیا ہے وہ خود اس کے دلدل میں پھنس گئے ہیں اور نکل نہیں سکے۔ خود ساختہ بناوٹی و مصنوعی

کھڈوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

خود اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار

اعمال دیکھنے کی حقیقت

صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ علماء اہل السنت نے آیت وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رؤیت اعمال پر جو استدلال کیا ہے، وہ حق ہے۔ اس آیت میں رؤیت صاف طور پر مذکور ہے۔ اس کے دو فاعل ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ اس کا دیکھنا بایں طور ہے کہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں وہ اعمال کے ظہور سے پہلے ہی جانتا ہے اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کے دکھلانے اور لوازمات نبوت سے ہے لہٰذا دونوں فاعلوں کا دیکھنا اپنی اپنی شان کے مطابق ہے۔ خانصاحب کا یہ کہنا کہ یہ آیت صرف منافقوں کی رؤیت پر دلالت کرتی ہے، غلط ہے۔ کیونکہ آیاتِ قرآنیہ کا اگرچہ مورد خاص ہوتا ہے لیکن حکم عام ہوتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی سوائے منافقوں کے اور کسی کے اعمال نہیں دیکھتے اور جس آیت میں ساتھ مؤمنین کا بھی ذکر ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مؤمنین بھی حاضر و ناظر ہیں۔ خانصاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مؤمنین میں مرتبہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں؟ مؤمنین کے حق میں رؤیت بمعنی علم ہے اور وہ بھی باطلاع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خانصاحب خود شاہد کے معنی میں تحریر کر آئے ہیں کہ جب ایک ہی لفظ اللہ تعالیٰ، جناب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عام انسانوں کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کا ترجمہ ہر ایک کی شان کے مطابق ہوگا۔ خانصاحب نے یہاں فرق مراتب کیوں ملحوظ نہیں رکھا؟ یہ بات خانصاحب نے مولوی محمد عمر صاحب کے رد میں لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اولیاء کرام بھی اعمال دیکھتے ہیں اور عقلاً و نقلاً یہ درست ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ وہ

اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ علامہ مناوی رحؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بوجہ اُس نور کے کہ مؤمنین کے قلب پر چمکتا ہے، حقائق مومن پر روشن ہو جاتے ہیں اور مافی الضمیر پر اطلاع ہو جاتی ہے (شرح جامع الصغیر ج ۱ صفحہ ۱۴۲) لیکن باوجود اس کے پھر بھی مومن کسی طرح اس صفت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہیں (ملخصاً ص ۱۴۹، ص ۱۵۰، ص ۱۵۱)۔

الجواب: صوفی صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے ان کو سود مند نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ اصولی طور پر خود تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اور طریق سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیکھنا اور طرز سے ہے۔ اور مؤمنوں کا دیکھنا اور رنگ سے ہے۔ جب اتنا واضح فرق ہے تو پھر سب معانی کو گڈمڈ کرنا کون سی دیانت اور علم و دین کی خدمت ہے؟ وثانیاً لوازمات نبوت سے ہر چیز کو جاننا اور دیکھنا ہرگز نہیں اور نہ اس پر کوئی قطعی اور صریح دلیل موجود ہے بلکہ یہ فلاسفہ ملاعنہ کا غلط مسلک ہے جس کی تردید شرح مواقف وغیرہ سے پہلے ہو چکی ہے وثالثاً بے شک قرآن کریم کی اکثر آیات کا مورد خاص اور حکم عام ہوتا ہے لیکن بعض مقامات پر دلائل اور قرائن کے لحاظ سے تخصیص بھی ہوتی ہے اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ یہ مضمون اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے ان منافقین کے بارے میں نازل ہوا تھا جنھوں نے جھوٹے حیلے اور بہانے کر کے غزوہ تبوک میں شرکت سے جان چرائی تھی اور جھوٹی قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنے آپ کو صادق اور مخلص قرار دینے کی بے جا سعی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ خواہ مخواہ کی باتیں نہ بناؤ اور ڈینگیں مت مارو۔ آئندہ جہاد کے موقع پر تمھارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مومن دیکھ لیں گے کہ تم کہاں تک مخلص ہو؟ اور ظاہر بات ہے کہ مؤمنوں نے (بجز ان تین حضرات کے جنھوں نے سچائی سے کام لیا اور ان کی توبہ کی سند قرآن پاک میں نازل ہوئی) ایسی قابل گرفت کوئی کارروائی نہیں کی تھی لہٰذا ان کے اعمال کا اس طرح دیکھنے کا ہرگز کوئی معنیٰ و مطلب نہیں اور یہ مضمون صرف منافقوں کی رؤیت سے مختص ہے۔ ورابعاً اگر اللہ تعالیٰ کے

علم و رؤیت کے اثبات کے لئے نصوص قطعیہ میں اور کوئی دلیل نہ ہوتی اور صرف یہی آیت ہوتی تو پھر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی صرف منافقوں کے عمل کو دیکھتے ہیں لیکن وہ تو خالق ومالک اور علیم بذات الصدور ہے۔ اس کی رؤیت کے اور دلائل بڑے اور واضح ہیں لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے اور نصوص کے مقابلہ میں ہے جو مردود ہے۔ دو نامشا جیسے خالق و مخلوق کا فرق واضح ہے۔ اسی طرح نبی اور مؤمن کا فرق واضح ہے ہم فرقِ مراتب کے بالکل قائل ہیں اور یہ لکھ آئے ہیں کہ ؎

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

دساد شا صوفی صاحب بھی بڑے عجیب اور متلون مزاج آدمی ہیں۔ وہ پہلے لکھ آئے ہیں کہ حضرات اولیاء کرام رحمہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور ایمان کامل کے بغیر ولی ہو ہی نہیں سکتا لیکن یہاں لکھتے ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مؤمنین بھی حاضر و ناظر ہیں اور آگے پھر اس کی تردید کرتے ہیں اور مولوی محمد عمر صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اولیاء کرام رحمہ بھی اعمال دیکھتے ہیں اور عقلاً و نقلاً یہ درست ہے۔ اور علامہ مناوی رحمہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ نور مومن کے قلب پر چمکتا ہے۔ حقائق مومن پر روشن ہو جاتے ہیں اور مافی الضمیر پر اطلاع ہو جاتی ہے۔ صوفی صاحب کا اس کتاب میں یہی وتیرہ ہے کہ ایک جگہ ایک بات لکھ دیتے ہیں اور دوسری جگہ بالکل اسکے برعکس لکھ دیتے ہیں اور فارسی کے اس مشہور مصرع کے مجسّم مصداق بن جاتے ہیں ؎

لیک چشم و قلب آں را نور نیست

دسا بعًا اولیاء کرام رحمہ کے اعمال دیکھنے کا مطلب اگر یہ ہو کہ احیاناً کشف، الہام اور کرامت کے طور پر کوئی عمل ان کو اللہ تعالیٰ دکھا دیتا ہے تو یہ صحیح ہے۔ اس کا کوئی منکر نہیں اور اگر اس سے یہ مطلب مراد ہے کہ تمام اعمال حضرات اولیاء کرام رحمہ کے ہمہ وقت پیشِ نظر ہوتے ہیں اور وہ ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں تو یہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے جو قطعاً باطل ہے۔ اسی طرح مافی الضمیر پر اطلاع سے اگر احیاناً بعض باتوں پر کشف وغیرہ

کے ذریعہ اطلاع پانا مراد ہے تو بجا ہے اور اگر ہر دل کے ہر راز کو ہر وقت جاننا اور اس پر مطلع ہونا مراد ہے تو یہ یقیناً مردود ہے کیونکہ یہ نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہے اور خالص کفر ہے چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رح (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں۔ مسئلہ اولیاء را علم غیب نباشد مگر از مغیبات بطریق خرق عادت بکشف یا الہام آنہا را علم دہند و علم غیب مر اولیاء را گفتن کفر است۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (ارشاد الطالبین ص۱۹) جس طرح مومن صفتِ نبوت اور دیگر خصوصیاتِ نبوت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہیں ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پروردگارِ عالم کے ساتھ صفتِ علمِ غیب، حاضر و ناظر اور تمام اعمال دیکھنے (وغیرہ صفات) میں ہرگز شریک نہیں ہیں کیونکہ خدا خدا ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔ حیرت اور تعجب ہے کہ صوفی صاحب یہاں فرقِ مراتب کو کیوں ملحوظ نہیں رکھتے؟ اور کیوں خالق و مخلوق کو معاذ اللہ تعالیٰ گڈمڈ کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ شاید وہ اس ورد کے قائل ہوں آخر صوفی صاحب جو ہوئے۔ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

لفظ رحمۃ للعالمین سے استدلال

اہل بدعت نے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ سے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کیا ہے جس کا معقول جواب ہم نے بفضلہ تعالیٰ تبرید النواظر میں دے دیا ہے مگر صوفی صاحب ساری کتاب میں اپنی عادت مالوفہ کے پیش نظر ہمارے اس معقول جواب کا بھی کوئی رد نہیں کر سکے صرف عوام کو دھوکا دینے کے لئے دفع الوقتی سے کام لیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ان کی باتوں کا تجزیہ یُوں کر سکتے ہیں:۔

(۱) اہل سنت کا بیان ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرتاپا رحمت ہیں

اور عالم کائنات کے ذرہ ذرہ کو ہر آن اپنا فیض پہنچانے والے ہیں۔ علامہ صاویؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ اگر آپؐ کی رحمت کا تعلق ہمارے ساتھ نہ ہو تو ہم میں کوئی بھی باقی نہ رہے (تفسیر صاوی ج ۲ ص ۱۹۶) محصلہ ص ۱۵۱

(۲) خان صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کی اصلاح و فلاح کے لئے بھیجا ہے اور آپؐ کا رسول بنا کر بھیجنا تمام جہانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے (تبرید النواظر ص ۱۳۵) تو اولاً خانصاحب عالمین کا مفہوم اور معنی نہیں جانتے۔ دوسرے بھیجنے کے مفہوم سے ناواقف ہیں کیونکہ اگر بھیجنے سے مراد جسم پاک کے ساتھ بھیجنا مراد ہو تو آپ کی بعثت ماقبل والوں کو شامل نہیں کیونکہ عالمین کا اطلاق ماسوی اللہ تعالیٰ سب پر ہے۔ آپ عالم باطن اور عالم غیب میں بھی رحمت تھے اور جب جسم پاک کے ساتھ تشریف لائے پھر رحمت ہیں اور برزخ میں بھی رحمت ہیں جبھی تو رحمۃ للعلمین کا مفہوم صادق آسکتا ہے تو ثابت ہوا کہ کائنات کا کوئی فرد بھی آپؐ کے فیض رحمت سے محروم نہیں لیکن حصہ اپنے اپنے مقام کے مطابق۔ لہٰذا مفیض کو مستفیض کا ہر گھڑی ہر آن علم ہونا ثابت ہوا اور یہ علم بذریعہ مشاہدہ ہی ہے نہ کہ ہر وقت ہر ایک کے حال کی بذریعۂ وحی آپؐ کو اطلاع دی جاتی ہے۔ وہابیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ رحمۃ للعلمین ہونا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۹۶) محصلہ ص ۱۵۱، ص ۱۵۲۔

الجواب:۔ (۱) اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا رحمت ہیں اور اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں کہ آپ کی رحمت اور فیض تمام کائنات کے لئے ہے جس کو اللہ تعالیٰ آپ کی برکت، وسیلہ اور طفیل سے سب کائنات کو حصۂ پہنچا رہا ہے اور اس میں بھی کوئی خلجان نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا تعلق ہمارے ساتھ نہ ہو تو کوئی باقی نہیں رہ سکتا لیکن معاملہ سب سمجھنے کا ہے جس کو صوفی صاحب اور ان کی بدعت پسند پارٹی یہ سمجھ رہی ہے کہ آپؐ کو (معاذ اللہ تعالیٰ) عالم الغیب اور حاضر و ناظر تسلیم کیا جائے

تب ہی آپؐ کی رحمت یا آپؐ سے تعلق کا اقرار ہوگا ورنہ نہیں لیکن یہ انکی کھلی غلطی ہے۔ کیونکہ آپؐ کا کائنات کے لئے رحمت ہونا بایں معنی ہے کہ جو شریعت آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں جس کی ابتداء لا الٰہ الا اللہ سے شروع ہوتی ہے اور جس میں مذہب و سیاست دین و دنیا کی سب بھلائیاں موجود ہیں، وہ نری اور خالص رحمت ہے اور آپؐ سے جو تعلق ہے وہ اسی مد کا تعلق ہے جب آپؐ سے دین اور لا الٰہ الا اللہ کا تعلق منقطع ہو جائے گا اسی وقت قیامت آجائے گی اور یہ جہان بالکل ختم ہو جائے گا۔ حضرت انسؓ (المتوفی ۹۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

لا تقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ (مستدرک ج ۴ ص ۴۹۴ وقال صحیح علی شرطہما وقال فی مجمع الزوائد ج ۷ ص رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح)	یعنی اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں لا الٰہ الا اللہ کہا جائے گا۔

(۲) خان صاحب بفضلہ تعالیٰ عالمین کا مفہوم اور معنیٰ بھی جانتے ہیں اور بھیجے کا مفہوم بھی جانتے ہیں۔ آپؐ کی بعثت آپؐ کے جسم مبارک کے ساتھ تشریف لانے کے بعد والوں کے لئے ہے۔ پہلے لوگ آپؐ کی شریعت کے ہرگز مکلف اور پابند نہ تھے جیسا کہ اس سے قبل اس کا بیان ہو چکا ہے۔ آپؐ کی تشریف آوری اور آمد کی بشارت کی خبر پہلوں کے لئے بھی تھی کیونکہ آپؐ کی شان اور جلالت بہت بلند تھی اور ہے۔ آپؐ کا فیضِ رحمت اس طرح کا ہرگز نہیں کہ آپؐ کو ہر گھڑی ہر مستفیض کا علم ہو اور ہر وقت آپؐ کو مشاہدہ ہوتا رہے اور آپؐ وحی سے بے نیاز ہوں۔ یہ نظریہ ایجاد بندہ اور خالص اختراعی ہے اور نصوص قطعیہ کے سراسر خلاف ہے اور خالص مشرکانہ نعوذ باللہ تعالیٰ منہ۔ فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ پیش کرنے میں جس دجل وتلبیس کا ثبوت صوفی صاحب نے دیا ہے، وہ ان کے بڑوں کا ورثہ ہے۔ اور مشہور ہے کہ الولد سر لابیہ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ یہ نہیں کر سکتے کہ آپ لوگوں کو دعوت تو دیں حب رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اور اپنے آپ کو منسوب کریں اہل السنت کے نام پر اور انہیں تصور دلائیں کہ

مزاجِ یار میں آئے گا، اور آپ کو ایسا کرنے کون دیتا ہے؟ فتاویٰ رشیدیہ کی پوری عبارت ہم عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔ استفتاء۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین کہ لفظ رحمۃ للعالمین مخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں؟ الجواب۔ "لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء اور علماءِ ربانیین بھی موجبِ رحمتِ عالم ہیں۔ اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے؟ فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج۲ ص۱۲)

صوفی صاحب کے گول مول شوشے کو بھی دیکھیں اور اس مفصل عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس صفت میں سب سے اعلیٰ تسلیم کیا ہے اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام والسلام اولیاءِ عظام رح اور علماءِ ربانیین کو بھی فی الجملہ موجبِ رحمتِ عالم تسلیم کیا ہے اور وہ بھی تاویل سے مثلاً یہ کہ یہ حضرات بھی اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی شریعت پر عامل ہو کر مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت اور رضائے الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں اور عالم کے لئے رحمت ہیں اس میں کیا شک ہے؟ صوفی صاحب! کیا آپ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے؟ کون سی بات اس عبارت میں خلافِ شرع اور خلافِ واقع ہے؟ خانصاحب بریلوی کا ایک حوالہ ملاحظہ کریجیے:۔

عرض۔ غوث ہر زمانہ میں ہوتا ہے؟

ارشاد۔ بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔

(ملفوظات حصہ اول ص۱۲۹ و طبع سابق ص۱۱۶) فرمائیے! جس کے سبب سے زمین اور آسمان قائم ہوں کیا اس کے رحمتِ عالم ہونے میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟ صوفی صاحب ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے

اہلِ بدعت نے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ سے

بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے پر استدلال کیا ہے جس کا رد تبرید النواظر میں کردیا گیا ہے۔ پورے جواب کا رد تو صوفی صاحب کے بس کا روگ نہ تھا صرف ایک شق کو لے کر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناتمام سعی کی ہے۔ تبرید النواظر میں لکھا تھا کہ اگر یہاں پر مخالفین رحمت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے تو اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ آپ محسنین کے لئے حاضر وناظر ہوں گے نہ کہ عام مسلمانوں اور کفار وغیرہ کے لئے (محصلہ)۔ اس کا جواب صوفی صاحب یوں دیتے ہیں کہ محسنین کی قید سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے علاوہ کسی دوسرے سے بالکل قریب نہیں، محسنین کے ساتھ ایک خاص قرب مراد ہے ورنہ ان آیات کا کیا جواب ہوگا؟ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُحْسِنِیْنَ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ کیا ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سوا اور کسی کے ساتھ نہیں حالانکہ وہ تمھارے سب کے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ ثابت ہوا کہ متقین، محسنین اور صابرین کے ساتھ ایک خاص نوعیت کا ساتھ ہے ورنہ معیت سب کو حاصل ہے (محصلہ ص۱۵۲ وص۱۵۳)

الجواب: صوفی صاحب سچ پوچھئے تو آپ نے اس عبارت میں اپنے جواب کا رد خود کردیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ بدعت پسند ہونے کی وجہ سے آپ سمجھے نہیں وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تو دو۲ قسم کے مضمون ہیں۔ ایک متقین محسنین اور صابرین کے ساتھ معیت کی یہ خاص قسم (مثلاً رضا۔ توفیق عبادت اور نصرت وغیرہ) کی معیت ہے اور دوسری عام قسم کی معیت ہے جو وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ میں بیان ہوئی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں صراحۃً حاضر وناظر

ہونے کی معیت کس آیت سے ثابت ہے؟ اور اگر بالفرض یہ مجنین کے لئے تسلیم بھی کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرح وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ کی عمومی معیت آپ کے لئے کس آیت کریمہ سے ثابت ہے؟ الغرض صوفی صاحب کا استدلال اور اس کا جواب بناء الفاسد علی الفاسد ہے جس کی علمی دنیا میں قطعاً کوئی وقعت نہیں ہے اور اس جواب کی قیمت ایک جام بھی نہیں ہے بقول کسے

اتنا بھی نہ نکلا ترا ایمان تو واعظ!

میخانہ میں اک جام کی قیمت ہی ادا ہو

معمّہ صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ خان صاحب ہر جگہ اور بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ گندی مجالس میں جہاں فوٹو ہوں وہاں فرشتے نہیں آتے پھر جائیکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں حاضر و ناظر ہوں۔ اور آج تو ہر گھر صنم کدہ اور بت خانہ بنا ہوا ہے لیکن دو چیزیں اور بھی ہیں جن کی موجودگی میں فرشتے گھروں میں داخل نہیں ہوتے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں فوٹو یا کتا یا جنبی آدمی ہو یعنی جس پر غسل فرض ہو، وہاں فرشتے نہیں آتے۔ اس حدیث کو بھی یاد رکھیں اور طائفہ وہابیہ کے غوث الاعظم رشید احمد گنگوہی کی بھی سنیئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات حالتِ جنابت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۱۱) ناظرین خود فیصلہ کریں کہ گرو سچا ہے یا چیلہ۔ (محصلہ ص ۱۵۳، ص ۱۵۴)

الجواب: صوفی صاحب! ناراض نہ ہوں بحمد اللہ تعالیٰ گرو بھی سچا ہے اور چیلہ بھی۔ وہ اس طرح کہ جس گھر میں جاندار چیز کا فوٹو ہو اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے جیسا کہ اس پیش کردہ روایت سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوٹو والے گھر میں داخل نہیں ہوئے (ملاحظہ ہو بخاری ج ۲ ص ۸۸۱ وغیرہ) مگر جنابت کا مسئلہ الگ ہے وہ اس طرح کہ فرشتے نہ تو جنبی ہوتے ہیں اور نہ رحمت کے فرشتے جنبیوں کے پاس

جاتے ہیں۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ جہاں نشے والا آدمی ہو اور زعفران لگانے والا مرد اور حیض والی عورت اور جنبی ہو وہاں (رحمت کے) فرشتے ان کے قریب نہیں جاتے (الجامع الصغیر ج۲ ص۱۴۱ وقال صحیح) اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حیض کے ایام میں ان کے پاس لیٹتے اور ان کے ہاتھ سے کھانا لے کر کھاتے اور پانی پیتے تھے۔ اور آپ کو جنابت بھی لاحق ہوتی تھی اور آپ غسل بھی فرماتے تھے (مثلاً ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص۳ ومسلم ج ۱ ص۱۴۳ وغیرہ۔ اور ایسی واضح حقیقت کے اثبات کی ضرورت بھی نہیں ہے) اور آپ جنبیوں سے ملاقات بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ سے ملے اور وہ جنابت کی حالت میں تھے پھر فوراً کھسک گئے۔ جب دیر کے بعد آئے تو آپ نے فرمایا اے ابوہریرہ تو کہاں چلا گیا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ میں جنبی تھا اس لئے آپ کے پاس نہ ٹھہر سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ ان المؤمن لا ینجس۔ سبحان اللہ مومن تو پلید نہیں ہوتا۔ (او کما قال۔ بخاری ج ۱ ص۴۲، ترمذی ج ۱ ص۱۷)۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جنبی سے ملاقات بھی کی اور اس سے تنفر بھی نہیں کیا لہٰذا اگر مولانا گنگوہی رحمہ اللہ سے اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی تو اس سے کیا شرعی مسئلہ پہ زد نہیں پڑتی۔ علاوہ ازیں یہ خواب کا معاملہ ہے جو اختیاری نہیں اور پھر خواب میں جسد مثالی سے ملاقات ہوتی ہے اور ہم حضرت مجدد صاحب وغیرہ کے حوالہ سے جسم مثالی کی تحقیق اسی کتاب میں کر چکے ہیں کہ اس میں جس کی مثال ہوتی ہے اس کو بسا اوقات علم تک نہیں ہوتا کہ ہماری مثال کس سے ملی اور اس نے کیا کیا اور کیا کہا؟ اور آپ لوگوں کا تو یہ نارو اعقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتی ہے اور ہر چیز کا مشاہدہ کرتی رہتی ہے یا آپ اپنی جگہ پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور درمیانی پردے ہٹ جاتے ہیں اور آپ سب کچھ دیکھتے رہتے ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) اور اس لحاظ سے گویا ساری دنیا آپ کے سامنے ہتھیلی کی طرح حاضر ہے

ہے اور دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ جسمِ مثالی کے ساتھ حاضر ہونا اور رنگ میں ہوتا ہے اور رُوح مبارک یا رُوح مبارک کے جسدِ اطہر سے علاقہ رکھتے ہوئے اپنی جگہ پر مشاہدہ کرتے رہنا اور حقیقت ہے مگر صوفی صاحب اور ان کی جماعت کم علمی کی وجہ سے ان کو گڈمڈ کر رہی ہے

لوگ کیوں کہتے ہیں تجھ کو سخت گیر
عقل کیا دُنیا سے رُخصت ہو گئی

ہذا الرجل کی بحث

فریق مخالف نے ما تقول فی ہذا الرجل سے قبور میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کیا ہے جس کی بفضلہٖ تعالیٰ بما لا مزید علیہ بحث تبرید النواظر میں کر دی گئی ہے جس کے جواب سے صوفی صاحب محض صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ ہیں، صرف کچھ کر دکھانے کی خاطر جو باتیں کہی ہیں اور ٹھوس دلائل سے دامن بچا کر بھاگنے کی بے جا سعی کی ہے اس کا کچھ نمونہ بھی دیکھ لیں۔ ہم نے تبرید النواظر میں یہ لکھا تھا کہ لفظ ھٰذا اگرچہ حاضر کے لئے وضع کیا گیا ہے لیکن غائب کے لئے بھی اس کا اِستعمال جائز ہے جیسا کہ مطول میں ہے اور ہم نے متعدد صحیح احادیث اور علماء عربیت کی روشن عبارات سے باحوالہ یہ ثابت کیا ہے کہ ھٰذا سے ان مقامات پر غائب مُراد ہے۔ صوفی صاحب اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور جو باتیں انھوں نے کہی ہیں ان کا تجزیہ یہ ہے :۔

(۱) مطول کی عبارت ویجوز علیٰ قِلّتہٖ لفظ الحاضر نحو قلتلی ھٰذا الرجل وان کان غائبا یعنی کبھی کبھی حاضر کے لفظ سے غائب کو تعبیر کیا جاتا ہے اس سے ہم کو اختلاف نہیں سوال تو صرف یہ ہے کہ لفظ ھٰذا کا موضوع لہٗ کیا ہے؟ اس کا جواب مطول کی مذکورہ عبارت میں ہی موجود ہے کہ صاحب مطول نے لفظ حاضر بول کر اس کی مثالِ ہٰذا الرجل دی ہے ثابت ہوا کہ لفظ ھٰذا کا حقیقتاً استعمال حاضر کے لئے ہی ہے۔ جب حقیقت اور اصل سے تجوز اور عدل پر کوئی دلیل یا قرینہ قوی موجود نہ ہو عدول ہرگز جائز نہیں لہٰذا حضور نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبر میں حاضر ہونا ثابت ہوا ہے۔ ہماری اس تقریر سے خانصاحب کے دیگر دلائل اور مثالیں ہباءً منثوراً ہو گئیں (ص ۱۵۴)

(۲) اور حافظ ابن حجر رحمہ کی عبارت کا جواب ملا علی ن القاری رحمہ نے یہ دیا ہے کہ میں کہتا ہوں بالتقدیر صحیح ہونے اس بات (یعنی دکھائے جاتے ہیں مقبور کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے احتمال ہے کہ آپ کا دکھایا جانا بعض کو مفید اور بعض کو نہ ہو، ظاہر بات یہ ہے کہ یہ معاملہ خاص ہے ان لوگوں کے ساتھ، جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حیات مبارک میں پایا اور آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے (مرقات ج ۱ ص ۱۹۹) بہر حال یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ حجاب ہماری طرف سے ہے نہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے (ص ۱۵۴، ص ۱۵۵)

(۳) اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کی عبارت، کہ نہ معلوم سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھایا جاتا ہے، شریعت نے کچھ تفصیل نہ فرمائی ـــ خانصاحب کو مفید نہیں۔ کیونکہ اس میں تفصیل کی نفی ہے نہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقبور کے سامنے حاضر ہونے کی۔ (ص ۱۵۵)

(۴) خانصاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبروں میں حاضر نہ ہونے پر جن واقعات سے استدلال کیا ہے۔ ان کا جواب امام الاحناف علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے معاملہ میں تقدم حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم اور ولی کو نماز کے اعادہ کا حق ہے (شرح النقایہ ج ۱ ص ۱۳۶) چونکہ صحابہ کرام رض کا آپ کو جنازہ کی اطلاع نہ دینے میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حق تلفی بھی تھی اور میت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے محروم رکھنا بھی تھا۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اطلاع دیئے بغیر کوئی میت دفن نہ کیا کرو کیونکہ میری دعا میت کے لئے رحمت ہے لہٰذا یہ قبر میں حاضر ہونے کے خلاف نہیں۔ (ص ۱۵۵)

(۵) خانصاحب کا یہ کہنا کہ فریق مخالف آپؐ کی موجودگی میں خود کیوں نماز جنازہ پڑھاتے ہیں۔ نماز تم خود پڑھاتے ہو خطبہ خود پڑھتے ہو۔ فتویٰ خود دیتے ہو۔ سو یہ قول جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ اور ایسے سب امور دُنیاوی حیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیا اس دارالتکلیف سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احکام کے مکلف ہیں؟ کیا مفروض کی متنفل کے پیچھے عبادت جائز ہے، ایسی لچر باتیں کرنا تو صرف فقدان عقل کی دلیل ہے۔ بلفظہ ص۱۵۵، ص۱۵۶

الجواب:۔ صوفی صاحب نے یہ جو کچھ کہا ہے بالکل مخدوش ہے اور ان کو کسی طرح بھی نافع نہیں ہے۔

(۱) لفظ خدا کا موضوع لہ اگرچہ حاضر ہے لیکن استعمال اس کا غائب کیلئے بھی ہوتا ہے شرعی اور فقہی لحاظ سے استعمال اور عرف کا بڑا دخل ہے۔ صوفی صاحب کو اگر توفیق ہو تو کتب فقہ میں باب الایمان ہی کو دیکھ لیں کہ استعمال اور عرف کا الفاظ کے معانی و مطالب میں کتنا دخل ہے اور لفظ خدا استعمال کے اعتبار سے حاضر و غائب میں مشترک ہے۔ حقیقت و مجاز کا معاملہ یہاں نہیں ہے تاکہ حقیقت اور اصل سے تجوز اور عدول کے لئے کسی دلیل اور قوی قرینہ کی ضرورت پڑے اور مشترک اپنے سب معانی میں حقیقت ہوتا ہے اور اگر بالفرض صوفی صاحب کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہاں حقیقت و مجاز کا معاملہ ہے تو اس مقام میں لفظ خدا سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی پر قرینہ ہی نہیں، قرائن موجود ہیں شاہد ہی نہیں شواہد موجود ہیں۔ دلیل ہی نہیں، دلائل و براہین موجود ہیں جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ و صریحہ اور حضرات فقہاء کرام رح کے روشن فتووں پر مشتمل ہیں جن کا ذکر تبرید النواظر، ازالۃ الریب، مسئلہ علم غیب اور حضرت ملا علی ن القاری رح اور پیش نظر کتاب میں صراحت کے ساتھ موجود و مذکور ہے اس لئے کسی طرح بھی لفظ خدا سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقبور کے سامنے قبر میں حاضر ہونا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اور تبرید النواظر میں جو واقعات اور مثالیں ٹھوس حوالوں کے ساتھ پیش کی گئی ہیں وہ مضبوط

پہاڑوں اور چٹانوں کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکی اور نہ ہلی ہے۔ قارئین کرام خود بغور تبرید النواظر میں ان غیر متزلزل مثالوں کو پڑھیں۔ صوفی صاحب کی مغالطہ آفرینی میں نہ آئیں اور نہ ان کی رنگینی پر مفتون ہوں۔ آخر بے تکی رنگینی سے کیا فائدہ؟

(۲) حضرت ملا علی ن القاری رح کا حوالہ بھی صوفی صاحب کو مفید نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ حضرت ملا علی ن القاری رح فی ہذا الرجل کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ای فی شانہ واللام للعھد الذھنی وفی الاشارۃ ایماء الی تنزیل الحاضر المعنوی منزلۃ الصوری مبالغۃ (مرقات ج ۱ ص ۱۹۹)

یعنی آپ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اور الرجل میں لام معہود ذہنی کے لئے ہے اور لفظ ھذا سے اشارہ کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ معنوی (اور ذہنی) طور پر حاضر کو مبالغۃً صوری (اور حسی) طور پر حاضر قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ملا علی ن القاری رح کی یہ عبارت آفتاب نیمروز کی طرح اس امر کو آشکارا کرتی ہے کہ وہ بھی لفظ ھذا سے حاضر وناظر مراد نہیں لے رہے بلکہ معہود ذہنی اور غائب کو مبالغۃً حاضر کا درجہ دے رہے ہیں۔ وثانیاً صوفی صاحب نے حضرت ملا علی ن القاری رح کا جو حوالہ اپنے استدلال میں پیش کیا ہے، وہ ان کے دعویٰ کے خلاف ہے اور ہماری تائید میں ہے۔ صوفی صاحب اور ان کی بدعت نواز پارٹی کا یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر مقبور کے سامنے حاضر کئے جاتے ہیں اور یہ عبارت اس کے خلاف ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پوری عبارت عرض کردیں۔

قال ابن حجر رح ولا یلزم من الاشارۃ ماقیل من رفع الحجب بین المیت وبینہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یراہ ویسئل عنہ لان مثل ذلک لا یثبت

ابن حجر رح نے فرمایا کہ اس اشارہ سے وہ بات ثابت نہیں ہوتی جو کہی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور میت کے درمیان سے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ آپ کو دیکھتی ہے اور اس سے سوال

بالاحتمال علیٰ انہ مقام امتحان وعدم رؤیتہ شخصہ الکریم اقویٰ فی الامتحان قلت وعلیٰ تقدیر صحتہ یحتمل ان یکون مفیدًا البعض دون بعض والاظھر ان یکون مختصًا بمن ادرکہ فی حیاتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وتشرف برؤیۃ طلعتہ الشریفۃ انتھیٰ (مرقات ج ۱ ص ۱۹۹)

ہوتا ہے کیونکہ ایسی چیز محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ امتحان کا مقام ہے اور آپؐ کی ذات مبارک کو نہ دیکھنا ہی امتحان میں قوی تر معاملہ ہے میں کہتا ہوں کہ اگر یہ صحیح بھی ہو تو احتمال ہے کہ یہ بعض کے لئے مفید ہو اور بعض کے لئے مفید نہ ہو اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہو جنھوں نے آپؐ کی زندگی میں آپؐ کو پایا اور آپؐ کے چہرۂ اقدس کی رویت سے مشرف ہوئے۔

صوفی صاحب بار بار اس عبارت کو پڑھیں۔ پہلے تو حضرت ملا علی ن القاریؒ قبر میں آپؐ کے حاضر و ناظر ہونے کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے اور بر تقدیر تسلیم یہ فرماتے ہیں کہ یہ بعض کے لئے ہے کُل کے لئے نہیں اور یہ بعض بھی وہ ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں آپؐ کو دیکھا اور آپؐ کی رویت اس کو نصیب ہوئی۔ اس سے قیامت تک آنے والے ہر مقبور کی قبر میں حاضر ہونے کا کیا ثبوت؟ جس کے درپے صوفی صاحب ہیں؟ فرمائیے صوفی صاحب! امام الاحناف حضرت ملا علی ن القاریؒ کیا ارشاد فرما گئے؟ اور کیا اصولی طور پر انھوں نے حافظ ابنِ حجرؒ کی تائید کی۔ ہے یا تردید؟ مگر صوفی صاحب معاف رکھنا آپ حضرات کو حق سے خدا واسطے کا بیر ہے اور چڑ ہے اور غیر متعلق عبارات کی بھرمار کر کے اور بھرتی ڈال کر عوام الناس کو ورغلانا اور اہلِ حق سے متنفر کرنا حلوہ اور کھیر کی طرح آپ کا پیارا اور لذیذ مشغلہ ہے۔ کرتے رہیں ہمارا کیا نقصان ہے؟ ؎

تمھارے رازِ سربستہ کو طشت از بام کرتا ہے
ہمارے ضبط کا ناقابلِ اظہار ہو جانا

(۴) ہم نے تبرید النواظر میں پہلے علامہ قسطلانیؒ حافظ ابنِ حجرؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ کے حوالوں سے یہ لکھا ہے کہ میت کے پاس قبر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر ہونے

کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں اور نہ ہمارے علم میں ہے۔ اس کے بعد ہم نے لکھا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور بات بھی خصوصیت سے قابلِ غور ہے وہ یہ کہ فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت خان صاحب بریلوی خود لکھتے ہیں کہ ماتقول فی ہذا الرجل ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اب نامعلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضۂ مقدسہ سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے، شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی۔ ہمارا مقصد اس ترتیب سے ان حوالوں کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ علامہ قسطلانی رح، حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی رح اور امام سیوطی رح جیسے اساطین علم آپؐ کے قبر میں حاضر ہونے کی کوئی صحیح حدیث نہیں جانتے اور خان صاحب باین کر وفر اس کی تفصیل بتانے سے قاصر و عاجز ہیں تو وال میں کالا کالا ضرور ہے کہ ہذا الرجل سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبر میں حاضر و ناظر ہونے پر قطعیت اور صراحت سے استدلال تو مخدوش ہوا جس کا دعویٰ فریقِ مخالف کے بعض حضرات کو ہے جن میں صوفی صاحب بھی شامل ہیں اس حد تک ہمارا مدعا بالکل ثابت ہے۔

(۴) اس پر ہمارا بھی صاد اور اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنازہ کے معاملہ میں حق تقدم حاصل تھا کیونکہ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم کی تصریح موجود ہے اور اس میں بھی کوئی نزاع نہیں کہ آپؐ کی دعامیت کے لئے باعث رحمت و نجات ہے اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ آپؐ کیلئے قبر پر دعا کے عمومی جواز کے علاوہ آپ کو قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی بھی خصوصیت حاصل تھی اور اس میں بھی شک نہیں کہ ولی کو نماز جنازہ کے اعادہ کا بھی حق ہے اور حضرت ملا علی بن القاری رح کا حوالہ بھی علی الراس والعین یہ تمام باتیں نزاع و اختلاف سے بالاتر ہیں۔ اصل نکتہ اور مرکزی بات یہ ہے جس کو صوفی صاحب سیون اپ کی بوتل سمجھ کر پی گئے ہیں۔ کہ اگر آپ کو مرنے والوں کا از خود علم ہوتا تھا تو باوجود کمال رحمت و شفقت کے آپؐ از خود ہی ان کے جنازوں میں شرکت کیوں نہیں فرماتے تھے؟ اور آپؐ حضرات صحابہ کرام رض کی اطلاع کے منتظر کیوں ہوتے تھے؟ اور آپؐ نے یہ کیوں فرمایا کہ مجھے اطلاع دیئے

بغیر کوئی میت دفن نہ کیا کرو کیونکہ میری دعا میت کے لئے رحمت ہے ؛ کیا علیم و خبیر کو بھی اطلاع دینے کی ضرورت ہوتی ہے ؟ اور کیا قبر میں میت کے پاس حاضر ہو کر یا اپنی جگہ پر رہ کر اور میت کا مشاہدہ کر کے پھر بھی اپنے صحابہ کرام رض کو زجر و توبیخ کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ تم نے مجھے فلاں کی وفات کی خبر کیوں نہیں دی ؟ اور مجھے اطلاع دیئے بغیر کسی کو دفن نہ کیا کرو؟ اصل مرکزی بات یہ ہے جس پر صوفی صاحب پردہ ڈال رہے ہیں مگر ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس طرح حقیقت کا خون نہیں چھپ سکتا۔ وہ خود پکار پکار کر کہتا ہے ؎

خونِ ناحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے ؟
کیوں وہ بیٹھے ہیں میری نعش پہ دامن ڈالے

(۵) یہ ٹھیک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکلیفی زندگی وفات حسرت آیات کے ساتھ ختم ہو گئی ہے اور یہ بھی بجا ہے کہ مفترض (اور بقول صوفی صاحب مفروض) کی نماز و عبادت حضرات احناف رح و موالک رح کے نزدیک متنفل کے پیچھے درست نہیں ہے لیکن صوفی صاحب ہی بتائیں کہ حضرات شوافع رح اور حنابلہ رح کے نزدیک تو مفترض کی متنفل کے پیچھے نماز جائز ہے کیا صوفی صاحب بتا سکتے ہیں کہ بعد از وفات آج تک آپ نے کہیں شوافع رح اور حنابلہ رح کو فرض نماز پڑھائی ہو یا ان حضرات نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہو؟ آخر صوفی صاحب اور ان کی پارٹی نے ان حضرات کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امامت سے کیوں محروم کر رکھا ہے ؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے ؟ اور چلو فرضی نماز نہ سہی۔ آں حضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں کو براہِ راست مقتدی بننے کا شرف عطا فرماتے ہوئے کہیں کسی موقع پر (اور کم از کم المسجد الحرام اور مسجد النبوی میں ہی) نفلی نماز پڑھا دیتے۔ اگر آپ معراج کی رات (ایک تفسیر کی رو سے) حضرات انبیاء کرام علیہ و علی جمیعہم الصلوٰۃ والسلام کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ (کیونکہ وہ جسد کیساتھ حاضر تھے) باقی حضرات کی تکلیفی اور دنیوی زندگی ختم ہونے کے بعد نفلی نماز پڑھا سکتے ہیں تو کسی موقع پر اپنے امتیوں کو کیوں

نہیں پڑھا سکتے؟ نماز وغیرہ فرائض کا قصہ چھوڑیئے، اُمّت کو وعظ و نصیحت فرمانے میں اور اُمّت میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لئے کچھ بیان کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اور اختلافی و نزاعی مسائل میں تصفیہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ کیا اس کا کوئی عقلی اور نقلی ثبوت ہے کہ فلاں موقع پر آپؐ تشریف فرما ہوئے اور مسلمانوں کی دو جماعتوں میں آپؐ نے صلح کرائی؟ یا اُن کو لڑائی سے روکا؟ یا نزاعی مسائل میں یہ فیصلہ صادر فرمایا؟ کیا ہے اس کا کوئی ثبوت کہ آپؐ جسمِ اطہر اور روح مبارک دونوں سے یا صرف روح مبارک سے فلاں جگہ تشریف فرما ہوئے اور یہ خطاب فرمایا؟ جسدِ مثالی کے ساتھ خواب یا بیداری میں ملاقات اور ارشاد فرمانے کے حالات ہرگز محلِ نزاع نہیں ہیں اس لئے خلط مبحث کرنا جہالت اور فقدانِ عقل کی دلیل ہے۔ صوفی صاحب اس کو اچھی طرح سمجھ لیں جسمِ مثالی کی بحث پہلے ہو چکی ہے۔

عبدُ المصطفےٰ، عبدُ الرسولؐ اور عبدُ النبیؐ وغیرہ نام

چونکہ خاں صاحب بریلوی اہلِ حق کو چڑانے کے لئے اکثر اپنے نام کے ساتھ عبد المصطفیٰ احمد رضا لکھتے تھے اور فخریہ طور پر کہتے ہیں کہ ؏

ہم ہیں عبد المصطفےٰ پھر تجھ کو کیا

ان کے اس مصرع کے جواب میں ہم نے تبرید النواظر میں جواب دیا تھا کہ ؎

ہم تو ہیں اللہ کے بندے سبھی
تو ہے عبد المصطفیٰ پھر ہم کو کیا

اس پر صوفی صاحب کا پارا خاصا چڑھ گیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو باتیں انھوں نے کہی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) خانصاحب! کیا سارا طائفہ ہی اس منصبِ عالی سے ازلی طور پر محروم ہے کیونکہ عبد المصطفیٰ ہونا کوئی معمولی بات نہیں اور ہر ایک بدنصیب کا حصہ بھی نہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر اولیاء کرام سبھی عبد المصطفیٰ ہیں سوائے منافقوں اور مشرکوں کے۔

(۲) قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ الآیۃ یعنی اے نبی آپ فرمادیں کہ اے میرے بندو الخ۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح فرماتے ہیں کہ (عبادی میں) مرجع ضمیر متکلم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہیں مولانا اشرف علی صاحب نے فرمایا۔ قرینہ بھی انہی معنوں کا ہے۔ آگے فرماتا ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا تو فرماتا رحمتی تاکہ مناسب عبادی کے ہوتے۔ (شمائم امدادیہ حصہ دوم صک)

(۳) حضرت عمر رض نے منبر پر مجمع صحابہ رض میں یہ فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ساتھ تھا وکُنْتُ عَبْدَهٗ وَخَادِمَهٗ میں آپ کا بندہ اور خادم تھا (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۲ صک) یہ خطبہ ازالۃ الخفاء میں بھی منقول ہے۔

(۴) عبدالمصطفیٰ ہونے سے بیزاری، عبداللہ ہونے سے بیزاری ہے جو عبدالمصطفیٰ نہیں وُہ عبداللہ نہیں، عبدالشیطان ہے۔ اور دیوبندی ہونے کا بھی یہ ہی معنیٰ ہے کہ شیطان کے بندے۔ اس بیہودہ گروہ کا ہر شخص دیوبندی ہونے پر فخر کرتا ہے اور عبدالمصطفیٰ ہونے سے بیزار ہے۔ (۵) ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم کا کمال عبداللہ ہونا ہی ہے اور اُمت اجابت کے لئے سب سے بڑا کمال عبدالمصطفیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہونا ہی ہے۔ اس سے بڑا کمال کوئی نہیں اور یہ کمال ولایت کے تمام کمالات کو حاوی ہے۔ خانصاحب کو اتنا شعور بھی نہیں کہ وصف عبدالمصطفیٰ سے بیزاری تو تمام صحابہ کرام رض اور تمام اولیاء کرام رح بلکہ تمام انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام سے بیزاری ہے اگر آج شک ہے تو کل قیامت کو دُور ہو جائے گا۔

(۶) رشید احمد گنگوھی رح سے کسی نے سوال کیا۔ سوال: بعض بعض صوفی یہ کہتے ہیں کہ جب تک بندے کا بندہ نہ ہو خُدا نہ ملے۔ تو یہ کلمہ کیسا ہے؟ جواب: اس کے معنی درست ہیں۔ رشید احمد گنگوہی (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۹۸) ثابت ہُوا کہ کوئی وہابی نجدی عبداللہ بھی نہیں جبکہ عبدالنبی نہیں۔ (محصلہ ص۱۵۶، ص۱۵۷، ص۱۵۸)۔

الجواب: صوفی صاحب کے معلومات کے لئے عرض ہے کہ راقم نے ردِ بدعات ہد

ایک الگ اور مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے راہِ سُنّت۔ اس میں ہم نے عبدالنبی اور عبد الرسول وغیرہ ناموں کے بارے میں باحوالہ بقدرِ ضرورت تفصیل لکھی ہے پُوری بحث تو وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ ضروری چند باتیں ہم یہاں عرض کرتے ہیں۔ عبد کے معنی عبادت کنندہ کے بھی آتے ہیں اور خادم و غلام کے بھی آتے ہیں جب اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مُراد پہلا معنیٰ ہوتا ہے اور جب مخلوق میں سے کسی کی طرف ہو تو اس سے مُراد غلام اور مملوک ہوتی ہے جیسے صَالِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اور مجازاً عبد بمعنیٰ مطیع اور منقاد کے بھی آتا ہے لیکن نام اور تسمیہ کے موقع پر عموماً یہ لفظ عبادت کنندہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ایسے موقع پر متبادر معنیٰ ہی یہی ہے اس لیے یہ ایہامِ شرک سے خالی نہیں جس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر عبد بمعنی غلام اور مملوک کے ہو تو خلافِ واقع ہے اور اگر بمعنی مطیع کے ہو تو جائز ہے۔ چنانچہ امام ابن حجر مکی رح لکھتے ہیں :-

ویحرم ملك الاملاک لان ذٰلك لیس لغیر اللہ تعالیٰ وکذا عبد النبی وعبد الکعبۃ او الدار او علی رض او الحسن رض لایھام الشرك (شرح منھاج)	کسی کا نام شہنشاہ رکھنا حرام ہے کیونکہ یہ نام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اسی طرح عبدالنبی اور عبدالکعبہ اور عبدالدار اور عبد العلی رض اور عبدالحسن رض نام بھی صحیح نہیں ہیں کیونکہ ان میں ایہامِ شرک ہے۔

حضرت ملا علی ن القاری رح فرماتے ہیں کہ :-

واما ما اشتھر من التسمیۃ بعبد النبی بظاھرہ کفر الا ان اراد بالعبد المملوك (شرح فقہ اکبر ص ۲۲۴) طبع کانپور	عبدالنبی نام رکھنا جو مشہور ہے بظاہر یہ کفر ہے مگر یہ کہ عبد سے مملوک مُراد ہو تو پھر کفر نہ ہوگا۔

اور نیز لکھتے ہیں :-

ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی ولا عبرۃ بما شاع فیما بین الناس (مرقات ج ۹ ص ۱۰۶)	عبدالحارث اور عبدالنبی وغیرہ نام جو لوگوں میں مشہور ہیں، یہ جائز نہیں ہیں اور لوگوں کے اس عمل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں :-

"شرک چنانچہ در عبادت و قدرت می شود ہمیں قسم شرک در تسمیہ ہم می شود و ایں قسم نام نہادن شرک در تسمیہ است ازیں ہم احتراز لازم است" (فتاویٰ عزیزی ج۱ صـ۵۶)

مولانا عبدالحی لکھنوی رحؒ لکھتے ہیں کہ۔ سوال :- "عبدالنبی یا مانند آں نام نہادن درست است یا نہ ؟" جواب :- "اگر اعتقاد ایں معنیٰ است کہ ایں کس عبدالنبی نام دارد و بندۂ نبی است عین شرک است و اگر عبد بمعنی غلام و مملوک است آں ہم خلاف واقع است و اگر مجازاً عبد بمعنی مطیع و منقاد گرفتہ شود مضائقہ ندارد لیکن خلاف اولیٰ است" الخ (مجموعۂ فتاویٰ ج۲ صـ۹۵) اور دوسرے مقام پر ارقام فرماتے ہیں :- استفتاء۔ "کسی کا نام عبدالرسول یا عبدالحسین وغیرہ رکھنا درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا" الجواب۔ "ہوالمصوب ایسا نام جس میں اضافت عبد کی طرف غیر خدا ہو شرعاً درست نہیں ہے اور اگرچہ صرف اس قسم کے نام رکھنے سے حکم شرک کا نہ ہو۔ بسبب احتمال اس کے کہ عبد سے مراد خادم و مطیع ہے مگر بوئے شرک سے ایسا نام رکھنا خالی نہیں ہے۔ قرآن و حدیث اس قسم کے نام رکھنے کی ممانعت پر دال ہیں اور علماء اُمّتِ محمدیہ نے بھی جا بجا اس کی تصریح کی ہے" الخ (مجموعہ فتاویٰ ج دوم صـ۳۲) اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے۔ (جاء الحق صـ۳۶۳)۔

صوفی صاحب بغور یہ حوالے پڑھیں اور پھر کہیں کہ کیا سب علماءِ ملت وہابی نجدی ہیں، اور خصوصاً امام الاحناف حضرت ملا علی ن القاری رحؒ۔ اس ضروری تمہید کے بعد اب آپ علی الترتیب جوابات ملاحظہ کریں۔

(۱) عبدالمصطفیٰ سے اگر بندۂ مصطفیٰ مراد ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو اس کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اس معنیٰ میں حضراتِ انبیاء کرام، صحابہ کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عبدالمصطفیٰ کہنا ان پر صریح بہتان اور خالص جھوٹ ہے اور بقول صوفی

صاحب اس بدنصیبی کا حصہ صرف خان صاحب اور وہابیوں کو ہی نہیں ملا بلکہ فقہاء ملت اور علی الخصوص امام الاحناف ملا علی بن القاری رح جیسے بھی اس میں شریک ہیں۔ اور اگر اس سے مراد خادم و مطیع ہے تو بجا ہے مگر پھر بھی کراہت سے خالی نہیں ہے۔ اس پر اصرار کرنے کا کیا معنیٰ؛ خلافِ شرع باتوں پر اصرار کرنا منافقوں اور مشرکوں کا وتیرہ ہوتا ہے نہ کہ مسلمانوں اور حق پرستوں کا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو حق دین کی صحیح سمجھ اور پھر اس پر عمل کی توفیق بخشے۔

(۲) عبادی میں عبد سے اگر عبادت کنندہ مراد ہے تو یہ معنیٰ مراد لینا قرآن کریم کی روح کے خلاف اور دوسری آیت کریمہ سے متعارض ہے جو ہرگز مراد نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ الآیۃ (پ ۳۔ آل عمران۔ رکوع)

کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتاب و حکمت دی ہو کہ پھر لوگوں سے یہ کہے کہ تم میرے بندے ہو جاؤ۔

اس آیت کریمہ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر کو یہ حق ہی حاصل نہیں کہ وہ لوگوں سے یوں فرمائیں کہ تم عبادی (میرے بندے) ہو جاؤ اور اگر عبد سے مجازاً مطیع اور منقاد مراد ہے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور مولانا تھانوی رح کی یہی مراد ہے تو بقول حضرت مولانا عبد الحی رح مضائقہ ندارد، لیکن خلاف اولیٰ ہے اور بقول امام ابن حجر مکی رح چونکہ اس میں ایہامِ شرک ہے اس لئے عوام کی خاطر خواص کو بھی اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۳) حضرت عمر رضؓ نے نام کے طور پر نہیں فرمایا کہ میں عبد النبی، عبد الرسول اور عبد المصطفےٰ ہوں بلکہ اطاعت اور خدمت کے جذبہ کے تحت فرمایا ہے کہ كُنْتُ عَبْدَهٗ وَخَادِمَهٗ یہ تسمیہ نہیں ہے جس میں نزاع ہے اور اپنے دور اور اپنی حیثیت کے لحاظ سے حضرت عمر رضؓ سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کون مطیع، منقاد اور خدمت گزار ہو سکتا ہے؟ اور خادمہ کا لفظ اس کا واضح قرینہ ہے اور دوسرا قرینہ اس میں مَعَ کا لفظ ہے، یعنی میں جب آپ کے ساتھ ہوتا تھا تو آپ کا خادم تھا اور خدمت کا زمانہ اور وقت ہی وہی تھا اگر دوسرا معنیٰ ہوتا تو آپ

کی وفات کے بعد بھی بدستور وہ باقی رہتا اس میں مع کا کیا مطلب؟ الغرض اس سے متنازع فیہ معنیٰ میں عبد المصطفیٰ کا جواز سمجھنا علمِ عربیت سے ناواقفی کی کھلی دلیل ہے۔

(۴) عبد المصطفیٰ سے مراد اگر مطیع المصطفیٰ ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ کے ارشاد کے مطابق جو جناب رسول کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطیع نہیں، وہ خدا تعالیٰ کا بھی مطیع نہیں، اور اس کا کوئی منکر نہیں۔ اور اگر اس سے مراد عبادت کنندہ ہے تو اس معنیٰ سے صرف دیوبندیوں کا بااصول اور حق پسند گروہ ہی بیزار نہیں بلکہ امام ابن حجر مکی رح امام الاحناف ملا علی ن القاری رح، حضرت شاہ عبد العزیز رح اور مولانا عبد الحی لکھنوی رح وغیرہ سبھی بیزار ہیں جیساکہ ان کے حوالے عرض کر دیئے گئے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ علماء دیوبند تو عبد الشیطان نہیں وہ تو عبد الرحمٰن ہیں، جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے صحیح دین کو مخلوقِ خدا تک پہنچانے میں جان کی بازی لگائی اور صحیح دین کو مٹانے والے جابر اور ظالم انگریز کے خلاف جہاد کیا اور طرح طرح کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کیں۔ ہاں عبد الشیطان وہ ہے جس نے انگریز کے ہاتھ مضبوط کئے اور مجاہدینِ اسلام پر کفر کے فتوے جڑ جڑ کر اپنے محسن اور مربی انگریز کو خوش کیا اور ہندوستان کو دار الاسلام ثابت کیا۔ امید ہے کہ صوفی صاحب سمجھ گئے ہوں گے ورنہ انشاء اللہ تعالیٰ یار زندہ صحبت باقی۔ صوفی صاحب یہ تو بتائیں کہ لغت کی کس کتاب میں ہے کہ دیوبندی ہونے کا معنیٰ ہے شیطان کے بندے۔ صوفی صاحب لغت سماعی چیز ہے قیاسی نہیں۔ اگر آپ نے دیوبندیوں کے ٹھوس اور قطعی حوالوں سے لاجواب اور عاجز ہو کر گالیاں دے کر ہی دلِ ماؤف کی بھڑاس نکالنا ہے تو لفظوں کے چکر سے باہر نکل کر کھلے میدان میں نکالیں۔ آپ کو گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ آپ کے اعلحضرت سے لے کر خیر سے اونی حضرت (صوفی صاحب) تک ہمارے بزرگوں کو اور ہمیں گالیاں دیتے رہے اور دیتے ہیں اور ہم برداشت کرتے رہے اور انشاء اللہ تعالیٰ کریں گے۔ آپ لوگ اپنا کام کریں بحمد اللہ تعالیٰ ہم اپنا کام کرتے رہیں گے

ـــــــ

ناصح مری حالت پہ نہ کر ہائے ملامت
کر شکر میرا دل تیرے پہلو میں نہیں ہے

باقی دیوبندی مسلک کے لوگ دیوبندی ہونے پر اس لئے فخر کرتے ہیں کہ ان کے اکابر نے اُس وقت دُنیا کی جابر ترین اور ظالم حکومت (برطانیہ) سے ٹکر لی اور ہزاروں علماءِ حق تختۂ دار پر لٹکے جبکہ آپ کے اعلیٰ حضرت اور اُن کے چیلوں نے شامی کباب، پراٹھوں، مُرغ کی بریانی اور سوڈے کی بوتلوں کے مزے لُوٹے۔ صوفی صاحب! لفظوں کے لحاظ سے کیا دیوبندیوں کا یہ معنیٰ مناسب نہیں کہ وہ شیطان اور شیطان صفت لوگوں اور دیو پیکر بدعتوں کو جکڑ کر رکھنے والے اور دلائل کے لحاظ سے ان کو لاجواب کرنے والے اور ان کے حلوے مانڈے اور دیگر سب خرافات و بدعات بند کرنے والے ہیں۔

(۵) نام اور تسمیہ کے موقع پر عبد کا معنیٰ عموماً عبادت کنندہ ہوتا ہے۔ یہ صفت نہ تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھی اور نہ حضرات صحابہ کرام رضا اور اولیاءِ عظام رح کو۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسُولوں کو (علیہم الصلوٰۃ والسلام) یہ حق ہی حاصل نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے بندے بتائیں اور بنائیں۔ لہٰذا وہ سب اس سے بیزار ہیں۔ ہاں مطیع اور خادم ہونے کے معنیٰ میں کوئی اشکال نہیں لیکن ایہام سے بچنا بھی ضروری ہے۔ صوفی صاحب اور اُن کے ہم نواؤں پر یہ لازم ہے کہ وہ دجل و تلبیس سے کام نہ لیں۔ عبد المصطفیٰ کا نام رکھنے کے سلسلے میں فقہی طور پر اس کی پوری تشریح کر دیں تاکہ عوام کو مغالطہ نہ ہو۔

(۶) حضرت گنگوہی رح نے جس معنیٰ میں جو کچھ کہا ہے وہ بجا ہے۔ اُن کی عبارت میں بندہ بمعنی غلام، خادم اور مطیع ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی غلامی اور اطاعت نہیں کی جائے گی، خدا تعالیٰ تک رسائی ناممکن ہے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ یعنی تو ہر اس شخص کی پیروی کر جس نے میری طرف رجوع کیا۔ حضرت گنگوہی رح کی عبارت میں بندہ سے

مُراد وُہ بندہ نہیں جو نام اور تسمیہ کے موقع پر ہوتا ہے جس میں ایہام شرک پیدا ہوتا ہے چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۴۳ میں ہے۔ سوال: "نبی بخش، پیر بخش، سالار بخش، مدار بخش ایسے ناموں کا رکھنا کیسا ہے؟" جواب: "ایسے نام موہم شرک ہیں۔ منع ہیں۔ ان کو بدلنا چاہیئے۔" فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جو نام موہم شرک ہے حضرت گنگوہیؒ اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہی رح نے جس نگاہ سے دین کو دیکھا اور سمجھا اور پھر اس پر عمل کیا ہے وُہ آپ لوگوں کو کہاں نصیب؟ ؎

جہانِ حُسن کی ہر چیز ہے جاذب نگاہوں کی
نگاہِ شوق سے دیکھے گا کیا کیا دیکھنے والے

السلام علیک ایہا النبیؐ سے استدلال

اہلِ بدعت نے السلام علیک ایہا النبی سے حاضر وناظر کے مسئلہ پر استدلال کیا تھا جس کا مفصل اور با حوالہ جواب تبرید النواظر میں دے دیا گیا ہے جس کا کوئی جواب صوفی صاحب سے نہیں بن سکا۔ جو تیر وُہ چلا سکے ہیں وُہ یہ ہے کہ خطاب کی وجہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح نے یہ بیان فرمائی ہے کہ "بعضے از عرفاء گفتہ اندکہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود و حاضر است۔ پس مصلی را باید کہ ازیں معنیٰ آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت منور و فائض گردد۔" (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۳) محصلہ ص ۱۵۸، ص ۱۵۹

الجواب:- اس عبارت کا صوفی صاحب کو کوئی فائدہ نہیں اور ہمیں کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ اس عبارت میں حضرت شیخ صاحبؒ نے حقیقتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) کا موجودات اور کائنات کے تمام ذرات میں سرایت کرنا بیان کیا ہے اور حقیقت محمدیہ (جس کا ذکر باحوالہ پہلے ہو چکا ہے) حضرات صوفیاء کرام رح کی ایک خاص اصطلاح ہے جس سے صوفی صاحب بالکل نابلد ہیں۔ اس کا حاضر وناظر سے قطعاً کوئی تعلق

نہیں ہے۔ ہم نے تبرید النواظر میں حضرت شیخ صاحبؒ کے حوالہ سے عرض کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف اس طور پر بھیجو اور ذکر اس رنگ میں کرو۔ گویا حاضر است پیش تو۔ اگر حقیقتاً آپؐ حاضر و ناظر ہیں تو گویا حاضر است کا کیا معنیٰ ہے؟ اور اشعۃ اللمعات کی اس عبارت سے قبل جو صوفی صاحب نے نقل کی ہے، یہ بھی ہے۔ و نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومنان و قرۃ العین عابدان است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادات و آخر آں کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر و قوی تر ست الخ (اشعۃ اللمعات ج۱ ص۴۰۱) یہ عبارت بھی اس کو واضح کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود حاضر نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ تصور کے طور پر مومنوں کے پیش نظر رہتے ہیں اور آپؐ مومنوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔

السّلام علی النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اہل بدعت نے السلام علیک ایہا النبی میں لفظ خطاب سے بھی حاضر و ناظر پر استدلال کیا تھا جس کا تبرید النواظر میں مفصل جواب موجود ہے مگر صوفی صاحب کو سانپ سونگھ گیا ہے یہاں بھی وہ نظر بچا کر نکل گئے ہیں اور جواب کی صرف ایک شق کے علاوہ کسی کو انھوں نے نہیں چھوا۔ اصل جوابات تبرید النواظر میں ملاحظہ کر لیں جس شق پر صوفی صاحب نے گرفت کی ہے وہ دیکھ لیں۔ تبرید النواظر میں یہ بات کہی گئی تھی کہ لفظ یا اور حرف خطاب (کؔ) حاضر و ناظر کو نہیں چاہتا۔ اصل میں معراج کی رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے السلام علیک کے خطاب سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نوازا تھا اور وہی الفاظ بدستور چلے آتے ہیں اور اُمت ان کو صرف حکایت ہی کے طور پر نہیں بلکہ انشاء اور اپنی طرف سے دعا کے طور پر عرض کرتی ہے اور انہی الفاظ کو برقرار رکھنا اولیٰ ہے بعض حضرات صحابہ کرام رضؓ نے بروایت ابن مسعودؓ السلام علیک کی بجائے آپؐ کی وفات کے بعد السلام علی النبی کہنا شروع کر دیا تھا جس کی وجہ بظاہر یہ ہو سکتی ہے کہ حاضر و ناظر کا وہم پیدا نہ ہو۔ اور اس کے لئے بخاری۔ ابو عوانہ اور سنن الکبریٰ

کی روایتیں باحوالہ عرض کی گئی ہیں (محصلہ)۔ اس کے جواب میں صوفی صاحب جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے :-

"خانصاحب اس روایت کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں ورنہ اس کا اور اس جیسی روایات کا سہارا نہ لیتے۔ امام الاحناف ملا علی بن القاری ؒ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضؓ کا قول ہم آپؐ کی حیات میں السلام علیک ایہا النبی پڑھتے تھے، آپؐ کی وفات کے بعد السلام علی النبی پڑھا، یہ ابُو عوانہ کی روایت ہے۔ اور بخاری شریف کی روایت زیادہ صحیح ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود رضؓ کا قول نہیں بلکہ یہ راوی کا قول ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے السلام علی النبی پڑھا۔ احتمال ہے کہ اس سے مُراد یہ ہو کہ ہم اسی طرح پڑھتے رہے جیسا کہ آپؐ کی حیات میں پڑھتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہم نے آپؐ کی وفات کے بعد صیغۂ خطاب سے اعراض کیا۔ جب لفظ میں احتمال ہو تو اس میں دلالت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح ابن حجر رحؒ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے (مرقات ج ۲ ص ۳۳۲) لہٰذا یہ روایات اہل سُنت کو مُضر اور خانصاحب کو مفید نہیں۔" (محصلہ ص ۱۵۶، ص ۱۶۰)۔

الجواب :- صوفی صاحب یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ جس طرح وہ غبی اور ضدی ہیں شاید اسی طرح خانصاحب بھی ہوں گے مگر بحمد اللہ تعالیٰ خانصاحب کو اللہ تعالیٰ نے عبارات اور کلام سمجھنے کا سلیقہ مرحمت فرمایا ہے۔ صوفی صاحب کے لئے دیانتہً مناسب تھا کہ جس طرح انھوں نے جاء الحق ص ۱۸۰ سے مرقات کا حوالہ نقل کر کے صرف جلد اور صفحہ ساتھ ضم کر دیا ہے۔ اسی طرح وہ جاء الحق ص ۱۷۹ سے عینی شرح بخاری کا حوالہ بھی بیان کر دیتے تاکہ اہل علم پر اصل بات روشن ہو جاتی اور مغالطہ نہ ہوتا۔ وہ عبارت یہ ہے :-

وظاهرها انهم كانوا يقولون السلام عليك ايها النبي بكاف الخطاب في حياة النبي عليه السلام فلما مات	حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام رضؓ حضورؐ کی زندگی پاک میں السلام علیک ایہا النبی کاف خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات

تركوا الخطاب وذكروه بلفظ الغيبة فصاروا	ہو گئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا
يقولون السلام على النبي (عمدة القاري ج ۲۲ ص ۲۵۲)	اور کہنے لگے السلام علی النبی (ترجمہ از مفتی احمد یار خان صاحب)

اُمید ہے کہ صوفی صاحب شیخ الاسلام علامہ بدرالدین العینی الحنفی رح کے نام اور علماء احناف میں ان کے مقام سے بھی بخوبی واقف ہوں گے۔ ان کی عبارت کو بغور پڑھیں کہ وہ کیا فرما گئے ہیں؟

باقی حضرت ملا علی ن القاری رح نے بحوالہ حافظ ابن حجر رح جو بات بیان کی ہے، وہ صرف ایک فنی بات ہے۔ وہ یہ کہ بخاری میں السلام علی کے بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں اور ابو عوانہ میں السلام علی النبی کے لفظ ہیں۔ لفظ یعنی اس میں نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت زیادہ صحیح ہے جس میں لفظ یعنی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نچلے راوی (جو بعض شراح حدیث کے قول کے مطابق امام بخاری رح ہیں) یہ مراد لے رہے ہیں کہ السلام علی کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں لہٰذا یہ قول حضرت ابن مسعود رض کا نہیں، نچلے راوی کا ہے اور معنوی طور پر اس کا احتمال بھی ہے کہ آپ کی وفات کے بعد حسبِ سابق صیغۂ خطاب سے سلام پڑھا جاتا رہا اور یہ بھی احتمال ہے کہ خطاب سے اعراض کر کے صیغۂ غائب کے ساتھ السلام علی النبی پڑھا جاتا رہا لہٰذا اس احتمال کی بنا پر صیغۂ خطاب کو جو حضرت ابن مسعود رض کے تشہد میں ہے جو مرفوع روایت سے ثابت ہے، ترک نہیں کرنا چاہیے۔ ہم یہ بات علی الرأس والعین تسلیم کرتے ہیں اور تشہد ابن مسعود رض پر ہی ہم اور ہمارے بزرگ عامل ہیں۔ تبرید النواظر میں صرف یہ بات عرض کی گئی تھی کہ جن حضرات صحابہ کرام رض وغیرہم نے صیغۂ خطاب ترک کیا۔ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ صیغۂ خطاب سے حاضر و ناظر کا شبہ پیدا نہ ہو اور لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں اور ہمارا یہ استدلال اپنی جگہ پر قائم اور صحیح ہے اور صوفی صاحب کا جواب اس کے رد میں بالکل ناکافی اور ناتمام ہے۔

فائدہ: یہ روایت بخاری ج ۲ ص ۹۲۶، ابو عوانہ ج ۲ ص ۲۲۹، مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۴، سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۸ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۲ طبع حیدرآباد دکن کے علاوہ مصنف عبدالرزاق میں بھی

ہے۔ اس کی روایت میں ہے :۔

عن عطاء ان اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کانوا یسلمون النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فلما مات قالوا السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۰۴)

عطاء رح فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ تھے تو حضرات صحابہ کرام رض آپ پر یوں سلام بھیجتے تھے۔ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر جب آپ کی وفات ہوگئی تو وہ السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے الفاظ سے سلام بھیجتے تھے۔

اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ یہ کارروائی حضرات صحابہ کرام رض کی تھی نہ کہ نچلے راویوں کی جیسا کہ وہم کیا گیا ہے اور دوسری روایت یوں ہے :۔

عن عطاء قال سمعت ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی التشہد فی الصلوٰۃ السلام علی النبی (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۰۴)

عطاء رح فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کے اندر تشہد میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے السلام علی النبی پڑھتے سنا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طالبانِ علم کے لئے اس سلسلہ میں حضرت گنگوہی رح کا مکمل حوالہ بھی عرض کر دیں جس کا صرف ایک جملہ مفتی احمد یار خان صاحب لے اُڑے ہیں

سوال :۔ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تشہد میں صیغہ خطاب السلام علیک ایہا النبی کی بجائے السلام علی النبی صیغہ غائب سے بدل لیا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور فتح الباری و عینی وغیرہ شراح حدیث اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی روایت فرماتے ہیں لہٰذا جبکہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے صیغہ تعلیمیہ خطاب کو بدل دیا اور پسند نہ کیا تو معلوم ہوا کہ خطاب غائب کو یا ناجائز ہے یا اولیٰ نہیں۔ بہر حال صلوٰۃ و سلام یا تشہد میں خطاب کا نہ کہنا افضل ہے جیسا کہ صحابہؓ کا معمول تھا یا نہیں جیسا کہ معمولِ زمانہ ہے۔ اگر نہیں تو وجہ کیا ہے ؟

الجواب :۔ اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود خطاب سلام کا سنتے

ہیں ۳؎ وہ کفر ہے خواہ السلام علیک کہے یا السلام علی النبی کہے اور جس کا عقیدہ یہ ہے کہ سلام وصلوٰۃ آپ ؐ کو پہنچایا جاتا ہے ایک جماعت ملائکہ کی اس کام کے واسطے مقرر ہے جیسا احادیث میں آیا ہے تو دونوں طرح پڑھنا مباح ہے۔ پس بعد اس کے سنو کہ اگر ابن مسعودؓ نے بعد وفات شریف کے صیغہ بدل دیا تو کوئی حرج نہیں۔ کسی مصلحت کو یہ کیا ہوگا اور جو اصل تعلیم کے موافق پڑھا جائے تب بھی حرج نہیں کہ مقصود حکایت ہے۔ دیکھو کہ حیات فخر عالم علیہ السلام میں بھی لوگ دور دور اپنے بیوت میں اور مکہ اور بلاد بعید میں خطاب کے لفظ سے پڑھتے تھے جیسا وہاں خطاب درست تھا، اب کیا وجہ ہے کہ حرام ہو۔ علم غیب نہ وہاں تھا نہ یہاں بلکہ آپ کو بھی ملائک پہنچاتے تھے اور اب بھی۔ لہٰذا صیغہ خطاب کو بدلنا کوئی ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ رضؓ کی ضروری نہیں ورنہ خود آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب مت کرنا۔ بہرحال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے کہ اصل تعلیم اسی طرح ہے اور مراد بعض صحابہ رضؓ کی کسی مصلحت کی وجہ سے تھی یا اجتہاد تھا یا استحساناً تھا نہ وجوباً اسی واسطے جملہ فقہاء ائمہ اربعہ رحؒ کے مذہب اِس صیغہ کو نقل فرماتے ہیں اور تبدیلِ صیغہ کی ضرورت نہیں لکھتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہٗ۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۶، ص ۱۷)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صیغہ خطاب سے حاضر و ناظر مراد لینا نہ اس وقت حضرات صحابۂ کرامؓ نے سمجھا تھا نہ اس وقت اہلِ حق ایسا سمجھتے ہیں۔ یہ جدا امر ہے کہ ساون کے اندھوں کو کچھ اور نظر آتا رہے مگر بحمد اللہ تعالیٰ سب دنیا اندھی نہیں ہے ۔۔۔ علم و بصیرت والے سبھی مسلمان قرآنِ کریم، احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے محتاط طبقہ کی تعلیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کو حاضر و ناظر سمجھنے کو کفر سمجھتے ہیں۔

مدارج النبوت اور احیاء العلوم کی عبارتیں

اہل بدعت نے مدارج النبوت اور احیاء العلوم

کی بعض عبارتوں سے حاضر وناظر پر استدلال کیا تھا جس کا با حوالہ جواب تبرید النواظر میں مذکور ہے۔ اس میں عرض کیا گیا تھا کہ امام غزالی رح فرماتے ہیں احضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ یعنی اپنے دل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر کر اور سلام کہہ۔ اور حضرت شیخ عبد الحق رح فرماتے ہیں "وباش درحال ذکر گویا حاضر است پیش تو" یعنی اس طرح آپ کا ذکر کر گویا کہ آپ تمھارے پیش نظر حاضر ہیں۔ تبرید النواظر میں لکھا تھا۔ اگر آپ حاضر ہیں تو دل میں حاضر کر اور تصوّر باندھ۔ اور گویا کہ حاضر است کا کیا مطلب ہے؟ اور حدیث کے رو سے اس کو یوں سمجھایا تھا جیساکہ حدیث میں آتا ہے: اعبد ربك كانك تراه کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کر کہ گویا تو خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے حالانکہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی رؤیت بصری تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں ہو سکی تو اے عابد اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت حقیقۃً تجھے حاصل نہیں لیکن عبادت یوں کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اسی طرح یہاں بھی حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر نہیں لیکن تو یوں تصوّر کر کہ گویا آپ حاضر ہیں۔ استدلال اس رنگ میں تھا جس کو صوفی صاحب اپنی کم فہمی کی وجہ سے نہیں سمجھ سکے اور پوری عبارت اور اس کا مفہوم بھی تبرید النواظر سے انھوں نے نقل نہیں کیا اور اس ساری کتاب میں ان کا یہی طریقہ رہا ہے کہ تبرید النواظر کے استدلال کی پوری عبارت اور اس کا مفہوم وہ نہیں پیش کرتے، صرف چند جملے اور چند سطریں لکھ کر جواب شروع کر دیتے ہیں اور عوام کو دھوکا دیتے ہیں اور عموماً اہل بدعت کا یہی طریقہ ہے صوفی صاحب نے اس سلسلہ میں جو شوشہ چھوڑا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خان صاحب نے امام غزالی رح اور شیخ الحق رح کی عبارت کا مطلب سمجھانے کے لئے حدیث شریف کا جو جملہ تحریر فرمایا ہے اس نے اہل السنت کے عقیدہ ہی کی تائید کی ہے۔ کیونکہ آپ کا یہ فرمانا کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، یہ اس چیز کے پیش نظر ہے کہ نمازی بارگاہ خداوندی کا پورا پورا ادب رکھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں کیونکہ حجاب

صرف نمازی کی طرف سے ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ تو حاضر و ناظر ہے۔ دونوں بزرگوں کی بات میں قدرِ مشترک آداب کا لحاظ ہے۔ سو ثابت ہوا کہ آپؐ حاضر و موجود ہیں۔ حجاب ہے تو ذاکر اور نمازی کی طرف سے، ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی حاضر و موجود نہیں۔ یہ بات خوب یاد رہے کہ کسی ذات کا نظر نہ آنا عدم موجودگی کو مستلزم نہیں (محصلہ ص ۱۶۱، ص ۱۶۲)۔

الجواب: ۔ صوفی صاحب نے یہاں بھی دجل ہی کا ثبوت دیا ہے کیونکہ حدیث کے دو جملے ہیں۔ پہلا ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے اخلاص اور ذوق و شوق سے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ یعنی حقیقۃً رؤیت تو تمھیں حاصل نہیں ہے یوں سمجھو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور ہمارا استدلال بھی اسی جملہ سے ہے اور اسی کا کوئی جواب صوفی صاحب نہیں دے سکے اور دوسرا جملہ یہ ہے: فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ پس اگر تم اُسے نہیں دیکھ رہے تو بے شک وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے۔ یعنی ایسے ادب اور تعظیم کے ساتھ اس کے سامنے کھڑے ہو جس سے اخلاص ہویدا ہو کیونکہ وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے۔ صوفی صاحب نے اس دوسرے جملہ کی تشریح اور تفسیر پہلے جملہ سے جوڑ دی ہے۔ اور پہلے جملہ کا مفہوم ہی بالکل کھا گئے ہیں۔ اور یوں مغالطہ دے کر خانصاحب سے دامن چھڑانے کی ناکام کوشش اور کاوش کی ہے مگر ؎

بظاہر مری چھوٹی چھوٹی ہیں باتیں
شرک سوز لیکن یہ چنگاریاں ہیں

انوارِ ساطعہ کی عبارت

انوار ساطعہ کی ایک عبارت تبرید النواظر میں پیش کی گئی تھی جس سے حرف "یا" سے حاضر و ناظر مراد لینا شرک ثابت ہوتا ہے۔ اصل عبارت تبرید میں ملاحظہ فرمائیں۔ اُس میں یہ جملہ بھی ہے۔ کیا ضرور یوں کہو یہ شخص خُدا کی طرح حاضر و ناظر جان کر پکارتا ہے۔ اِس سلسلہ میں

صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ بے شک صرف انوار ساطعہ کے مصنف کا ہی نہیں بلکہ ہمارا سب کا یہ عقیدہ ہے کہ مخلوق کے کسی فرد کو کسی بھی صفت میں اللہ تعالیٰ کی طرح ماننا شرک وکفر ہے۔ یا حرف نداء سے پکارنا تو صرف نجدیوں کے نزدیک ہی شرک اور کفر ہے۔ کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ یا حرف نداء کا استعمال صرف حاضر و ناظر ہی کے لئے ہوتا ہے اہل سنت میں سے یا حرف ندا سے حاضر و ناظر کسی نے مراد نہیں لیا (انتہیٰ بلفظہ صہ ۱۶۲)۔

الجواب:۔ اس عبارت میں بھی صوفی صاحب نے اپنے ناخواندہ حواریوں کو دھوکہ دیا ہے جس کا نفس الامر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کی دیگر صفات کی طرح حاضر و ناظر ہونے کی صفت کے بھی دو پہلو ہیں، ایک ذاتی اور دوسرا عمومی۔ اور اہل بدعت اگرچہ غیر اللہ کے کسی فرد کے لئے ذاتی صفت علم اور ذاتی طور پر حاضر و ناظر تو نہیں مانتے لیکن عمومی تسلیم کرتے ہیں جس طرح پہلی صورت میں شرک لازم آتا ہے اسی طرح دوسری صورت میں بھی شرک وکفر لازم آتا ہے اور اس سے نصوص قطعیہ کا انکار یا تاویل لازم آتی ہے۔ اور اصول کے لحاظ سے یہ دونوں کفر ہیں۔ ازالۃ الریب اور عبارات اکابر میں بقدر ضرورت بحث ہم نے اس پر کر دی ہے۔

صوفی صاحب اپنا عقیدہ لکھتے ہیں۔ اور حاضر و ناظر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کوئی زمانہ اور کوئی مکان ایسا نہیں جو آپ سے خالی ہو۔ اور اس عقیدہ پر علامہ شیخ نور الدین حلبی صاحب سیرۃ حلبیہ متوفی ۱۰۴۴ھ نے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام تعریف اہل الاسلام والایمان بان محمد صلی اللہ علیہ وسلم لایخلومنہ مکان ولازمان ہے اھ (تنویر الخواطر صہ ۱۵) بتائیے صوفی صاحب کہ کیا یہ خدا تعالیٰ ہی کی طرح حاضر و ناظر ماننا ہے یا نہیں؟ یہ عبارت اس بات پر صراحت سے دال ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر زمان اور ہر مکان میں حاضر ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی کوئی زمانہ اور مکان خالی نہیں ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا جواب پہلے عرض کر دیا ہے نیز ہم پہلے یہ بات

بھی انوار ساطعہ ہی کے حوالے سے عرض کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر زمان اور ہر مکان میں حاضر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپؐ کی بعثت کے بعد آپؐ کے پیش کردہ دین کا ہر زمان اور ہر مکان سے تعلق اور ربط ہے۔ یہ نہیں کہ آپؐ اپنے وجودِ مسعود یا روحِ مبارک کے لحاظ سے حاضر و موجود ہیں۔ انوار ساطعہ کی اُس عبارت کو بھی بغور پڑھیں لہٰذا ہمارے نزدیک آپؐ سے کسی زمانہ اور کسی مکان کے خالی نہ ہونے کا مطلب بالکل واضح ہے۔ ثانیاً صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ اہلِ سُنّت میں سے یا حرفِ ندا سے حاضر و ناظر کسی نے مراد نہیں لیا، یہ بات تفصیل طلب ہے۔ اگر اہلِ سُنّت سے ان کی مُراد صحیح اہل السنت اور اہلِ حق ہیں تو بلاشبہ وہ یا حرفِ ندا سے کسی کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتے بلکہ اس عقیدہ کو ہی کفر سمجھتے ہیں جیساکہ حضرات فقہاء کرام رح کی واضح عبارات اِس سلسلہ میں پہلے عرض کر دی گئی ہیں۔ اور اگر ان کی مُراد اہل السُنت سے اپنی جماعت مُراد ہے جیساکہ انہوں نے سرکارِ برطانیہ کے دور سے اس لفظ پر ڈاکہ ڈال کر بزور اپنے لئے یہ الاٹ کرا رکھا ہے۔ تو بجائے اس کے کہ ہم سینکڑوں حوالے صوفی صاحب کے اس بے حقیقت دعویٰ کی تردید میں عرض کریں زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود انہی کے آنجہانی استاد مولوی محمد عمر صاحب کا حوالہ عرض کر دیں جن کے چٹکلوں سے صوفی صاحب استفادہ کر کے مناظرِ اسلام بن گئے ہیں۔ مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں۔ "یا حرفِ ندا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنا یہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا عقیدہ اور عمل اور فتوے جو خیر القرون سے ہے۔" انتہیٰ بلفظہٖ (مقیاس حنفیت صـ ۴۸۶) فرمایئے صوفی صاحب بقول شما گرو سچا ہے یا چیلہ؛ حضرات صحابہ کرام رضہ کے پاؤں سو جانے پر ان کے فرطِ محبت یا شوق سے یا محمداہ کہنے سے حاضر و ناظر اور متصرف فی الامور سمجھ کر غائبانہ پکارنے کا اس حوالہ سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ یہ مولوی محمد عمر صاحب کا حضرات صحابہ کرام رضہ پر نرا بُہتان و اتہام ہے لیکن چیلے کی بات کو گُرو نے تو خوب کاٹا ہے کیوں نہ ہو آخر گُرو جو ہوئے۔

ناحق طرفداری

صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ خان صاحب کا حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان صاحب دامت برکاتہ، پر بہتان۔ خان صاحب لکھتے ہیں کہ فریق مخالف ایک حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرتا ہے۔ حدیث مسلم ج ۲ صفحہ ۳۹ اور مستدرک ج ۴ صفحہ ۴۴۹ وغیرہ میں حضرت ثوبان رضا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا یہاں تک کہ میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ دیکھئے جاء الحق صفحہ ۶۲، تبرید النواظر صفحہ ۱۷۶۔ یہ خان صاحب کا صریح کذب ہے۔ فقیہ العصر قبلہ مفتی صاحب نے تو اس حدیث شریف کو علم غیب کے باب میں نقل فرمایا ہے۔ اس دروغ گوئی کے بعد خانصاحب فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے کب اور کیونکر ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت زمین پر ہر چیز کو دیکھتے رہتے ہیں اور اب بھی دیکھ رہے ہیں (تبرید النواظر صفحہ ۱۷۶) میں کہتا ہوں کہ اہل سنت بھی کب اس حدیث پاک سے یہ مدعیٰ ثابت کرتے ہیں۔ اگر ثابت ہو بھی جائے تو یہ طائفہ وہابیہ کب ایمان لانے والے ہیں؟ اگر ایمان لانے کو تیار ہوں تو ہم ایک دوسری حدیث پاک سے اس مدعیٰ کو ثابت کرتے ہیں۔ حافظ احادیث ابن حجر قسطلانی مواہب اللدنیہ میں نقل فرماتے ہیں۔ طبرانی نے ابن عمر رضا سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا سے حجاب اٹھا دیا ہے اور میں دنیا اور جو کچھ اس میں ہوگا قیامت تک دیکھ رہا ہوں، جس طرح میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں (مختصر مواہب اللدنیہ صفحہ ۳۰۵) کیوں جی خان صاحب اس حدیث میں انظر تو مضارع کا صیغہ ہے جو زمانہ حال اور مستقبل دونوں کو شامل ہے یعنی میں دیکھتا ہوں اور دیکھتا رہوں گا۔ اھ (صفحہ ۱۶۲، صفحہ ۱۶۴)۔

الجواب: صوفی صاحب نے یہ جتنی ہرزہ سرائی کی ہے اُن کو مفید نہیں۔ اولاً اس لئے کہ بے شک مفتی احمد یار خان صاحب نے یہ روایت علم غیب کے باب میں

منقول کی ہے اور ہم نے ان کے استدلال میں یہ حدیث حاضر و ناظر کے باب میں بیان کی ہے لیکن ہم نے اس میں کسی بے قاعدگی کا ارتکاب نہیں کیا اس لئے کہ علم غیب اور حاضر و ناظر کے عنوان اگرچہ جُدا جُدا ہیں لیکن مآل کے لحاظ سے دونوں ایک ہی ہیں جو ایک کی دلیل ہو سکتی ہے، وُہ دُوسرے کی دلیل بھی ہو سکتی ہے۔ اِلا ماشاء اللہ تعالیٰ۔ وثانیاً ہم نے اس میں مفتی احمد یار خان صاحب ہی کے قاعدہ کو ملحوظ رکھا ہے جس سے صوفی صاحب بالکل ناواقف ہیں وہ یہ کہ مفتی صاحب نے یہ روایت جاء الحق ص۱۲۲ میں علم غیب کے باب میں نقل کی ہے پھر وہ ص۱۳۶ میں حاضر و ناظر کے باب میں لکھتے ہیں۔ دُوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں۔ اس میں وُہ تمام احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گذر چکی ہیں خصوصاً حدیث ۱، ۶، ۷، ۱۸، ۱۹ اھ۔ مفتی صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ علم غیب میں بیان کردہ تمام احادیث حاضر و ناظر کے باب میں بھی پیش کی جا سکتی ہیں اور وُہ ان کا مستدل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ چند احادیث کو اس میں خصوصیت حاصل ہے مگر علم غیب کے باب کی تمام احادیث حاضر و ناظر کے باب میں دلیل ہیں۔ فرمائیے صوفی صاحب! ہم نے آپ کے فقیہ العصر پر کون سا بہتان باندھا ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ آپ اگر خود ہی اپنے فقیہ العصر کی رمزوں سے بالکل ناواقف ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ وثالثاً یہ بات تو صوفی صاحب کو مسلم ہے کہ مسلم وغیرہ کی صحیح روایات سے اہل بدعت کا کوئی دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا البتہ ان کو اس پر اصرار ہے کہ طبرانی کی روایت سے ان کا مدعیٰ ثابت ہے۔ بے شک اس روایت سے ان کا مدعا ثابت ہو سکتا ہے مگر اس کو کیا کیجئے کہ یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے۔

ورابعاً صوفی صاحب بھی بڑے اعجوبۂ زمان ہیں۔ بے چارے صرف اور نحو کی ابتدائی اصطلاحات سے بھی ناواقف ہیں۔ وُہ اَنْظُرُ کا معنی کرتے ہیں، مَیں دیکھتا ہُوں اور دیکھتا رہوں گا۔ مضارع کا صیغہ حال اور استقبال دونوں میں مُشترک ہے اور مُشترک

میں بیک وقت دو معنے مراد نہیں لئے جا سکتے۔ ایک ہی مراد ہو سکتی ہے۔ یفعل کا معنی ہے کرتا ہے یا کرے گا، اور یضرب کا معنیٰ ہے مارتا ہے یا مارے گا۔ یہ معنیٰ نہیں کہ کرتا ہے اور کرے گا یا مارتا ہے اور مارے گا۔ لیکن صوفی صاحب ہیں جو صرف کے قواعد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے معنیٰ یہ کرتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں اور دیکھتا رہوں گا۔ یہ دیکھتا رہوں گا بھی عجیب صوفیانہ معنیٰ ہے۔ گرامر کے لحاظ سے تو اس کا معنیٰ ہے میں دیکھتا ہوں یا دیکھوں گا۔ علاوہ ازیں صوفی صاحب نے اسی روایت میں ایک اور بات کو بھی بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ اس روایت میں قد رفع کا جملہ بھی ہے جو اس کو چاہتا ہے کہ آپ کے سامنے (اجمالی طور پر) دُنیا پیش کر دی گئی تھی اور آپ نے دیکھ لی تھی۔ اس لحاظ سے انا انظر کا معنیٰ یہ ہے کہ میں اس کو اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے اُس کو دیکھتا ہوں۔ جو زمانۂ حال کو متعین کرتا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے علامہ زرقانی رح اس کی شرح کرتے ہیں (ملاحظہ ہو زرقانی ج ۷، صـ ۲۰۴، صـ ۲۰۵ شرح المواہب) لہٰذا استقبال کا معنیٰ ہی اس میں نہیں ہے۔

لطیفہ:۔ صوفی صاحب کا علمی کمال ملاحظہ کیجئے کہ وہ مواہب اللدنیہ کے مصنف احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک بن احمد قسطلانی المصری الشافعی رح المتوفی ۹۲۳ھ) کو حافظِ احادیث ابنِ حجر قسطلانی رح سمجھ رہے ہیں۔ (سُبحَانَ اللّٰہ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہ)

اجمالی دیکھنا اور تفصیلی دیکھنا

تبرید النواظر میں یہ بات قدرے وضاحت سے عرض کی گئی تھی کہ اگر آپ کو ایک بار ساری زمین مشرق تا مغرب دکھا بھی دی گئی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ہر چیز کو تفصیلاً دیکھا ہو جیسا کہ کسی پہاڑ یا کسی آدمی کے سر کو دیکھنے والا اجمالاً دیکھتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہاڑ کے ہر ہر درخت اور درخت کے ہر ہر پتے اور سر اور داڑھی کے ہر ہر بال کو مفصلاً دیکھا ہو۔ (محصلہ) اس پر گرفت کرتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں۔

ہم خانصاحب سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دکھانے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیکھنے کو عام لوگوں کے دیکھنے پر قیاس کرنا کہاں کی ایمانداری ہے لیکن خانصاحب مجبور ہیں کیونکہ اس طائفہ ضالہ کے گرو گھنٹالوں کی تعلیم ہی یہی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں جیسے تم انسان ویسے ہی نبی (بلفظہ صفحہ ۱۹۴)۔

الجواب:۔ اہلِ بدعت کا یہ عمومی اور غیر دیانت دارانہ طریقہ ہے کہ جب اہلِ حق کے ٹھوس دلائل سے بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں تو عوام کے جذبات ابھارنے کے لئے اہلِ حق کے خلاف معاذ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین اور تحقیر کے ناروا الزامات لگا کر اپنا دامن چھڑانے کی بے جا سعی کیا کرتے ہیں۔ یہی عمل صوفی صاحب نے یہاں (اور دیگر بعض مقامات میں) اختیار کیا ہے انکا فرض تھا کہ عقلی اور نقلی طور پر واضح اور ٹھوس حوالوں سے اجمالی اور تفصیلی رؤیت کا ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہونا بیان کرتے ورنہ تسلیم کر لیتے مگر یہ دلیل تو ان کے حلق میں کچھ ایسی پھنسی ہے کہ نہ اگلتے بنتی ہے اور نہ نگلتے۔ حیران ہیں کہ کیا کریں۔ اور اس کا مصداق ہیں: فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ صوفی صاحب کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے دکھانے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیکھنے کو لوگوں کے دیکھنے پر قیاس کرنا کہاں کی ایمانداری ہے؟ سو گزارش یہ ہے کہ اس میں بھی تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ جو جو واقعات اور مقامات اللہ تعالیٰ نے آپکو بطور معجزہ دکھائے اور آپؐ نے دیکھے ہیں (مثلاً نجاشی حضرت اصحمہؓ کا جنازہ دور سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دکھایا اور آپؐ نے دیکھا اور بیت المقدس کا متبرک مقام دور سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دکھایا اور آپؐ نے دیکھا اور شبِ معراج شریف میں جو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دکھایا اور آپؐ نے دیکھا اور نماز پڑھتے وقت آپؐ اپنے پیچھے بھی جتنی صفیں ہوتی تھیں ان میں کھڑے ہونے والے نمازیوں کو دیکھ لیا کرتے تھے اور کسوف کی نماز میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ مثالی طور پر آپؐ کے سامنے کر دیں اور آپؐ نے دیکھ لیں اور اسی طرح بے شمار چیزیں

جو معجزانہ طور پر آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے دکھائیں اور آپؐ نے دیکھ لیں) یہ تمام اُمور محلِ نزاع سے خارج ہیں اور جو اُمور معجزہ سے تعلق نہیں رکھتے، اُن میں آپؐ کے دیکھنے اور افرادِ اُمت کے دیکھنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو شخص ایسے اُمور میں فرق کا مدعی ہے اُس کو عقلی اور نقلی، صاف اور صریح حوالوں سے یہ بات واضح کرنی چاہیئے ولایمکنہ انشاء اللہ تعالیٰ الی یوم القیمۃ۔

یہ اہلِ بدعت کا انتہائی خبیث نظریہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات اولیاء عظام رح) کو ان کے انسانی رُتبہ اور درجہ سے اُٹھا کر خدا تعالیٰ اور اس کی ذات مقدسہ وصفات میں گڈمڈ کر کے توحید خالص پر ضرب کاری لگاتے ہیں۔ اور اسلام کی بُنیاد کو کھوکھلا کر کے شرک کے چور دروازہ کی راہیں ہموار کرتے ہیں اور اِسی فرقہ کے کسی غالی شاعر نے یہاں تک کہہ دیا ہے ؎

خدا کے پاس سوائے وحدت کے دھرا کیا ہے؟
لینا ہے جو کچھ ہم نے وہ لے لیں گے محمدؐ سے (معاذ اللہ تعالیٰ)

علمی حرمان

تبرید النواظر میں یہ لکھا تھا کہ صحابی ہونے کے لئے یک طرفہ رؤیت بھی کافی ہے۔ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شبِ معراج آپؐ نے اُس وقت سب مخلوق کو دیکھا تھا تو اس لحاظ سے اُس وقت جو مومن تھے، ان کا صحابی ہونا ثابت ہو جائے گا۔ (محصلہ۔ اصل استدلال تبرید میں ملاحظہ فرمائیے) صوفی صاحب حافظ ابن حجر رح کی اصل عبارت باحوالہ نقل کرنے کے بعد ہمارے استدلال پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کیونکہ صحابی رضؓ کی تعریف حافظ عسقلانی رح نے یوں کی ہے یعنی صحابی وہ ہے جس نے مومن ہونے کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر مرا ہو۔ (اصابہ ج ۱ ص ۱۰) اگر کا لفظ حافظ عسقلانی رح نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمام روئے زمین کی مخلوق کو نظر سے دیکھنا تو ثابت ہے لیکن یہ صحیح طور پر ثابت نہیں کہ یہ دیکھنا شب معراج کا ہے یا کسی دوسرے

وقت کا الخ (صفحہ ۱۹۵، صفحہ ۱۹۶)۔

الجواب:۔ اس میں بھی صوفی صاحب نے صریح ٹھوکر کھائی ہے اور ناخواندہ اور حقیقت سے بے خبر عوام کو مغالطہ دیا ہے۔ پہلے تو حافظ صاحبؒ کی عبارت خود صوفی صاحب یوں نقل کرتے ہیں (اور ترجمہ بھی خود کرتے ہیں)

لکن ان ثبت ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء کشف عن جمیع من فی الارض فرأھم الخ

:اگر یہ ثابت ہو جائے کہ معراج کی رات نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ظاہر کیا گیا جو لوگ بھی زمین پر تھے پس آپ نے ان کو دیکھا الخ۔

اس عبارت میں حافظ ابن حجرؒ یہ نہیں فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام روئے زمین کی مخلوق کو دیکھنا تو ثابت ہے لیکن یہ صحیح طور پر ثابت نہیں کہ یہ دیکھنا شبِ معراج کا ہے یا کسی دوسرے وقت میں۔ جیسا کہ صوفی صاحب کا یہ بالکل غلط دعویٰ ہے بلکہ حافظ ابنِ حجرؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر شبِ معراج میں آپ کا دیکھنا ثابت ہو تو پھر حکم یہ ہے۔ وہ تو شبِ معراج ہی میں دیکھنے کی قطعیت کا انکار کرتے ہیں اور حرف اِنْ ثَبَتَ بول کر اس کا وانشگاف الفاظ میں اظہار فرماتے ہیں۔ ان کی عبارت میں وہ کون سا جملہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ساری مخلوق کی رؤیت ثابت ہے لیکن وقت کی تعیین ثابت نہیں کہ شبِ معراج ہے یا کوئی اور وقت ہے؟ علاوہ ازیں علامہ ابوالحسن محمد صادق السندی المدنیؒ حافظ ابنِ حجرؒ کی اس عبارت کی تشریح یوں فرماتے ہیں:۔

ولعل المحدثین جعلوھم کلھم من التابعین ولم یعرجوا الی ھذا التفصیل لان الانکشاف المذکور اولا فی ثبوتہ کلام وبعد ثبوتہ لایتعین انہ کان باعیان الموجودات حتی تکون ذواتھا مرئیۃ لاحتمال کونہ

اور شاید کہ محدثین کرام رحمہ نے ان سب کو تابعینؒ قرار دیا ہے اور انھوں نے اس تفصیل کی طرف التفات نہیں کیا کیونکہ پہلے تو مذکور انکشاف کے ثبوت میں کلام ہے اور اگر ثبوت ہو بھی جائے تو یہ بات متعین نہیں کہ یہ انکشاف انکی ذوات اور اعیان موجودات سے متعلق تھا تاکہ ان

بصورھا المثالیۃ اھ   کی ذوات کی رؤیت ثابت ہو۔ کیونکہ احتمال ہے کہ یہ
(بھجۃ النظر علیٰ شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۱۰۳)   رؤیت اُن کی صُور مثالیہ کی ہوئی۔

اس عبارت میں علامہ سندھی رحؒ نے نفس انکشاف اور رؤیت کے ثبوت ہی میں کلام کیا اور اس میں تردد ظاہر کیا ہے۔ یہ نہیں کہ رؤیت تو قطعی طور پر ثابت ہے مگر وقت کی تعیین نہیں جیسا کہ صوفی صاحب نے غلط تأثر دیا ہے اور علامہ سندھی رحؒ نے یہ احتمال بھی بیان کیا ہے کہ رؤیت کا تعلق صُور مثالیہ سے تھا۔

لطیفہ: مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ حافظ الدُنیا ابن حجر عسقلانی رحؒ نے اصُولِ حدیث کے موضوع پر ایک مختصر سا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے نخبۃ الفکر اور پھر خود ہی اس کی شرح بھی لکھی ہے جو شرح نخبۃ الفکر سے موسُوم، مشہُور اور درسی کتاب ہے۔ صوفی صاحب نے عبارت تو لکھی ہے شرح نخبۃ الفکر کی لیکن اپنی کتاب ص ۱۶۵ میں تین مرتبہ وہ لکھتے ہیں شرح شرح نخبۃ الفکر۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ ہم اس مناظر اسلام کے کون کون سے علمی کمالات بیان کریں؟ وہ اسلام کے نام سے عوام الناس کو شرک و بدعت کے پیالے بھر بھر کر پلاتے ہیں اور اس پر وُہ نازاں وشاداں ہیں۔ فوا اسفا ؎

اُن کی تجویزوں میں بُت خانوں کی تعمیریں بھی تھیں
جن مشائخ کو حرم کا پاسبان سمجھا تھا میں

حدیث قدسی کنت سمعہ الحدیث

مفتی احمد یار خان صاحب نے اپنی کتاب جاء الحق میں اس حدیث قدسی (کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ الحدیث) سے حاضر وناظر کے معہود مسئلہ پر استدلال کیا تھا جس کا محقق اور مُسکت جواب تبرید النواظر میں دیا گیا تھا کہ خالق ومخلوق کے آپس میں اتحاد کا مسلک باطل ہے اور قرآن کریم میں پہلے نصاریٰ کو کافر قرار دیا گیا پھر ان کا عقیدہ بیان کیا گیا۔ تحقیق وُہ لوگ کافر ہیں جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالےٰ تو حضرت مسیح بن مریم میں حلول کر گیا ہے۔ (محصلہ تبرید النواظر) صوفی صاحب اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"سُبحان اللہ۔ خان صاحب جہالت کے پتلے ثابت ہوئے۔ نصاریٰ کا جو عقیدہ لکھ مارا ہے کیا اس کا ثبوت قرآن و حدیث سے دے سکتے ہیں؟ کیا کسی مفسر قرآن نے یہ بات لکھی ہے؟ پھر آخر میں لکھتے ہیں ع۔ بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی فرد مخلوق میں حلول کرنا اور بات ہے جو کہ صریح کفر ہے اور مخلوق کے کسی فرد کا فنا فی اللہ ہونا اور بات ہے جو عین مطلوب خداوندی ہے" (حصلہ ص۱۴۶ و ۱۴۷)

الجواب:۔ معلوم نہیں صوفی صاحب کو نصاریٰ کی وکالت کرنے سے کیا فائدہ؟ لیکن سچ ہے الجنس یمیل الی الجنس، اور اس کو بھی دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ کبوتر با کبوتر باز با باز۔ ہم معاملہ کو طول دیئے بغیر مسلّم مفسرین کرام رحہم میں دو شخصیتوں کی شہادت عرض کرتے ہیں تاکہ صوفی صاحب کو اپنی جہالت کا علم ہو سکے اور وہ خود غور کر سکیں کہ جہالت کا پتلا کون ہے؟ علامہ علاؤالدین علی بن محمد الخازن رح اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

ولانھم (ای الیعقوبیۃ والملکانیۃ) یقولون ان الالٰہ جل وعلا حل فی ذات عیسٰی واتحد بہ فصار الٰھا تعالیٰ اللہ عن ذٰلک علوا کبیرا (تفسیر خازن ج ۲ ص ۷۰)

کہ نصاریٰ کا یعقوبیہ اور ملکانیہ فرقہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں حلول کر گیا ہے اور اس سے متحد ہو گیا ہے بدیں وجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔

علامہ خازن رح نے یہ تصریح فرما دی ہے کہ نصاریٰ کے دو مشہور تر فرقے اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں حلول کر گئے ہیں اور اُس سے متحد ہو گئے ہیں۔ علامہ فخر الدین محمد بن عمر الرازی رح لکھتے ہیں:۔

فحکی عن فریق منھم انھم قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم وھذا قول الیعقوبیۃ لانھم یقولون ان مریم ولدت الٰھا

سو نصاریٰ کے ایک فرقہ سے حکایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ مسیح بن مریم (علیہما السلام) ہیں اور یہ یعقوبیہ فرقہ کا قول ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم نے

ولعل معنی ھذا المذھب انھم یقولون ان اللہ تعالیٰ حلّ فی ذات عیسیٰ واتحد بذات عیسیٰ اھ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۸۹)	اللہ جناہے اور شاید کہ اس مذہب والوں کا مطلب یہ ہو کہ وہ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ذات میں حلول کر گیا ہے اور اس سے متحد ہو گیا ہے ۔

اِن دونوں عبارتوں میں اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسےٰ علیہ السلام میں حلول کرنے کی تصریح موجود ہے ۔ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس پر مبسوط علمی بحث کی ہے (دیکھئے رُوح المعانی ج ۶ ص ۱۴۶ تا ۱۴۸) صوفی صاحب فرمایئے کہ جہالت کا پُتلا کون ہے ؟ اور بے حیا باش وہرچہ خواہی کن کا مصداق کون ہے ؟ صوفی صاحب ! آپ فنا فی اللہ کی صُوفیانہ اصطلاح سے بھی بالکل ناواقف ہیں جس کی بقدر ضرورت بحث آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ ۔

حدیث کنت سمعہ الذی یسمع بہ الحدیث کا معنی

اس کا مطلب اور معنیٰ باحوالہ تبرید النواظر میں موجود ہے ۔ علاوہ ان حوالوں کے مزید بعض حوالے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ بات بالکل آفتاب نیم روز کی طرح آشکارا ہو جائے ۔ الشیخ الامام العلامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۵ھ) اِس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

قال الداؤدی ھذا کلہ من المجاز یعنی انہ یحفظہ کما یحفظ العبد جوارحہ لئلا یقع فی مھلکۃ وقال الخطابی ھذہ امثال والمعنی واللہ اعلم توفیقہ فی الاعمال التی باشرھا بھذہ الاعضاء وتیسیر المحبۃ لہ فیھا بان یحفظ جوارحہ علیہ ویعصمہ من موافقۃ ما یکرہ اللہ تعالیٰ	امام داؤدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سب مجاز ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے جس طرح کہ بندہ اپنے اعضاء کی حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ ہلاکت میں مبتلا نہ ہوں ۔ اور خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مثالیں ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ان اعمال کی توفیق دیتا ہے جن اعمال کو بندہ ان اعضاء سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان اعمال کی محبت اس پر آسان کر دیتا ہے ۔ بایں طور کہ

من الاصغاء الى اللهو مثلا ومن النظر
الى ما نهى عنه ومن البطش بما لا
يحل له ومن السعي في الباطل برجله
او بان يسرع في اجابة الدعاء والالحاح
في الطلب وذلك ان مساعي الانسان
انما تكون بهذه الجوارح الاربع
قوله وبصره الذي يبصر به وفي حديث
عائشة في رواية عبد الواحد عينه
التي يبصر بها وفي رواية يعقوب
بن مجاهد عينيه اللتين يبصر بهما
وكذا قال في الاذن واليد والرجل
وزاد عبد الواحد في روايته وفؤاده
الذي يعقل به ولسانه الذي يتكلم
به وقيل المعنى اجعل له مقاصده
كانه ينالها بسمعه وبصره ويده
ورجله في المعاونة على عدوه وقيل
فيه مضاف محذوف والتقدير
كنت حافظ سمعه الذي يسمع
به فلا يسمع الا ما يحل سماعه
وحافظ بصره كذلك الى آخره
قيل الاتحادية زعموا انه على

اس کے اعضاء کو محفوظ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اس
چیز کے کرنے سے بچاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے
مثلاً تماشا وغیرہ کی طرف کان لگانا اور جس چیز سے اس سے
منع کیا ہے اس کو دیکھنا اور جو چیز حلال نہیں اس کو پکڑنا
اور باطل کی طرف اپنے پاؤں سے چل کر جانا یا یہ کہ اس سے
اس کی دعا کا قبول کرنا اور مبالغہ کے ساتھ طلب کرنے کو جلدی
قبول کر لینا مراد ہے۔ اور یہ اس طرح ہے کہ انسان کے
(عمومی) اعمال اور کوشش انہی چار اعضاء سے ہوتی ہے اور
اس کا ارشاد کہ نگاہ ہو جاتا ہے جس سے دیکھتا ہے اور عبد الواحد
راوی کی روایت میں حضرت عائشہ رض کی حدیث میں ہے
کہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور یعقوب
بن مجاہد رح کی روایت میں ہے کہ اس کی دو آنکھیں ہو جاتا
ہے جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اسی طرح کان اور ہاتھ
اور پاؤں کے بارے میں فرمایا اور عبد الواحد رح نے اپنی روایت
میں زیادہ کیا کہ اس کا دل ہو جاتا ہے جس سے سمجھتا
ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں اس
کے مقاصد کو ایسا حل کر دیتا ہوں گویا کہ وہ ان کو اپنے
کان اور آنکھ وغیرہ سے حاصل کر لیتا ہے اور یہ بھی کہا
گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کی ایسی
مدد کرتا ہوں جیسے اس کی آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں اس

حقیقتہ وان الحق عین العبد واحتجوا بمجئ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فی صورۃ دحیۃ رض قالوا فھو روحانی خلع صورتہ وظھر بمظھر البشر قالوا فاللہ اقدر علٰی ان یظھر فی صورۃ الوجود الکلی او ببعضہ تعالی اللہ سبحانہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا انتھٰی (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۹۰ طبع مصر)

کے دشمن کے خلاف مدد کرتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور تقدیر یوں ہے کنت حافظ سمعہ الخ یعنی میں اس کے کانوں کا محافظ ہو جاتا ہوں جن سے سنتا ہے۔ پس وہ کوئی ایسی بات نہیں سنتا جس کا سننا جائز نہ ہو اور اسی طرح میں اس کی نگاہ کا محافظ ہو جاتا ہوں وعلیٰ ہذا القیاس دوسرے اعضاء میں بھی ایسا ہی ہے اور اتحادیہ (فرقہ جو خالق اور مخلوق کو گڈمڈ کرتا ہے معاذ اللہ تعالیٰ) کا خیال ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے اور اللہ تعالیٰ عین بندہ ہو جاتا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اور دلیل میں انھوں نے یہ بات پیش کی ہے کہ حضرت جبرائیل ؑ حضرت دحیہ رض کی صورت میں آیا کرتے تھے اور وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل ؑ روحانی تھے، اور انھوں نے اپنی صورت چھوڑ کر بشر کا مظہر اور روپ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ تو اس سے زیادہ قادر ہے کہ وہ وجود کلی یا بعض کی صورت میں ظہور فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان ظالموں کے قول سے پاک اور بہت ہی بلند ہے۔

صوفی صاحب اس عبارت کو بغور اور بار بار پڑھیں اور بتائیں کہ شیخ الاسلام علامہ بدر الدین العینی الحنفی رح نے شارح حدیث سے اس حدیث کا کیا مطلب نقل اور بیان کیا ہے؟ اور پھر خالق اور مخلوق کو گڈمڈ کرنے والے اتحادیہ فرقہ (جس کے کسی فرد کا یہ شعر بھی ہے ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
مدینہ میں اترا مصطفےٰ ہو کر!!

کا کیا عقیدہ اور نظریہ بتایا ہے؟ اور صوفی صاحب اس حدیث کے معانی کے پیشِ نظر کس گروہ میں شامل اور شریک ہونا چاہتے ہیں؟ بظاہر ان کا قلبی میلان اور ذاتی رجحان تو اتحادیہ کی طرف ہی ہے جیساکہ ان کی عبارت اس کی غمازی کرتی ہے بلکہ ان کی آنے والی عبارت بمنزلہ تصریح کے ہے۔ مشہور محدث شارح بخاری علامہ شمس الدین محمدؒ بن یوسفؒ بن علیؒ الکرمانیؒ المتوفی ۷۸۶ھ نے بھی شرح الکواکب الدراری ج ۲۳ ص ۲۲ میں امام خطابیؒ کا حوالہ بہذہ الجوارح الاربعۃ تک نقل کیا ہے اور اسی کی روشنی میں انھوں نے اس حدیث قدسی کا مطلب واضح کیا ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے ان اکثر توجیہات کا تذکرہ فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۹۸ میں کیا ہے جن کا ذکر علامہ عینیؒ کی عبارت میں ہو چکا ہے اور ان توجیہات کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

وسادسها قال الفاكهانيؒ يحتمل معنىً آخر ادق من الذى قبله وهو ان يكون معنى سمعه مسموعه لان المصدر قد جاء بمعنى المفعول مثل فلان أملي بمعنى مأمولي والمعنى انه لا يسمع الا ذكري ولا يلتذ الا بتلاوة كتابي ولا يأنس الا بمناجاتي ولا ينظر الا فى عجائب ملكوتي ولا يمد يده الا فيما فيه رضائي ورجله كذلك وبمعناه قال ابن هبيرةؒ ايضاً وقال الطوفي اتفق العلماء ممن يعتد بقوله

چھٹی توجیہ اس کی یہ ہے۔ امام فاکہانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مضمون سابق معانی سے ایک اور دقیق تر معنی کا احتمال بھی رکھتا ہے وہ یہ کہ سمع جو مصدر ہے بمعنی مسموع کے ہو کیونکہ مصدر مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسا فلان املی میں مصدر مفعول کے معنی میں ہے یعنی فلاں شخص میری امید یعنی امید کیا ہوا مراد ہے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ وہ بندہ نہیں سنتا مگر میرا ذکر اور نہیں لذت حاصل کرتا مگر میری کتاب کی تلاوت سے اور نہیں مانوس ہوتا مگر میرے ملکوت کے عجائبات سے اور اپنا ہاتھ اور پاؤں نہیں بڑھاتا مگر اس چیز کی طرف جس میں میری رضا ہے اور ایسا ہی مطلب ابن ہبیرہؒ نے بیان کیا ہے اور امام طوفیؒ فرماتے ہیں کہ جن علماء کا (دینی طور پر) اعتبار ہے

ان هٰذا مجاز وكناية عن نصرة العبد وتأييده واعانته حتى كانه سبحانه ينزل نفسه من عبده منزلة الآلات التي يستعين بها ولهذا وقع في رواية فبي يسمع وبي يبصر وبي يبطش وبي يمشي اھ (فتح الباری ج ۱۴ ص ۱۲۹)

وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ مجاز اور کنایہ ہے۔ اس سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی نصرت اور تائید اور اعانت فرماتا ہے حتیٰ گویا کہ اللہ تعالیٰ خود بندے کے حق میں وہ آلات بن جاتا ہے جن سے بندہ مدد لیتا ہے اور اسی لئے ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ میرے ہی ساتھ سنتا ہے اور میرے ہی ساتھ دیکھتا اور میرے ہی ساتھ پکڑتا اور میرے ہی ساتھ چلتا ہے

اس کے بعد انھوں نے اسی صفحہ پر اتحادیہ کے بارے میں وہی عبارت بعینہ تحریر فرمائی، جو والاتحادیۃ زعموا سے لے کر علواً کبیراً تک علامہ عینی رح نے عمدۃ القاری میں درج فرمائی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس حدیث قدسی سے اہلِ حق میں سے کسی نے وہ مُراد نہیں لی نہیں جو اتحادیہ نے لی ہے یہ اتحادیہ اور اہلِ بدعت کا قطعاً باطل نظریہ ہے کہ وہ اس حدیث کا غلط مطلب بیان کر کے خالق و مخلوق کو معاذ اللہ تعالیٰ گڈ مڈ کر کے توحید خالص پر کاری ضرب لگاتے اور خلقِ خدا کو گمراہ کر کے اُن کی راہ مارتے اور اپنے اور ان سب کے لئے جہنم مول لیتے ہیں اور یہی معنیٰ دبی ہوئی زبان سے صوفی صاحب لے رہے ہیں اور اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

مفتی احمد یار خان صاحب کیا کہتے ہیں؟ مفتی احمد یار خان صاحب اسی حدیث کنت سمعه الذی الحدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ وَلی میں حلول کر جاتا ہے جیسے کوئلہ میں آگ یا پھول میں رنگ و بُو کہ خدا تعالیٰ حلول سے پاک ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے بلکہ اس کے چند مطلب ہیں ایک یہ کہ وَلی اللہ کے یہ اعضاء گناہ کے لائق نہیں رہتے ہمیشہ اُن سے نیک کام ہی سرزد ہوتے ہیں۔ ان پر عبادات آسان ہوتی ہیں الخ۔" (مرآۃ المناجیح

شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۰۹ از مفتی احمدیار خان صاحب)

مفتی احمد یار خان صاحب نے صراطِ مستقیم کی ایک صوفیانہ عبارت نقل کی جس میں اس حدیث کنت سمعہ الحدیث کا ذکر بھی ہے اور صوفیانہ اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا اور بولتا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر نزدیک و دور کی چیزوں کو پکڑتا ہے یہی حاضر و ناظر کے معنیٰ ہیں الخ۔ (جاء الحق ص ۱۴۸، ص ۱۴۹)

یہ خط کشیدہ الفاظ مفتی صاحب کی بدعت پسند اور خانہ زاد اختراع ہے۔ حدیث سے اور اس کی تشریح سے صرف وہی کچھ ثابت ہے جو مفتی صاحب نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے اور بس بریلوی علماء کے مشہور مصنف مولوی نذیر الحق صاحب میرٹھی اس مذکور حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مطلب یہ کہ جب بندہ اپنی پوری زندگی اطاعتِ الٰہی کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ عبادت و نوافل کی کثرت کرتا ہے اور اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں گم کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کا محافظ و نگہبان ہو جاتا ہے۔ اس کا قلب و دماغ اور تمام اعضاء و جوارح الٰہی رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کا سوچنا، اس کا دیکھنا، اس کا پکڑنا، اس کا چلنا اور اس کے تمام حرکات و سکنات احکامِ الٰہی کے مطابق سرزد ہوتے ہیں۔ الحب فی اللہ والبغض للہ کا وہ عملی پیکر بن جاتا ہے اور اس کی پوری زندگی اسلام کی عملی تفسیر بن جاتی ہے۔ انتہٰی (احسن الہدایات ج ۲ ص ۹۳۶ عزیز المرقات الیٰ مطالب المشکوٰۃ)۔

فنا فی اللہ کی تحقیق

متوفی صاحب لکھتے ہیں:۔ اس امر کی تحقیق ہم اس طائفہ ضالہ کے گھر سے ہی پیش کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ پس بے شک عابد کو بعد فنا مطلق کے جو کہ فنا ذات اور صفات ہے، وجود حقانی کی خلعت عطا ہوتی ہے کہ بندہ اس خلعت کی وجہ سے اوصافِ الٰہیہ سے مشرف ہو جاتا ہے اور اس میں اخلاقِ ربانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس مقام میں پہنچ کر پھر حدیث کے معنی محقق ہوتے

ہیں کہ مجھ سے سنتا، مجھ سے دیکھتا، مجھ سے پکڑتا اور مجھ سے سمجھتا ہے (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ صفحہ ۵۴) اب خانصاحب بتائیں کہ جو معنی حدیث قدسی کے مفتی احمد یار خان صاحب دامت برکاتہٗ نے بیان فرمائے ہیں، وہ معنی شاہ ولی اللہ صاحب سے منقول ہیں یا نہیں؟ اگر مفتی صاحب صوفیاء کرام رح کی اصطلاح کو نہیں سمجھے تو کیا شاہ ولی اللہ صاحب رح بھی جاہل ہیں اور یہ تحقیق بھی ولی اللہ صاحب کی اپنی نہیں بلکہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں، جو کہ خاندانِ نقشبند کے بانی ہیں۔ کیا خانصاحب کے فتویٰ کفر کی زد میں یہ دونوں بزرگ آتے ہیں یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً ہے تو حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی کا کیا قصور؟ بلفظہٖ (صفحہ ۱۶۷)

الجواب:۔ صوفی صاحب نے بقول خود ہمارے گھر کی (کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح کو، وہ ان کی موحدانہ باتوں اور شرک و بدعت توڑ عبارتوں کی وجہ سے ہمارا سمجھتے ہیں، اپنا نہیں سمجھتے۔ اور سچ یہ ہے کہ اُن کی پختہ، ٹھوس اور لاجواب باتوں نے اہلِ بدعت کے سینے بھون ڈالے ہیں اور مولوی محمد عمر صاحب نے بھی حضرت شاہ صاحب رح کو وہابیت کا مبلغ کہہ کر صاف لفظوں میں خوب کوسا ہے۔ ملاحظہ ہو مقیاسِ حنفیت صفحہ ۵۷۵، صفحہ ۵۷۶) تحقیق پیش کی ہے علی الرأس والعین۔ مگر صوفی صاحب کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ بے چارے حضرات صوفیاء کرام رح کی اصطلاحات کو بالکل نہیں سمجھے اور سمجھنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔ وہ اس قسم کی عبارتوں سے یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں کہ جس طرح نصاریٰ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کا حلول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں تسلیم کر کے کافر قرار پاتے ہیں، اسی طرح شاید حضرات صوفیاء کرام رح بھی قائل ہیں تو پھر وہ کیوں کافر نہیں ہیں؟ اگر اس قسم کے اتحاد و حلول کا نام کفر ہے تو صوفیاء کرام رح اس کے مرتکب ہیں، ان کی تکفیر کیوں نہیں کی جاتی؟ مگر صوفی صاحب باوجود خود کو صوفی لکھنے اور کہلانے کے جہل مرکب کا شکار ہیں۔ بجائے اس کے کہ

ہم اپنی طرف سے اس کے بارے میں کچھ عرض کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں سید محمود آلوسی الحنفی رح کی تحقیق عرض کردیں۔ وہ فرماتے ہیں :-

ثم لا يتوهمن متوهم ان كلمات ساداتنا الصوفية قدس الله تعالى اسرارهم تردن حول كلمات النصارى كما يزعمه من لا اطلاع له على تحقيق كلامهم ولا ذوق له في مشربهم وذلك لان القوم نفعنا الله تعالى بهم مبرؤن عما نسبه المحجوبون اليهم من اعتقاد التجسيم والعينية والاتحاد والحلول اھ (روح المعانی ج ۶ ص ۳۴)

پھر کوئی وہم کرنے والا ہرگز یہ وہم نہ کرے کہ ہمارے سرکردہ یعنی حضرات صوفیاء کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے کلمات بھی نصاریٰ کے کلمات کے اردگرد گھومتے ہیں جیسا کہ اس کا وہ شخص گمان کرتا ہے جس کو ان بزرگوں کے کلام پر کوئی اطلاع نہیں اور نہ ان کے مسلک کا اسے کوئی ذوق ہے یہ اس لئے کہ حضرات صوفیاء کرام رح کی قوم ہم اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکت سے نفع بخشے، اس چیز سے بالکل بری ہے جس کو حقیقت سے محروم لوگ ان کی طرف نسبت کرتے ہیں، یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی جسمیت، عینیت اتحاد اور حلول کا اعتقاد کرتے ہیں۔

اور پھر اس کی طویل بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

واما انهم لم يقولوا بالحلول فلانهم فسروا الحلول تارة بانه الحصول على سبيل التبعية وتارة بان كون الموجود في محل قائما به ومن المعلوم ان الواجب تعالى وهو الوجود المحض القائم بذاته المستغني كذلك يستحيل عليه القيام بغيره الخ (روح المعانی ج ۶ ص ۳۵)

بہرحال یہ بات کہ حضرات صوفیاء کرام رح حلول کے قائل نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی حلول کا یہ معنی کرتے ہیں کہ بالتبع حاصل ہو اور کبھی یہ معنی کرتے ہیں کہ حلول کا یہ معنی ہے کہ کوئی چیز کسی محل میں موجود اور اس کے ساتھ قائم ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ واجب تعالیٰ وجود محض قائم بذاتہ اور اسی طرح متعین ہے۔ اس کے حق میں غیر سے قائم ہونا (اور غیر کا روپ دھارنا) محال ہے۔

اس کے بعد انھوں نے شیخ الصوفیہ محمد بن علی بن محمد الحاتمی الطائی المعروف بابن عربی

الشیخ الاکبرؒ (المتوفی ۶۳۸ھ) کی مشہور کتاب فتوحاتِ مکیہ کا حوالہ دیا ہے۔ چونکہ علامہ آلوسیؒ نے فتوحاتِ مکیہ کا ملخص لکھ دیا ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ فتوحاتِ مکیہ کی پوری اصل عبارت باحوالہ عرض کر دیں۔ حضرت شیخ صاحبؒ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں میں حلول نہ کرنے اور ان پر اپنی تجلی اور اپنی بعض صفات کے ان میں ظاہر کرنے کا فرق بیان کرتے ہوئے ایک حسّی مثال سے سمجھاتے ہیں۔

فنور الشمس اذا تجلی فی البدر یعطی من الحکم ما لا یعطیہ من الحکم بغیر البدر لا شک فی ذلک کذلک الاقتدار الالٰہی اذا تجلّٰی فی العبید فظھرت الافعال عن الخلق فھو وان کان بالاقتدار الالٰھی ولکن یختلف الحکم لانہ بواسطۃ ھذا المجلی الذی کان مثل المرأۃ لتجلیہ وکما ینسب النور الشمسی الی البدر فی الحس والفعل لنور البدر و للشمس فکذلک ینسب الفعل للخلق فی الحس والفعل انما ھو للہ فی نفس الامر ولاختلاف الاثر تغیر الحکم النوری فی الاشیاء فکان ما یعطیہ النور بوساطۃ البدر خلاف ما یعطیہ بنفسہ بلا واسطۃ کذلک یختلف الحکم فی افعال العباد ومن ھنا یعرف التکلیف علی من

سو سورج کا نور جب چاند میں تجلّی کرتا ہے تو چاند کو وہ حکم دیتا ہے جو چاند کے بغیر وہ حکم اس کو نہیں دیتا اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اسی طرح اقتدارِ الٰہی جب بندوں میں ظاہر ہوتا ہے تو مخلوق سے افعال صادر ہوتے ہیں تو اگرچہ یہ اقتدارِ الٰہی کے ساتھ ہے لیکن حکم مختلف ہے کیونکہ وہ اس مجلی کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح شیشے میں تجلّی اور ظہور ہوتا ہے اور جس طرح کہ نورِ شمسی کی نسبت حِس میں چاند کی طرف کی جاتی ہے اور یکا روائی چاند کے نور اور سورج کے لئے ہوتی ہے تو اس طرح حِسّاً فعل مخلوق کی طرف نسبت کیا جاتا ہے اور نفس الامر میں فعل اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے اور اثر کے اختلاف کی وجہ سے اشیاء میں نوری حکم کا تغیر واقع ہوتا ہے تو جس طرح سورج چاند کے واسطہ سے نور دیتا ہے وہ اس کے خلاف ہے جو بلا واسطہ دیتا ہے اسی طرح افعال عباد میں بھی حکم مختلف ہے اور یہیں سے تکلیف پہچانی جا سکتی ہے۔ جس پر وہ متوجہ ہوتی ہے اور جس سے وہ مکلف قرار پاتا ہے اور جس سے اس کا تعلق ہوتا ہے اور جیسا کہ تو

توجہ ویمن تعلق وکما تعلم عقلاً ان القمر فی نفسہ لیس فیہ من نور الشمس شیٔ وان الشمس ما انتقلت الیہ بذاتھا وانما کان لھا مجلی وان الصفۃ لا تفارق موصوفھا والاسم مسماہ کذلک العبد لیس فیہ من خالقہ شیٔ ولا حلّ فیہ وانما ھو مجلی لہ وخاصۃ ومظھر لہ وکما ینسب نور الشمس الی البدر کذلک ینسب الاقتدار الی الخلق حِسًّا والحال الحال اھ (فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۶۵۹ باب ۲۹۲ طبع مصر)

عقلاً یہ جانتا ہے کہ نفس (جرم) چاند میں سورج کا نور نہیں ہوتا اور سورج بذاتہٖ اس کی طرف منتقل نہیں ہوتا بلکہ اس پر اس کی تجلی پڑتی ہے اور یہ بھی تو جانتا ہے کہ صفت اپنے موصوف سے اور اسم اپنے مسمّیٰ سے جدا نہیں ہوتا اسی طرح بندے میں اس کے خالق کی کوئی چیز (مثلاً علم، سمع، بصر اور قدرت وغیرہ) نہیں ہوتی اور نہ اس میں وہ حلول کرتا ہے بلکہ صرف اس میں تجلی ہوتی ہے۔ اور ایک خصوصیت ہوتی ہے اور اس کا مظہر ہوتی ہے اور جس طرح سورج کی روشنی کو چاند کی طرف نسبت کیا جاتا ہے اسی طرح اقتدار کو حسّی طور پر مخلوق کی طرف نسبت کیا جاتا ہے اور اس کا حال بس چاند کے حال کی طرح ہے۔

علامہ آلوسی رح اس عبارت کا ملخص لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

وھذا نص فی نفی الحلول ومنشأ غلط المحجوبین المنکرین عدم الفھم لکلام ھؤلاء السادۃ نفعنا اللہ تعالیٰ بھم علیٰ وجھہ وعدم التمییز بین الحلول والتجلی ولم یعلموا ان کون الشیٔ مجلی لشیٔ لیس کونہ محلاً لہ فان الظاھر فی المرأۃ خارج من المرأۃ بذاتہ قطعا بخلاف الحال فی محل فانہ حاصل فیہ فالظھور غیر الحلول فان الظھور فی المظاھر المواسع

یہ عبارت نفیٔ حلول میں نص ہے اور محروموں منکروں کی غلطی کا منشاء ان سرداروں کے کلام کو اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکت کما حقہٗ فائدہ عنایت فرمائے نہ سمجھنا ہے اور حلول اور تجلی میں فرق نہ کرنا ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ کوئی چیز کسی چیز کے لئے تجلی گاہ تو ہوتی ہے مگر اس کا محل (جس میں حلول کرے) نہیں ہوتی بلکہ جو چیز شیشے میں ظاہر ہوتی ہے وہ شیشے سے بذاتہٖ باہر ہوتی ہے بخلاف حال کے محل میں کیونکہ وہ اس میں حاصل ہوتا ہے۔ الغرض ظہور اور چیز ہے اور حلول اور چیز ہے۔ پس بے شک

القدوس يجامع التنزيه بخلاف الحلول نعم وقع في كلامهم التعبير بالحلول ومرادهم به الظهور اھ (روح المعانی ج ۶ ص ۳۵ و ص ۳۶)

ظہور کی جگہوں میں واسع قدوس جل جلالہ کا ظہور تنزیہ اور پاکیزگی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے بخلاف حلول کے (اس میں تنزیہ باقی نہیں رہتی) ہاں ان بزرگوں کے کلام میں حلول کے لفظ سے تعبیر بھی واقع ہوئی ہے لیکن اُن کی مُراد اس سے ظہور ہے (نہ کہ حلول)۔

ان سب عبارات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کی تجلی اور پَرتو اپنے بعض مقبول بندوں پر پڑتا ہے جیسے سُورج کی شعاعیں شیشے پر پڑتی ہیں اور وہ روشن و منوّر ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں کہ سُورج شیشے میں حلول کرتا ہے اور نہ یہ کہ اس کی ذات شیشے میں اترتی ہے۔ بلکہ سُورج اپنی جگہ پر اور شیشہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے لیکن تجلی کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کی صفات کا پَرتو بعض بندوں پر پڑتا ہے جس کو تجلی اور ظہور تو کہتے ہیں لیکن یہ حلول نہیں ہوتا۔ ہاں مجازی طور پر بعض صوفیاء کرام رح کی عبارات میں حلول کا لفظ بھی وارد ہوا ہے مگر اس سے اُن کی مُراد بھی ظہور ہے نہ کہ حقیقۃً حلول، اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ:-

ولا يحل في غيره ولا يتحد بغيره (تفهيمات الٰهيه ج ۱ ص ۱۴۵)

اللہ تعالیٰ کسی غیر میں حلول نہیں کرتا اور نہ کسی غیر کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ذاتاً و صفۃً کسی غیر میں حلول نہیں کرتا اور نہ اس سے متحد ہوتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خالق و مخلوق اور قدیم و حادث کا اتحاد ناممکن اور لامکان ذات کا حادث میں حلول کرنا بالکل محال ہے۔ اور دُوسرے مقام پر حضرت شاہ صاحب رح حقانیت کی سرایت کا یہ مفہوم بیان فرماتے ہیں کہ:-

فاذا تجلى الله سبحانه في عين عبد من عباده سرت الحقّانية في علمه وحاله فقوله قضاء

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کی ذات اور شخصیت پر تجلی فرماتے ہیں تو اس بندہ کے

علم وحال میں حقانیت سرایت کر جاتی ہے۔ سو اس کا قول شفا اور اس کا عمل دوا ہوتا ہے۔ وعملہ دواء (تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۱۰۲)

حضرت شاہ صاحب رح کی ان عبارات کی روشنی میں الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی ذات وصفات کے جھمیلے سے پاک اور بے نیاز ہو جاتا ہے، تو اس کو منجانب اللہ تعالیٰ وجودِ حقانی کی خلعت عطا ہوتی ہے اور اوصافِ الٰہیہ کا عکس اور پرتو اور تجلی اس پر پڑتی ہے اور اس میں بہیمی اور حیوانی صفات کا فقدان اور اخلاقِ ربانی کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ اپنے کان سے وہی کچھ سنتا ہے جس میں رب تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے، اور وہ اپنے ہاتھ سے وہی کچھ پکڑتا ہے جس کو رب تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس کی عقل وبصیرت میں وہی افکار ونظریات پیدا ہوتے ہیں جو تقربِ الٰہی کا ذریعہ بنتے اور پروردگار حقیقی کی خوشنودی کا سبب ہوتے ہیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ کی ذات ہی خدا تعالیٰ کی ذات بن جاتی ہے یا اس کی صفات بعینہا اس میں آجاتی ہیں جیسا کہ اتحادیہ ملاحدہ وزنادقہ کا باطل نظریہ اور نصاریٰ کے یعقوبیہ اور ملکانیہ فرقہ کا خالص کافرانہ ومشرکانہ عندیہ ہے تعالی اللہ عن ذٰلک علوًا کبیرًا الغرض حضرت خواجہ نقشبندؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرات صوفیاء کرامؒ نے جو کچھ فرمایا وہ حق اور صحیح ہے اور مفتی احمد یار خان صاحب اور دیگر اتحادیہ کے وکلاء نے جو کچھ سمجھا وہ غلط اور کفر ہے۔ سابق حضرات کفر کی زد سے بالکل محفوظ ہیں اور اتحادیہ اور ان کے چیلے بزبانِ حالی یہ کہہ کر کفر کے بھنور میں گھوم رہے ہیں اور شرک کے گندے سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں ؎

رنگ لائی پھر ہماری اصل فطرت دیکھئے

چھوڑ کر مسجد چلے پھر جانبِ بت خانہ ہم

کس و ناکس

صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ اس کے بعد خان صاحب فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے پر فریقِ مخالف

ذیل کی حدیث سے قیاس کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے وقت ایک مرتبہ حضرت بلال رضؓ سے پوچھا کہ تم نے اسلام میں کون سا مقبول کام کیا ہے؟ کیونکہ آج رات میں نے جنت میں تمھارے جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ سُنی ہے الخ ۔ جواب ۔ چونکہ خانصاحب نے اپنی تحریر میں قیاس کرنے والے کا ذکر نہیں کیا ۔ لہٰذا ہر کس وناکس کی بات کے ہم ذمہ دار نہیں ۔ انتہیٰ (بلفظہٖ صـ۱۶۷ ، صـ۱۶۸)

الجواب :۔ صوفی صاحب آپ نے اور آپ کے بڑوں نے دیگر کس کس بات میں ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے جو صرف اس بات میں ذمہ داری کے بوجھ سے اپنے نازک کندھے کو بچانا چاہتے ہیں ؟ انصاف سے فرمائیں ۔ قبر اور آخرت کو پیش نظر رکھ کر بتائیں ، میدانِ محشر اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری پر یقین کرتے ہوئے کہیں کہ آپ حضرات نے کس دینی مسئلہ میں ذِمہ داری کا ثبوت دیا ہے ؟ اور کس عمل اور عقیدہ میں ذِمہ داری کا احساس کیا ہے ؟ اور کس سیاسی میدان میں آپ لوگوں نے جان پر کھیل کر قوم کے حلوے مانڈے حلال کئے ہیں ؟ صوفی صاحب معاف رکھنا ذمہ داری کا تو صرف نام ہی نام ہے باقی صرف اللہ کا نام ہے اور بس ۔ صوفی صاحب لیجئے ہم آپ کی مُنہ مانگی مُراد بفضلہٖ تعالیٰ پوری کئے دیتے ہیں کیونکہ آپ کو بلاوجہ اور بلا دلیل ہمارا حریف بننے کا شوق اور سستی شہرت حاصل کرنے کا ذوق ہے اور اپنے ناخواندہ حواریوں سے دادِ تحسین حاصل کرنے کا بڑا ولولہ اور تڑپ ہے ۔ اس لئے ہم آپ کو ناراض نہیں کرتے ۔

صوفی صاحب آپ نے مولوی محمد عمر صاحب کا نام بھی اپنی کتاب میں ذِکر کیا اور اُن کی ناحق طرفداری بھی کی ہے ۔ اُن کی ضخیم ، پلندہٗ مغالطات اور مجموعۂ جہل مرکبات کتاب مقیاس حنفیت تو سُنی اور دیکھی ہی ہوگی ۔ اس میں اُنھوں نے علمِ غیب (رسُول صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے ۔ اور پھر آگے طویل ، بے مغز اور لاحاصل بحث کرتے ہوئے بقول خود وہابی کا یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ جنت کی نعمتیں بھی جمیع ماکان و

مایکون میں سے ہیں اور قرآنِ کریم میں ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ الآیۃ اور حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں ایسی اشیاء تیار کی ہیں مالا عینٌ رأت الحدیث جن کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔ اس کے جواب میں مولوی محمد عمر صاحب یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں (ترجمہ انہی کا ہے) مسلم ج ۲ ص ۲۹۲ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں جنت دکھایا گیا، تو میں نے جنت کو دیکھا۔ پھر میں نے اس میں ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عورت کو دیکھا۔ پھر میں نے اپنے آگے جوتوں کی آہٹ سنی تو اچانک حضرت بلال ہو تھے۔ کیوں جناب! فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ کو تمہارے دماغ نے زیادہ سمجھا یا صحابہ کرام رضی نے جو اس اخفاء میں بمع جوتوں کے پہنچ رہے ہیں۔ (محصلہ مقیاس حنفیت ص ۳۶۳ تا ص ۳۶۵) مطلب یہ ہے کہ جب حضرت بلال رضی بمع جوتوں کے جنت میں پہنچ سکتے ہیں اور ان کو جنت کی تفصیلی نعمتوں کا (جو ماکان و مایکون میں سے ہیں) علم ہو سکتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں نہیں ہو سکتا؟ اور ہماری مراد بھی قیاس سے صرف اتنی ہی بات ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ علمِ غیب اور حاضر و ناظر مآل کے اعتبار سے ایک ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صوفی صاحب!

سے

نہ لو نامِ الفت جو خود داریاں ہیں
بہت ذلتیں ہیں بڑی خواریاں ہیں

قبر مبارک پر کھڑے فرشتہ کا درود شریف پہنچانا اور حور کا جنت سے دنیا میں لڑاکا بی بی سے خطاب کرنا

اہل بدعت نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر دو حدیثوں سے استدلال و قیاس کیا تھا۔ (۱) کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی قبر مبارک پر ایک فرشتہ کھڑا ہے ۔ وہ درود شریف پڑھنے والوں کا درود آپؐ کو پہنچاتا ہے ۔ جب وہ فرشتہ دور سے سن سکتا ہے تو آپؐ کیوں نہیں سن سکتے ؟ (محصلہ)

(۲) جب دنیا میں کوئی بی بی اپنے خاوند سے لڑتی ہے تو جنت میں حور اس کو خطاب کرتی ہے کہ اس سے مت لڑو وہ تو تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے ۔ وہ جلدی سے ہمارے پاس آنے والا ہے (محصلہ ابن ماجہ) جب حور دور سے سن دیکھ سکتی ہے تو آپؐ کیوں نہیں دیکھ اور سن سکتے ؟ (محصلہ)

اس استدلال کا مفصل باحوالہ جواب تبرید النواظر میں دیا گیا ہے جس کو صوفی صاحب بالکل پی گئے ہیں اور خیر سے ڈکار تک نہیں لیا (صوفی صاحب اور ان کے دیگر اہل بدعت رفقاء اس گرانی کے کمر توڑ دور میں تیجہ ، ساتواں ، دسواں ، عرس اور گیارھویں وغیرہ متعدد جلب طعام ایام کے مرغن اور لذیذ رنگ برنگ مفت حلوے اور مٹھائیاں کھا کھا کر اپنے معدوں کو اتنا بڑا اور کشادہ کر چکے ہیں کہ وہ ہرچہ درو آید فنا در فنا است بن چکے ہیں لہذا ڈکار لینے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) صرف عوام کی آنکھوں میں گرد و غبار ڈالنے کے لئے یوں گوہر افشانی کرتے ہیں ۔ خانصاحب سے جب دونوں حدیثوں کا جواب نہ بن پڑا تو تھک ہار کر یہ کہہ دیا کہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور قابل سند نہیں ۔ حدیث اول کی عبارت اور شارحین کا فیصلہ ملاحظہ فرمالیں ۔ اس حدیث شریف کو خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں نقل کیا ہے اور سراج منیر شرح جامع صغیر میں شارح رحمۃ اللہ علیہ لکھتا ہے (ترجمہ پر اکتفا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت دی ہے جس سے تمام مخلوق کی باتیں سنتا ہے خواہ انسان ہو یا جن یا ان کے سوا اور چاہے کہیں بھی (ہو) جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچا دیتا ہے ۔ روایت کیا اس کو طبرانی رح نے عمار رضؓ بن یاسر رضؓ سے اور فرمایا شیخ نے کہ یہ حدیث حسن ہے ۔ (سراج المنیر ج ۱ صفحہ ۵۲) اس حدیث کے متعلق

خانصاحب کی ساری ٹیں ٹیں ہبًا منثورًا ہو کر رہ گئی ہے اور السراج المنیر کے محشی نے تو اس طائفہ وہابیہ کی خوب جڑ کاٹی ہے۔ وہ اس حدیث پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ پر اکتفا ہے) یعنی فرشتہ کھڑا رہے گا میری قبر پر پہنچاتا ہے مجھے درود ہر ایک کا۔ اس درود بھیجنے والے کا نام اور اس کے باپ کا نام بھی ذکر کرتا ہے۔ اور یہ منافی نہیں اس لئے کہ دوسرے فرشتے بھی درود شریف پہنچاتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا شان عطا فرمائی ہے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ازدلی کو کہ وہ جانتا ہے درود شریف پڑھنے والے کا نام کیا ہے؟ اور وہ کس کا بیٹا ہے؟

دوسری حدیث ابن ماجہ باب فی المرأۃ تؤذی زوجھا۔ میں ص ۱۴۶ پر موجود ہے۔ جس کے راویوں میں ناقدین نے کلام کیا۔ سو اگر اس حدیث کو سب سے کم درجہ دیا جائے تو صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ناقدین میں سے سب سے متشدد ابن جوزی رح نے ابن ماجہ کی چونتیس احادیث کو موضوعات میں داخل کیا ہے لیکن یہ حدیث ان میں شمار نہیں۔ ابن جوزی کے علاوہ بھی سات احادیث پر حفاظ نے موضوع اور باطل ہونے کا حکم لگایا ہے، یہ حدیث ان میں بھی شامل نہیں لہٰذا یہ حدیث موضوع اور باطل نہیں۔ باقی رہا ضعف کا درجہ، سو باب فضائل میں ضعیف حدیث کے مقبول ہونے پر ائمہ احادیث کا اتفاق ہے۔ اور جو کوئی ابن ماجہ کی احادیث کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہے تو ما تمس الیہ الحاجہ۔ محمد عبدالرشید نعمانی کی تصنیف کا مطالعہ کرے۔ (بلفظہ ص ۱۶۸، ص ۱۶۹)۔

الجواب: ۔ صوفی صاحب نے جس طرح گلو خلاصی چاہی ہے وہ ان کو ہرگز مفید نہیں اس لئے کہ صوفی صاحب کی پتلی ہوئی گردن پر خانصاحب کا مضبوط ہاتھ پڑا ہوا ہے اور صوفی صاحب کی آنکھیں تاڑے لگی ہوئی ہیں۔ ہم چند اشارات عرض کئے دیتے ہیں۔ اوّل صوفی صاحب نے علامہ عزیزی رح سے (جو تصحیح اور تحسین کے باب میں خاصے متساہل ہیں اور محدثین کرام رح کے نزدیک جس طرح متشدد اور متعنت کی بات قابلِ اعتبار

نہیں ہوتی۔ اسی طرح متساہل کی بات بھی قابلِ التفات نہیں ہوتی) حدیث حسن کے الفاظ تو نقل کر دیئے ہیں مگر خاتم الحفاظ امام سیوطی رح کی کتاب الجامع الصغیر سے (باوجود ان کا حوالہ نقل کرنے کے) اس روایت کے بارے میں ضؔ (ضعیف) کو کیوں کھا گئے ہیں؟ (دیکھئے الجامع الصغیر ج ا صفحہ ۹۴) آخر اس میں کیا راز ہے؟ اور یہ کہاں کی دیانت ہے؟ اور دوم تبرید النواظر میں ان دونوں روایتوں کے راویوں کے نام لے لے کر معتبر کتب اسماء الرجال اور مستند ائمہ جرح و تعدیل سے جو مفصل اور با حوالہ جرح نقل کی گئی ہے اس کو صوفی صاحب کیوں کھا گئے ہیں؟ اور کبوتر کی طرح اس سے کیوں آنکھیں بند کر لی ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ سوم صوفی صاحب کی یہ کتنی اور کس قدر بد دیانتی ہے کہ وہ ان دونوں حدیثوں کی تضعیف کی نسبت خانصاحب کی طرف کرتے ہیں شاید اس لئے کہ نزلہ بر عضو ضعیف ریزد اور ان ائمہ جرح و تعدیل کا نام (جو تبرید النواظر اور اس کے حاشیہ میں مفصل با حوالہ موجود ہیں) قارئین کرام کو کیوں نہیں بتاتے جنھوں نے ان حدیثوں کے راویوں پر مفسر اور کڑی جرح کی ہے؟ صوفی صاحب آپ یہ دجل کیوں کرتے ہیں کہ خانصاحب سے جب دونوں حدیثوں کا جواب بن نہ پڑا تو تھک ہار کر یہ کہہ دیا کہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور قابلِ سند نہیں۔ صوفی صاحب آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فنِ حدیث میں سب سے پہلی اور بنیادی چیز حدیث کی سند، اس کے رواۃ اور ان کی توثیق و تضعیف ہے جب با حوالہ ائمہ جرح و تعدیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں راوی ضعیف ہے تو اصولِ حدیث کے رو سے یہ صحیح اور معقول جواب ہوتا ہے اس کو "جواب نہ بن پڑا" سے تعبیر کرنا علمی طور پر شرمناک جہالت ہے۔ چہارم جب یہ روایت ہی صحیح نہیں تو اس سے یہ استدلال کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادنیٰ کو بھی درود شریف پڑھنے والے اور اس کے باپ کا نام آتا ہے، کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور السراج المنیر کے محشی نے اس حدیث میں اور دوسرے فرشتوں کے درود شریف پہنچانے کی روایت میں یہ تطبیق دی ہے۔ مگر

صوفی صاحب تطبیق کی وہاں ضرورت پیش آتی ہے جہاں دونوں حدیثیں صحیح ہوں جب ایک صحیح اور دوسری ضعیف ہو تو تطبیق کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی اور یہاں ان للہ ملائکۃ سیاحین الخ صحیح ہے اور اہل بدعت کی طرف سے پیش کردہ یہ روایت بالکل ضعیف ہے جیسا کہ تبرید النواظر اور اس کے حاشیہ میں باقاعدہ باحوالہ کتب اسماء الرجال سے اس کے رواۃ پر مسلّم ائمہ جرح و تعدیل سے سخت جرح منقول ہے۔ پنجم یہ ٹھیک ہے کہ ضعیف حدیث فضائل کے باب میں حضرات ائمہ حدیث کے نزدیک پیش ہو سکتی ہے لیکن اولاً تو علم غیب اور حاضر و ناظر کا مسئلہ محض فضائل کے باب کا نہیں بلکہ عقائد کے باب کا ہے اس لئے عقائد کے باب میں ضعیف حدیث تو درکنار خبر واحد صحیح بھی مقبول نہیں۔ اور قطعیات کے مقابلہ میں اس کا پیش کرنا خانصاحب بریلوی کے نزدیک بھی محض ہرزہ بافی ہے وثانیاً فضائل اعمال میں بھی ضعیف حدیث پیش کرنے کی ائمہ حدیث کے نزدیک چند شرائط ہیں جن کو یا تو صوفی صاحب جانتے نہیں یا عوام کو حسب عادت مالوفہ دھوکہ دے رہے ہیں اور ان کو بیان کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ ہم صرف ایک حوالہ صرف اپنی بات کو مبرہن کرنے کے لئے عرض کئے دیتے ہیں:۔

علامہ حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی رح (المتوفی ۹۰۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وقد سمعت شیخنا مرارا یقول وکتبہ لی بخطہ ان شرائط العمل بالضعیف ثلاثۃ الاول متفق علیہ ان یکون الضعف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والمتھمین بالکذب ومن فحش غلطہ الثانی ان یکون مندرجا تحت اصل عام فیخرج ما یخترع بحیث لا یکون لہ اصل	تحقیق کے ساتھ میں نے اپنے استاد سے کئی مرتبہ سنا جو فرماتے تھے اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے میری خاطر لکھا بھی کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں پہلی جس پر اتفاق ہے کہ (حدیث میں) ضعف زیادہ نہ ہو پس اس شرط سے کذابین متھمین بالکذب اور کثرت سے اور زیادہ خطا کرنے والے منفرد راویوں کی حدیث نکل گئی۔ دوسری یہ کہ وہ ضعیف حدیث کسی عام (شرعی)

اصلاً الثالث[۳] ان لا یعتقد عند العمل بہ ثبوتہٗ لئلا ینسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما لم یقلہٗ قال والاخیران عن ابن عبد السلام وعن صاحبہ ابن دقیق العید والاول نقل العلائی الاتفاق علیہ قلت وقد نقل عن الامام احمد انہ یعمل بالضعیف اذا لم یوجد غیرہ ولم یکن ثم معارضہٗ الخ (القول البدیع ص ۱۹۵ طبع الٰہ آباد الھند)

اصل کے تحت داخل ہو۔ اس شرط سے وہ حدیث نکل جائے گی جو مخترع ہو اور بالکل کسی اصل کے نیچے داخل نہ ہو۔ تیسری[۳] یہ کہ اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کر لیا جائے تاکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات کی نسبت لازم نہ آجائے جو آپ نے فرمائی نہیں۔ ہمارے شیخ رح نے فرمایا کہ آخری دونوں شرطیں شیخ عزالدین بن عبدالسلام رح اور ان کے ساتھی ابن دقیق العید رح سے منقول ہیں اور پہلی شرط پر علامہ علائی رح نے (محدثین کرام رح کا) اتفاق نقل کیا ہے۔ اور امام احمد رح سے مروی ہے کہ ضعیف حدیث پر اُس وقت عمل کیا جائے گا جب اس کے غیر (کوئی روایت) نہ پائی جائے اور وہاں اس کا کوئی معارض بھی نہ ہو۔

اب صوفی صاحب ہی بتائیں کہ کیا اس روایت میں عبدالوہاب بن ضحاک راوی موجود نہیں ہے جس کے بارے میں امام ابو حاتم رح فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور امام ابوداؤد رح فرماتے ہیں کہ وہ جعلی حدیثیں بناتا ہے اور امام صالح رح بن محمد رح فرماتے ہیں کہ اس کی اکثر حدیثیں جھوٹی ہیں اور امام ابونعیم رح اور حاکم رح فرماتے ہیں کہ اس نے جعلی روایتیں بھی بیان کی ہیں ان تمام کے حوالے کتب اسماء الرجال سے ہم نے تبرید النواظر میں نقل کر دیئے ہیں جن کو صوفی صاحب گیارھویں شریف کا میٹھا دودھ سمجھ کر پی گئے ہیں۔ اور پھر کیا یہ روایت قرآن کریم اور حدیث شریف کے کسی عام قاعدہ کی تائید کرتی ہے یا خالص اختراعی عقیدہ کی مؤید ہے؟ اور کیا اس روایت کو صوفی صاحب کی طرح بیان کرنے والے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث اعتقاد نہیں کرتے؟ اور کیا اس حدیث کے مقابلہ میں اور اس کے معارضہ میں،

قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ جو علم غیب اور حاضر و ناظر کے عقیدہ کو رد کرتی ہیں، موجود نہیں ہیں؟ فرمایئے کہ اس ضعیف حدیث کو تسلیم کرنے کی کون سی شرط محدثین کرام رحکے بیان کردہ قواعد کے مطابق پائی جاتی ہے؟ رہا علامہ ابن الجوزی رح کا اسکو چونتیس جعلی حدیثوں میں شمار نہ کرنا اور اسی طرح بعض دیگر حفاظ کا اسکو ساقط باطل و موضوع روایات میں شامل نہ کرنا اس کی دلیل تو نہیں کہ یہ صحیح ہے؟ اور خود صوفی صاحب کو بھی اسکے ضعیف ہونے کا اقرار ہے۔ ائمہ جرح و تعدیل کی اس مذکور بالا کڑی جرح کے بعد اس کے جعلی یا کم از کم شدید قسم کی ضعیف ہونے میں کوئی کسر باقی رہ جاتی ہے؟ بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے ماتمس الیہ الحاجہ کا مطالعہ بھی کیا ہے اور اسکے محقق مصنف (جو چند دن ہوئے کہ بہاول پور سے گوجرانوالہ مدرسہ نصرۃ العلوم میں ہماری ملاقات کے لئے تشریف لائے اور خاصی دیر تک علمی گفتگو ہوتی رہی) حضرت مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی دامت برکاتہم ہمارے مخلص دوست بھی ہیں ؎

بے تمہارے دیکھے اب دم بھر بھی چین آتا نہیں
سچ بتاؤ جانِ دل تم نے مجھے کیا کر دیا!

براہِ راست درود شریف سننے کی روایت

مفتی احمد یار خان صاحب (اور اسی طرح اکثر اہل بدعت) نے جاء الحق میں ایک روایت اپنے استدلال میں پیش کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے درود کو بلا واسطہ سنتا ہوں۔ ہم نے تبرید النواظر میں کہا تھا کہ یہ بالکل بے سند اور بے اصل ہے۔ ایسی بے سر و پا روایتوں سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا (محصلہ) اس کا جواب صوفی صاحب یہ دیتے ہیں۔ "میں کہتا ہوں کہ کسی وہابی نجدی کے کہنے سے تو کوئی روایت بے سند اور بے اصل نہیں ہو سکتی جبکہ ائمہ کرام سے اس کا بے اصل ہونا ثابت نہ کیا جائے۔ امام علی نور الدین حلبی صاحب سیرۃ حلبیہ اپنے رسالہ تعریف اہل الاسلام

والایمان جو کہ جواہر البحار جلد ثانی ص۱۱۱ پر درج ہے ارشاد فرماتے ہیں صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر شریف پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو کہ آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچاتا ہے۔ جمعہ کی روز وشب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بذات خود سنتے ہیں اور بہر حال جواب دیتے ہیں (جواہر البحار ج ۲ ص ۱۲۱) انصاف قارئین کرام خود فرمائیں کہ حدیث صحیح اور ثابت ہے اور خانصاحب گکھڑوی فرمائیں کہ بے اصل اور بے سند ہے۔ ثابت ہوا کہ ائمہ دین کے نزدیک اس حدیث کی اصل اور سند ثابت ہے اور سند ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سند سرے سے ہے ہی نہیں۔ خانصاحب خود جمعہ کے روز اپنے وعظ میں ہمیشہ حدیثیں بیان فرماتے رہتے ہیں۔ کیا ہر حدیث کی اصل اور سند بھی پڑھ کر سناتے ہیں مشکوٰۃ شریف کی تمام احادیث بے سند مذکور ہیں تو کیا مشکوٰۃ غیر معتبر ہے؟ (بلفظہٖ منہ)

الجواب: صوفی صاحب نے جیسے پہلے اپنی کتاب میں ہر مقام پر لایعنی اور بے حقیقت باتیں بیان کر کے حق سے پہلوتہی کی ہے یہاں بھی یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ مگر ازیں چہ سود! اولاً اس لئے کہ بے شک کسی وہابی اور نجدی کے کہنے سے کوئی روایت بے سند اور بے اصل تو نہیں ہو سکتی لیکن اس روایت کی کہیں اصل اور سند موجود بھی تو ہو۔ اسلامی قواعد کے لحاظ سے بغیر ثبوت کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کسی قول وفعل کی نسبت جائز نہیں ہے۔ ہماری بات پر یقین نہیں آتا تو نہ سہی اپنے اعلیٰ حضرت ہی کی بات تسلیم کر لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں۔ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہئے۔ بے ثبوت نسبت جائز نہیں اور قول مذکور ثابت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (عرفان شریعت حصہ سوم ص۲۷) اور نیز خانصاحب لکھتے ہیں۔ یہ سب کا سب باب عقائد سے ہے جس میں ضعاف درکنار، بخاری ومسلم کی صحیح حدیثیں بھی مردود ہیں جب تک متواتر وقطعی الدلالت نہ ہوں الخ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۵۰۵)

وثانیاً صوفی صاحب آپ نے ائمہ کرام کی بات کب تسلیم کی ہے؟ اسی حدیث وکل اللہ

ملتگا بقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال کُتبِ اسماء الرجال کی مستند کتابوں سے باحوالہ تبرید النواظر میں نقل کئے گئے ہیں کیا آپ نے وہ تسلیم کر لئے ہیں؟ وہابیوں اور نجدیوں کی بات کو جانے دیجئے۔ ان ائمہ کرام کی بات تو مان لیجئے صوفی صاحب آپ کو کہیں ہاتھی کے دانت تو میسر نہیں ہوگئے کہ کھانے کے اور اور دکھانے کے اور۔ وثالثاً صوفی صاحب یہ تو فرمایئے کہ نور الدین حلبی رح کو کس نے ائمہ جرح و تعدیل میں شمار کیا ہے؟ صوفی صاحب وہ تو رطب و یابس لکھنے والے ایک متاخر مؤرخ اور وقائع نگار صوفی ہیں۔ حدیث کی تصحیح اور تحسین وغیرہ میں ان کی بات کب اور کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ صوفی صاحب آپ کو علامہ ابن الجوزی رح کا یہ مقولہ شاید معلوم ہی ہو اذا وقع فی الاسناد صوفی فاغسل یدیک منہ (الرفع الشدید صفحہ) کہ جب سند میں صوفی آجائے تو اس سند ہی سے ہاتھ دھو ڈال اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات حسنِ ظن سے کام لیتے ہیں اور نقد و جرح اور پرکھ کا مادہ ان میں نہیں ہوتا اور ائمہ جرح و تعدیل تو ہندی کی چندی اور بال کی کھال اتار کر بات کو صاف اور منقح کر کے چھوڑتے ہیں اور ان کی اس فن میں اہلیت بھی ہوتی ہے اس لئے نور الدین حلبی رح کا حضرات محدثین کے مقابلہ میں روایت کی تصحیح کرنا یا کسی بے اصل اور بے سند حدیث کو قابلِ احتجاج گردانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ و رابعاً صوفی صاحب کا یہ لکھنا کہ ثابت ہوا کہ ائمہ دین کے نزدیک اس حدیث کی اصل اور سند ثابت ہے، بالکل دھوکہ دہی کے مترادف ہے۔ کس امام حدیث نے اس کی سند اور اصل بتائی ہے؟ معاف رکھیں صرف نور الدین حلبی رح جیسے وقائع نگار بزرگ کا نام ائمہ دین نہیں ہے۔ باحوالہ بتائیں کہ اس حدیث کی یہ سند اور یہ رواۃ ہیں اور فلاں معتبر محدث نے فلاں معتبر اور مستند کتاب میں یہ درج کی ہے اور اس کی تصحیح کی ہے۔ وخامساً صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ سند ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سند سرے سے ہے ہی نہیں بالکل درست ہے

ہم اس کے قائل ہیں کہ عدم الذکر عدم الشئ کو مستلزم نہیں ہے لیکن صوفی صاحب یہ اندھیر بھی تو مناسب نہیں کہ ضرورت اور حاجت کے وقت بھی وہ سند اور اس کے رواۃ علمی غار سے برآمد نہ ہو سکیں۔ اس موقع پر تو ان کو نکل ہی آنا چاہیئے وسا دشا صوفی صاحب نے آخری بات کہہ کر تو کمال کی ٹانگ ہی توڑ دی ہے۔ اب کمال بیچارہ بالکل لنگڑا ہو گیا ہے۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ خانصاحب جمعہ کے وعظ میں حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ کیا ہر حدیث کی سند بیان کرتے ہیں؟ اور پھر مشکوٰۃ شریف کی تمام احادیث کی سند مذکور نہیں تو کیا مشکوٰۃ غیر معتبر ہے؟ واہ جی واہ صوفی صاحب۔ اسی کا نام جواب ہے سبحان اللہ تعالیٰ۔ صوفی صاحب۔ بے شک وعظ کے موقع پر سند تو نہیں بیان کی جاتی۔ مگر ان احادیث کی اپنی جگہ پر سندیں تو موجود ہیں وہ پوچھنے والے کو بوقت حاجت بتائی جا سکتی ہیں۔ یہی حال مشکوٰۃ شریف اور دیگر کتب احادیث میں تعلیقات کا ہے کہ ضرورت کے وقت تو ان کی اسانید بتائی جا سکتی ہیں مگر آپ لوگ تو اس بے سند اور بے اصل روایت کی سند آج تک نہ بتا سکے اور نہ اس کے رواۃ کی توثیق کر سکے اور نہ ائمہ فن سے باحوالہ اس کی تصحیح نقل کر سکے اور نہ آئندہ آپ سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ نرے صوفیوں کی تصحیح سے کچھ نہیں بنتا اور محض سینہ تان لینے کا نام جواب و تحقیق نہیں ہوتا ؎

عبث ہے بے نصیبوں کو تقرب فیض بخشوں کا
کہ بجلی خشک رہتی ہے ہمیشہ ابر و باراں میں

دلائل الخیرات شریفہ

اہل بدعت نے (دیکھئے انوار ساطعہ ص ۱۹۳ و جاء الحق ص ۱۴۲ وغیرہ) خطبہ و دیباچہ دلائل الخیرات سے یہ روایت نقل کی تھی کہ (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا) :۔

اسمع صلوٰۃ اھل محبتی واعرفھم وتعرض علیّ صلوٰۃ غیرھم عرضا۔	میں اپنے ساتھ محبت کرنے والوں کے درود کو خود سنتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں اور دوسروں کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

تبریدالنواظر میں ہم نے لکھا تھا کہ یہ بھی بے سند، بے حقیقت اور جعلی و من گھڑت ہے۔ اس کا جواب صوفی صاحب یہ دیتے ہیں کہ خانصاحب دلائل الخیرات اور اس کے مؤلف کی عظمت اور شان سے بالکل جاہل ہیں ورنہ اس حدیث کو جعلی اور من گھڑت قرار نہ دیتے۔ اس کے مصنف عارف کامل ابو عبداللہ محمد بن سلیمان بن ابی بکر بن سلیمان الجزولی المغربی المالکی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات میں ان کا مختصر ترجمہ یوں مذکور ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ قطب فلک فضل وکمال مرکز دائرہ شرف وجلال سلالۂ خاندان نبوی سید حسینی مولانا سید عبداللہ بن سلیمان جزولی در شہر فاس کہ از بلاد مغرب است تحصیل علوم وکمالات نمودہ و در آں شہر مقتدائے اکابر وعلماء کرام بودہ وتالیف کرد آنجا کتاب دلائل الخیرات۔ ان کا وصال ۸۷۰ھ میں ہوا۔ اس کی ایک مزرع شیخ محمد فاسیؒ نے لکھی جو گیارھویں صدی کے بزرگ ہیں۔ اور محمد فاضل بن محمد عارف سیف الدین دہلویؒ نے بھی لکھی۔ کسی شارح نے بھی اس روایت پر نکتہ چینی نہیں کی اور طائفہ وہابیہ کے مقتدا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رہ نے خود بھی اس کتاب کو اپنے اوراد میں شامل رکھا اور مریدین کو بھی تلقین فرماتے (شمائم امدادیہ) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انتباہ فی سلاسل اولیاء کے آخر ص ۱۴۲ میں اس کی سند بھی لکھی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم کو دلائل الخیرات کی اجازت ہمارے شیخ ابوطاہر نے، انھوں نے شیخ احمد نخلی سے، انھوں نے سید عبدالرحمٰن ادریسی سے جو کہ محجوب مشہور ہیں، انھوں نے اپنے باپ احمد سے، انھوں نے اپنے دادا محمد سے، انھوں نے اپنے دادا احمد سے، انھوں نے دلائل الخیرات کے مؤلف سید شریف محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے (لی) اب ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا ولی اللہ صاحبؒ جیسے محدث اور ان کے شیوخ میں سے کسی نے اس حدیث کو رد کیا؟ نہیں ہرگز نہیں من ادعی فعلیہ البیان لہٰذا اس حدیث کی سند اور اصل علماء وارثین اور صوفیاء کاملین اور محدثین عظام کے نزدیک ثابت ہے۔ چھ سو سال میں صرف خانصاحب

ہی پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اس حدیث کو بے سند بے اصل من گھڑت فرمادیا ہے (ص۱۷۱ ج۱)

الجواب : ۔ صوفی صاحب کے ذمہ یہ بات تھی کہ وہ اس حدیث کی باحوالہ سند اور اس کے رواۃ اور ان کی ثقاہت بیان کرتے جس سے وہ قطعاً عاجز اور قاصر رہے ہیں ــــ دلائل الخیرات کے اوراد میں شامل ہونے اس کے مصنف اور اس کے شراح اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مؤتمن دلائل الخیرات تک بیان کردہ سند اور اس کے رواۃ کی بزرگی اور ان کی عظمت و شان کا کوئی بھی منکر نہیں ہے لیکن اس سب کارروائی سے اس حدیث کی سند اور اصل اور اس کی تصحیح تو ہرگز ثابت نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے اس کی تصحیح تو ذمہ دار محدثین کرام رح سے ثابت ہو سکتی ہے نہ کہ حضرات صوفیاء کرامؒ سے کیونکہ لکل فنٍ رجال ۔ الغرض اس حدیث کی سند اور اس کے رواۃ کی توثیق کا مطالبہ بدستور باقی ہے ۔ اور ایسی من گھڑت اور اختراعی روایت سے ہرگز یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے ؛ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اس روایت کا دوسری صحیح روایات کے پیش نظر یہ معنیٰ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت کا گہرا تعلق رکھتے اور تکلیف و صعوبت برداشت کرکے آپؐ کے روضۂ اقدس پر حاضری دے کر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں تو آپؐ بنفسِ نفیس ان کے صلوٰۃ و سلام کو سنتے ہیں اور جو دور سے صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں تو وہ آپؐ پر بواسطۂ ملائکہ عرض کیا جاتا ہے ۔ چونکہ بزرگانِ دین صحیح العقیدہ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کی پوری اتباع کرنے والے تھے اس لئے ان کے حال کے مناسب اور دیگر صحیح روایات کے پیش نظر یہی معنیٰ زیادہ قرین قیاس ہے اور جن شراح اور لوگوں نے اس سے قریب و بعید دونوں قسم کے لوگ مراد لی ہے وہ نہ تو معصوم ہیں اور نہ مجتہد ہیں اور ان کا بیان کردہ مطلب بھی نصوصِ قطعیہ سے متعارض اور خود اس باب کی دوسری صحیح روایات سے متصادم ہے لہٰذا وہ معنیٰ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا ۔ علاوہ ازیں یہ روایت صوفی صاحب اور انکی جماعت کو چنداں مفید

بھی نہیں ہے کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ آپؐ ہر ایک کے حق میں حاضر و ناظر ہیں اور ہر ایک کو دیکھتے اور اُس کا کلام و سلام سُنتے ہیں خواہ قریب ہو یا بعید۔ اور یہ روایت بتاتی ہے کہ آپؐ دُور سے صرف اہلِ محبت کا صلوٰۃ و سلام خود سُنتے ہیں اور دُوسرے لوگوں کا صلوٰۃ و سلام آپؐ پر پیش کیا جاتا ہے لہٰذا ان کو اس بے اصل و بے سند روایت سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ان کے خلاف پڑتی ہے۔ صوفی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی مصنف کا فی نفسہٖ باعظمت ہونا اور بات ہے اور اس کی کتاب میں درج شدہ روایات اور اقوال کی صحت کا اور مقام ہے۔ جب تک کوئی مصنف اپنی کتاب میں صحت کا التزام نہ کرے اور قاعدہ کے مطابق صحیح روایات اور اقوال کی صحت کو ملحوظ نہ رکھے تو محض اس کی عظمت سے روایات صحیح نہیں ہو سکتی ہیں۔ کیا امام نسائیؒ اور امام ابوداؤدؒ کی عظمت اپنی جگہ ثابت نہیں؟ مگر سجل والی روایت ان کی کتابوں میں بھی جعلی ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰) اور کیا امام احمد بن حنبلؒ کا درجہ کسی پر مخفی ہے؟ مگر نو عدد روایتیں مسند احمد بن حنبل بھی بقول عراقیؒ موضوع ہیں (الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص ۱۰۳) اور کیا امام ابن ماجہؒ کی بزرگی اہلِ اسلام کے نزدیک ثابت نہیں؟ مگر خود باقرار صوفی صاحب ابن ماجہ میں جعلی اور موضوع حدیثیں موجود ہیں کما مر لہٰذا اس انداز سے مغالطہ کھانا یا لوگوں کو مغالطہ دینا علم و دیانت کے بالکل خلاف ہے۔

قصیدۃ النعمان جعلی ہے

اہلِ بدعت نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب اور من گھڑت قصیدۃ النعمان کا ایک شعر حاضر و ناظر کے اثبات پر پیش کیا تھا۔ ہم نے تبرید النواظر میں یہ لکھا تھا کہ یہ قصیدہ خالص جعلی اور من گھڑت ہے۔ حضرت امام صاحبؒ کی یہ تصنیف نہیں۔ اگرچہ انکی متعدد کتابیں ہیں مگر قصیدۃ النعمان ہرگز انکی اپنی تالیف نہیں ہے۔ اس کے جواب میں صوفی صاحب لکھتے ہیں۔ بندہ عرض کرتا ہے کہ اہلِ سنّت و جماعت میں سے کوئی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی

تالیفات سے منکر نہیں ہُوا۔ صرف بعض معتزلہ نے انکار کیا ہے سو وہ اعتبار کے قابل نہیں۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ کی مشہور کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔ فقہ اکبر، کتاب العالم والمتعلم کتاب الاوسط، کتاب الوصیتہ، کتاب المقصود۔ یہ کتابیں اتنی مشہور ہیں کہ سند کی محتاج ہی نہیں۔ لیکن اگر خانصاحب ان کی سند ضرور دیکھنا چاہتے ہیں تو قاضی ابو زید الدبوسی کی کتاب الزکوۃ کے باب زکاۃ الخارج اور ابوسہل الغزالی کی کتاب الطہارۃ کے باب الحیض اور ابو علی الدقاق کی کتاب النکاح کے باب العدۃ اور ابو منصور ماتریدی کی کتاب الزکوۃ کے باب زکوۃ السائم اور کتاب الوکالۃ بالبیع والشراء اور ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النکاح کے باب المہر کا مطالعہ فرمائیں۔ ان میں شرح فقہ اکبر تو عام دستیاب ہے لیکن فقہ اکبر کا ایک قدیم نسخہ اور کتاب الوصیتہ بندہ کے پاس بھی موجود ہے۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ کی ایک اور کتاب بندہ کے علم میں ہے جس کا نام زبدۃ النصائح ہے اور اس کا ذکر قرۃ العین بفتاوی علماء الحرمین میں شیخ عبد الحفیظ بن درویش العجیمی حنفی مفتی مکہ مکرمہ نے صفحہ ۹۰ پر کیا ہے۔ امام اعظم رح کا وصال ۱۵۰ھ میں ہوا ہے۔ یعنی دوسری صدی ہجری کے نصف میں۔ اس وقت سے لے کر آج تک کسی بھی عالم سے اس قصیدہ کا انکار منقول نہیں۔ لہٰذا خانصاحب کو اپنی قلتِ علمی پر آنسو بہانا چاہیئے کیا اسی مبلغ علم پر تصنیفات کا شوق گدگدایا ہے یا یہ تجاہل عارفانہ ہے (بلفظہ ص ۱۶۲، ص ۱۶۳)۔

الجواب: حضرت امام ابو حنیفہ رح کا تذکرہ قدیماً و حدیثاً بے شمار کتابوں میں ہوا ہے جن کی زندگی کے حالات، طلبِ علم کا شوق، اساتذہ و تلامذہ وغیرہم سب کا بقدر کفایت ذکر موجود ہے اور ان کے حالات پر مستقل تصانیف مثلاً مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ مکی رح مناقب کردری رح الخیرات الحسان تبییض الصحیفۃ (جن سے بفضلہ تعالیٰ راقم اثیم نے استفادہ کیا ہے) وغیرہا بے شمار کتابیں ہیں۔ کسی ایک کتاب میں بھی اس کا ذکر نہیں کہ قصیدۃ النعمان بھی امام صاحبؒ کی تالیف ہے۔ کسی موافق اور مخالف تذکرہ نویس نے

بھی کبھی اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ حضرت مولانا عبد الحی لکھنویؒ (وغیرہ) نے فقہ اکبر کتاب الوصیۃ، کتاب العالم والمتعلم اور کتاب المقصود وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۳۸) مگر اس جعلی قصیدہ کا تذکرہ انھوں نے بھی نہیں کیا یعنی محققین کے نزدیک قصیدۃ النعمان نام کی کوئی کتاب امام صاحبؒ کی اپنی تالیف ثابت نہیں ہے بعض لوگوں نے فقہ اکبر کا بھی انکار کیا ہے مگر ان کی رائے صحیح نہیں ہے۔ ہم نے مقدمہ البیان الازہر میں ان محققین کے نام جو فقہ اکبر کو حضرت امام صاحبؒ کی تصنیف بیان کرتے ہیں، لکھ دیئے ہیں۔ مشہور قدیم مؤرخ محمدؒ بن اسحاق بن ندیمؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) امام صاحبؒ کی تصانیف میں الفقہ الاکبر کتاب رسالۃ الی البستیؒ کتاب العالم والمتعلم اور کتاب الرد علی القدریۃ کا ذکر کرتے ہیں (الفہرست ص ۲۹۹) مگر قصیدہ النعمان کا نہیں وہ اپنے ثبوت میں سند کا قطعی طور پر محتاج ہے جس کے پیش کرنے سے صوفی صاحب اور ان کے حواری بالکل عاجز ہیں۔

انتہائی دجل

صوفی صاحب نے ویسے تو ساری ہی کتاب میں دجل وفریب کا واضح ثبوت دیا ہے لیکن کتاب کو ختم کرتے وقت فائر بندی (سیس فائر) کے موقع پر جس دجل کا ثبوت دیا ہے، وہ ان کی دیانت اور علم وتحقیق کے کمال کا خوب رونا رو رہا ہے مگر صوفی صاحب کو کبھی بھی شرم نہیں آئے گی کیونکہ وہ مولوی محمد عمر صاحب کے شاگرد رشید ہیں صوفی صاحب لکھتے ہیں: لیکن اگر خالصاحب ان کی سند ضرور دیکھنا چاہتے ہیں تو قاضی ابو زید دبوسی کی کتاب الزکوٰۃ کے باب زکاۃ الخارج الی قولہ اور ابو اللیث سمرقندیؒ کی کتاب النکاح کے باب المہر کا مطالعہ کریں؟ اس عبارت میں جس دجل اور جہالت اور کوڑ مغزی کا ثبوت صوفی صاحب نے دیا ہے وہ دجال اکبر کے دجل کو بھی مات کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنویؒ نے ان شخصیتوں کا حروف تہجی کے لحاظ سے مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں تاریخی طور پر ذکر فرمایا ہے

جن کا ذکر شرح وقایہ میں کسی بھی باب میں ہوا ہے۔ چنانچہ انھوں نے پہلے ابوحنیفہ الامام الاعظم رحؒ کا اور ان کی تصانیف کا ذکر صـ۳۵ تا صـ۳۸ میں کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں ابوزید لہٗ ذکر فی باب زکوٰۃ الخارج من کتاب الزکوٰۃ کہ ابوزید الدبوسی عبیداللہ رحؒ بن عمرؒ (المتوفی ۴۳۰ھ) کا ذکر شرح وقایہ باب الزکوٰۃ الخارج من کتاب الزکوٰۃ میں ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ ابوسہل لہٗ ذکر فی باب الحیض من کتاب الطہارۃ۔ یعنی ابوسہل الغزالی رحؒ کا ذکر شرح وقایہ کتاب الطہارت باب الحیض میں ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں ابوعلی الدقاق لہٗ ذکر فی باب العدۃ من کتاب النکاح یعنی ابوعلی الدقاق رحؒ کا کتاب النکاح باب العدۃ میں ذکر ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں۔ ابومنصور الماتریدی لہٗ ذکر باب الزکوٰۃ السوائم من کتاب الزکوٰۃ یعنی ابومنصور ماتریدی رحؒ کا کتاب الزکوٰۃ کے باب الزکوٰۃ السوائم میں ذکر ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں ابواللیث السمرقندی لہٗ ذکر فی کتاب النکاح یعنی ابواللیث السمرقندی رحؒ کا کتاب النکاح میں ذکر ہے اھ (مقدمہ عمدۃ الرعایہ صـ۳۸، صـ۳۹) پہلے تو صوفی صاحب نے حوالہ ہی نہیں دیا تاکہ ان کا دجل نہ کھل جائے۔ مگر ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کا تعاقب کرنے والا بفضلہ تعالیٰ خانصاحب ہے جو ان کو انشاء اللہ تعالیٰ قبر تک نہیں چھوڑے گا۔ پھر جس فہم اور بصیرت کا ثبوت انھوں نے یہاں دیا ہے وہ ان کا ردنا رو رہی ہے صوفی صاحب تو اپنے دل میں بڑے خوش ہوتے ہوں گے کہ میں نے اتنے حوالے دے کر مورچہ فتح کرلیا اور خانصاحب کو مرعوب کر دیا ہے اور اپنے ناخواندہ حواریوں پر علمی دھاک بٹھا دی ہے مگر اس غیر متعلق عبارت اور حوالے سے امام صاحبؒ کی تصانیف کی اور خصوصاً جعلی قصیدۃ النعمان کی تو کوئی سند نہیں مل سکی جس کو ثابت کرنے کے در پے آپ ہیں۔ یہ محض حوالے ہی حوالے ہیں۔ فرمایئے صوفی صاحب اس عبارت فہمی اور کھلی جہالت نے آپ کو اکسایا ہے کہ آپ تبرید النواظر جیسی ٹھوس علمی کتاب کا رد لکھیں؟ اور کیا اسی مبلغ علم پر آپ مصنفین کے زمرہ میں ٹانگ اڑا رہے ہیں؟ صوفی صاحب کیا آپ کو اب بھی شرم نہیں آتی؟ مگر صوفی صاحب شاید یہ ورد شنا دیں ؎

کردیجئے بس اب مجھے اپنے سے بے خبر   اس اپنے علم نے مجھے جاہل بنادیا

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو راہِ راست پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور غلط اور بے بنیاد اور خودساختہ راستوں سے سب مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین وصلے اللہ تعالیٰ علی رسولہ خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ ومتبعیہ الی یوم الدین   ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ
۲۲ جون ۱۹۷۶ء

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز۔ خطیب جامع مسجد گکھڑ وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ